Jawahir-i-Qurani.
by
Tantawi Jauhari.

یعنی قرآن کریم کے جواہرِ علوم کا نولکھا ہار۔ مصر کے مسلمان فاضل ”طنطاوی جوہری“
کے رسالۂ ”التاج المرصع“ کا اردو ترجمہ جس کو فاضل ممدوح نے علوم جدیدہ
اور معارفِ قرآنی میں مطابقت کرنے کے لئے لکھا۔ اور میکاڈو سے جاپان کو
اسلام کے فضائل سے آگاہ کرنیکا مقصد پیش نظر رکھ کر نذر کیا۔

خاص کارخانہ حمیدیہ ایجنسی کے لئے محمد حلیم
(انصاری ردولوی) نے اردو میں ترجمہ کیا۔

اور باہتمام مولوی محمد انشاء اللہ خان صاحب

حمیدیہ سٹیم پریس۔ لاہور۔ میں طبع ہوا۔

گذارش مترجم

جاپان میں تحقیق مذاہب کا جلسہ ہونے کی خبر سُنکر دنیا کے ہر گوشہ سے ہر ایک مذہب کے علماء نے شرکت کا ارادہ کیا۔ اور مسلمانوں میں بھی طبعاً اس امر سے ایک تحریک اپنے مذہب کی تبلیغ کی پیدا ہوئی۔ کانفرنس مذاہب کا تو نام ہی نام ہُوا۔ مگر اس سلسلہ میں بعض مسلمانوں کو تبلیغ اسلام پر مناسب اور حسب ضرورت وقت مفید رسائل تالیف کر دینے کا خیال سوجھ گیا۔ ہندوستان میں زبانی غل و شور ہوتا رہا۔ اور مصر میں جہاں کے مسلمان عربی مادری زبان رکھتے ہیں۔ اور علوم مغربیہ سے بھی خاصے باخبر ہیں۔ چند رسائل اس موضوع پر بہت اچھے نکل گئے۔ ان میں سے ایک رسالہ "سفیر اسلام" مولفہ محمد فرید وجدی کا ترجمہ خاکسار مترجم نے پہلے ہی کر کے بطور خود شائع کر دیا۔ جو کہ نہایت مختصر تھا۔ اور الحمد اللہ کہ وہ مقبول ہُوا۔ اور اُسی کے ساتھ کا دوسرا رسالہ شیخ طنطاوی جوہری کی تالیف موسوم بہ "التاج المرصع بجواہر القرآن والعُلوم" بھی ترجمہ کے لئے زیر تجویز تھا کہ اتفاق سے جناب فضائل مآب مولوی محمد انشاء اللہ خاں صاحب مالک و ایڈیٹر اخبار وطن لاہور کے کارخانہ سے میرا تعلق ہو گیا اور اب میں نے ابنائے مِلّت کو زیادہ عرصہ تک اِس قابل قدر رسالہ کے مطالعہ سے محروم نہ رکھنے کا فیصلہ کر کے اُسے "جواہر قرانی" کا نام دے کر سلیس اردو میں ترجمہ کر دیا۔ اور اپنے غیور و با حمیّت ہمدرد قوم مخدوم کی عنایت سے یہ عمدہ قومی اور اسلامی خدمت بجا لا سکا۔ اب اس کام کی قدر دانی قوم کے ہاتھوں میں ہے۔ واللہ الموفق۔

۲۶ فروری ۱۹۰۸ء

محمد حلیم انصاری
رو دلوی نزیل۔ لاہور

یافتاح

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بارالہا! تیری حمد اور میری زبان۔ اور تیرے حبیب کی مدح اور میرا بیان۔ ہرگز نہین۔ یہ انسان کی قوت سے خارج ہے کہ تیرے حمد کے بحر بیکران سے ایک قطرہ بھی ٹپکا سکے۔ یا تیرے محبوب شفیع مذنبان کی نعت کا کوئی شمہ تک بیان اور تحریر کے احاطہ میں لا سکے۔ اِس لئے مین تبرک کے طور پر فریضۂ حمد و صلوٰۃ ادا کرتا ہوا تیری بارگاہِ رفیع سے التجا کرتا ہوں۔ تو ہی میرے قلم کو روانی کی طاقت اور میرے دل و دماغ کو جولانی دکھانے کی ہمت عطا کرے۔ تو ممکن ہے کہ میں اُن اسلامی عُلوم کو دنیا کے پیش نگاہ جلوہ گر بنا سکوں۔ جنہیں تو نے اپنے بے پایان کرم سے میرے خزانہ ادراک میں بھر دیا ہے۔ اور تو ہی مجھ کو وہ اعلےٰ روح اور قُدسی قوت مرحمت کر سکتا ہے۔ جس کے وسیلہ سے میں اِس کتاب کو حدِ اختتام تک پہنچا سکوں۔ اور اس کو ایسا شیرین و صاف چشمہ بنا سکوں کہ تحقیق حق کے متلاشی اپنا گوہرِ مقصود اس کی تہ میں پا کر اپنی تشنگیٔ شوق کو بجھا سکیں اور غور کرنے والے دماغ اس کے جواہر آبدار کی آب و تاب کا نظارہ کرین۔ چنانچہ اب میں آپ بیتی کے کچھ نمونے "جواہر" کے نام سے موسوم کرکے بیان کرنا شروع کرتا ہون۔ اور وہ حسب ذیل ہیں:۔

پہلا جوہر۔ صحیفہ کائنات کا مطالعہ

خِلقی طور پر میں غور و فکر سے اُنس رکھنے والا پیدا ہوا۔ اور ہمیشہ صحیفۂ کائنات کا مطالعہ میرا نصب العین رہا۔ میں سال کے دو حصے کیا کرتا۔ چھ مہینے پڑھنے لکھنے میں بسر کرتا اور جامع ازہر شریف کے خرمن فیض کی خوشہ چینی کرتا رہتا۔ زبان عربی کے قواعد۔ فقہی مسائل یعنی عبادات اور دنیاوی کاروبار کے قوانین اور ضوابط کی ابتدائی تعلیم وہاں پاتا۔ اور پھر نصف سال کے بعد دوسرے نصف حصہ میں دیہات اور سرسبز مرغزاروں کی طرف واپس آتا۔ تو قدرت کی صناعیوں کے نمونے بڑی غور اور تعمق کی نگاہون

سے دیکھا کرتا۔ اس دلفریب منظر کا جو ابتدائی عکس میرے دل و دماغ کے صفحوں پر پڑا۔ وہ محض سطحی تھا
یعنے میں نے گل و قمر کے رنگ و روپ، سبزہ و ریاحین کے حُسن و جمال اور اُن کے فوائد و نتائج کا اُسی
حد تک اندازہ کر پایا۔ جہاں تک گرد و پیش کے حالات اور سن و سال اور معاشرت روزمرّہ کے احوال
میری عقل کو پہنچنے کی اجازت دے سکے۔ تاہم میں نے ہر ایک پھول و پھل، برگ و ثمر، اور جڑی بوٹی
سے لے کر بڑے بڑے تنآور اشجار تک ہر ایک چیز کا بغور مطالعہ کرتے رہنا اپنا اُصول بنا لیا اور
اس ابتدائی سبق میں اپنا قیمتی وقت ہرگز ضائع نہیں کیا۔ یہ مطالعہ مجھے اس نتیجہ پر پہنچانے کا ذریعہ
ہوا۔ کہ آخر ہمارے اسلامی مدارس میں بجائے اس کے کہ پہلے ہی سے مُبتدی اور کم سن بچّوں کے
دماغ میں قواعد صرف و نحو اور مسائل نماز و زکات وغیرہ کو ٹھونسا جاتا ہے۔ اگر وہاں ان دلفریب
قُدرتی مناظر اور عجائبات کائنات پر مختصر مختصر سبق دیئے جائیں۔ اور اُن کے ساتھ ہی خالقِ عالَم
جلّ جلالہٗ، کے وجود اور اُس کی بے حد و شمار قدرت و حکمت، صنعت، و رحمت اور عظمت و جلالت
کا فلسفہ مبتدی کے دماغ میں اُتار دینے کی کوشش عمل میں آئے تو کیا ہی اچھی بات ہو۔ اور پڑھنے
والوں کو کتنا کچھ لطف آئے؟ کیونکہ بے چوبہ آسمان کا قائم رکھنے والا، زمین کے فرش کا بچھانے والا،
ندیوں اور دریاؤں کو روانی میں لانے والا، نباتات کو نشو و نما، درختوں کو پھل پھول۔ پھولوں کو مہک
اور چمک، اور دلفریب صورتیں عطا کرنے والا خدائے بے ہمتا، بے مثل و یکتا۔ وہی تو ہے جس نے
علوم و فنون کے تخم انسانی دماغ میں اُگنے کے قابل بنائے۔ نماز روزے فرض کئے، زکات و خیرات
کا حکم دیا، تجارت و معاملت کرنے کے قرینے بتائے، تقسیم میراث اور جرائم کی سزاؤں کا قانون ترتیب
دیا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ اُس نے ایسے امور اور مسائل کا سیکھنا تو ہم پر فرض کر دیا۔ جن سے ابھی ہم کو
کچھ بھی تعلق نہیں اور مظاہر قدرت کا معائنہ اور ان سے وجود خالق کے دلائل و شواہد نکالنا ہم پر
ضروری اور لازمی نہیں بنایا؟ ۔ دن اسی غور و فکر میں گذر جاتا، اور رات کی تاریک چادر فضائے
عالم کو اپنے نیچے چھپا لیتی تو میرا اشہب خیال پستی سے بلندی کی طرف چڑھتا اور ارضی کائنات اور
مخلوقات کو ترک کر کے آسمانی اجرام کی سیر میں مصروف ہو جاتا۔ اللہ اللہ! یہ تو کچھ عجیب ہی عالم ہے!
ایک بے حد و پایان لمبی چوڑی کالی کملی جہاں تک نظر کام دیتی ہے۔ ہر سمت تنی ہوئی نظر آتی ہے۔
نہ کہیں اس میں شگاف ہے۔ نہ کسی جگہ جوڑ و پیوند کا پتا ملتا ہے۔ سلوٹ اور شکن کیسی اور جھول جھال
کہاں کا۔ صاف گنبد نما شامیانہ ہے۔ اور اُس میں سیکڑوں اور ہزاروں تو کیا لاکھوں۔ بلکہ کروڑوں
نہیں نہیں۔ شمار اور گنتی سے باہر موتی اور آبدار جواہر شبچراغ ٹکے ہوئے ہیں۔ جنکی چمک دمک اور آنکھوں

کو نورِ دل کو سرور بخشنے والی ضوء دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ اور سمجھ کام نہیں کرتی۔ کہ یہ کیسے اجرام ہیں؟ اُن کو کس نے بنایا۔ کیونکر ٹانکا، اور یہ شامیانہ اتنا بلند اور بے پایان کس نے تانا؟ عقل اِن سوالوں کا جواب مانگتی ہے۔ مگر میں خالی الذہن ہوں، انجان ہوں۔ بھولا نادان ہوں۔ کیا کہوں۔ اور کس بات کو بتاؤں۔ اُستاد نے کبھی یہ سبق ہی نہیں دیا۔ اور اگر اِس بارہ میں کچھ بتایا بھی تو یہ بتایا کہ "دنیا میں تغیر و انقلاب کا وصف پایا جاتا ہے۔ رات دن کا پے در پے آنا، حیوانات، نباتات، اور جمادات کا ہست اور نیست ہوتے رہنا، فصل و موسم کا بدلنا، اور یہاں کی کسی چیز کا ایک قرار پر نہ رہنا بتاتا ہے۔ کہ یہ دنیا حادِث (بنائی ہوئی یا نئی پیدا شدہ) ہے اور جب دنیا حادث ہے۔ تو اُس کا کوئی مُحدِث (پیدا کرنے والا اور اُس میں ہست اور نیست ہونے کی خاصیت ودیعت رکھنے والا) بھی ضرور ہوگا۔ وہ کون ہے؟ اللہ پاک"۔ مگر اُس کی حکمتوں اور نشانیوں کا سمجھنا اور اُس کے فیض کے قدرتی چشموں اور ندیوں سے فیض اُٹھانا ممنوع اور متروک امر ہے۔ چنانچہ جہاں کوئی ایسا فلسفی مسئلہ کسی کتاب میں آیا اور اُنہوں نے وہ کتاب پیچ کر الگ کر دی۔ اِن اسباب سے مجھ کو کمال حیرت تھی کہ میں کچھ دیکھتا ہوں اور دین کچھ اور کہتا ہے۔ اور یقین کے لئے جس چیز کی ضرورت ہے۔ تقلید اُسے معیوب قرار دیتی ہے۔ پھر حیرت بالائے حیرت یہ تھی کہ خود علمائے کرام "ایمان کی صحت عقل اور بُرہان پر موقوف بتاتے اور بے سوچے سمجھے عقائد دینی کو مان لینا غیر مستحسن ٹھہراتے تھے۔ بہرحال میں اپنے دینی ہدایتوں کی طرف نظر کرتا تو اُن کو سرتاپا تقلیدی امور دیکھتا اور اپنی فطرت کی طرف واپس آتا۔ تو اُسے حصول یقین کی سعی میں منہمک پاتا تھا۔

دوسرا جوہر۔ مذاہب کا باہمی مقابلہ

میرے شوق میں مزید اشتعال اور میری طبیعت میں پہلے سے بڑھ کر تحقیق کا ذوق پیدا کرنے والی یہ بات ہوئی کہ ایک دن اتفاقاً میں نے فوجی بھرتی کے قانون میں مطالعہ کیا۔ کہ "دین عیسوی کا بھی ایک خاص علم الٰہیات ہے۔ اور وہ برابر سرگرمی کے ساتھ عقلی بحث و دلائل کے ذریعہ وجودِ خالق کے متلاشی رہتے ہیں"۔ یہ عبارت دیکھ کر میرے تو ہوش جاتے رہے۔ اور میں نے اپنے دل میں کہا۔ جبکہ ہماری ہی طرح عیسائی بھی خدا کی جستجو کرتے اور جو علم ہم رکھتے ہیں۔ وہی وہ بھی رکھتے ہیں۔ تو اب اِس بات کا فیصلہ کیونکر ہو۔ کہ ہر دو فریق میں سے حق اور صدق کا پلّہ کس کی طرف زیادہ جھکتا ہے؟ میں اسی حیرت اور غور کے دریا میں پڑا غوطے کھا رہا تھا۔ کہ یکایک مجھے اِس وَرطہ سے بچ نکلنے کا عمدہ

وسیلہ مل گیا۔ یعنے امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ کی سوانح عمری میرے ہاتھ لگی اور میں نے اُن کے سوانح زندگی کو پڑھ کر معلوم کیا کہ معرفت خالق کے اعلےٰ منزل پر پہنچنے کے لئے جو زینہ مجھے ملا ہے۔ بعینہٖ اسی زینہ سے امام ممدوح بھی تدریجی ترقی کرتے ہوئے آخر ہدایت کے درجہ پر پہنچ گئے اور اُنہوں نے اپنے تحقیقات کا جو سفرنامہ بیان کیا تھا۔ اُس کے مطالعہ سے میرے دماغ میں بھی ایک نئی روشنی جلوہ گر ہوئی۔ جس نے مجھ کو حیرت و سراسیمگی کے تاریک غار سے نکال کر تحقیقات کے روشن شاہراہ پر لا ڈالا۔

:- تیسرا جوہر۔ عالم اور صانع :-

میں نے بار دیگر دُنیا اور اُس کے بنانے والے کا سراغ لگانے میں کوشش شروع کر دی۔ میرے دل میں اِس عالم ہستی کا راز معلوم کرنے اور اُس کے صانع کی معرفت حاصل کرنے کا شوق اور ولولہ اِس قدر بڑھا ہوا تھا۔ کہ میں نے ہزار کوشش سے یہ ارادہ ترک کرنا چاہا۔ مگر نہ ہو سکا اور جس قدر اِس خیال سے باز آنے کی تدبیر سوچی۔ اُسی قدر یہ اور پختہ ہوتا اور جڑ پکڑتا چلا گیا۔ غرضکہ اب مجھے دو باتوں میں سے ایک امر کا فیصلہ کرنا تھا۔ یا یہ کہ میں اِس دنیا کے مقررہ اور منتظمہ قوانین پر چلنے کو میزان عقل میں تول کر ٹھیک اُترنے کا پتا لگاؤں اور اُس کے صاحب قدرت اور مدبر صانع کا اقرار کروں۔ اور یا مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ اُس کا کوئی نظام نہیں۔ بلکہ ہر بات یہاں کی بے ڈھنگ اور خبط و بے ربط ہے۔ تاکہ عالم علوی کی جو باتیں میں سُنتا ہوں۔ اُن کے ادراک کر سکنے سے مایوس اور حسرت زدہ بن کر سرِ عجز جھکا دوں۔

:- چوتھا جوہر۔ توحید کی تعلیم :-

میں نے اس حقیقت کو علم توحید کے ذریعہ سے مطالعہ کرنے کا ارادہ کیا اور بعض کتابیں اِس علم کی پڑھنے لگا۔ میں نے کیا دیکھا بھرف یہ کہ جس طرح اقلیدس کی شکلیں ثابت کرنے کے لئے اُصول موضوعہ اور دلائل ہندسیہ کا ایک سلسلہ قائم کیا جاتا اور مُقدّمات سے نتیجہ نکالا جاتا ہے۔ وہی حالت یہاں بھی ہے۔ یعنی دنیا اور اُس کی ترتیب و انتظام پر نظر کرنا یا اُس کے عجائبات اور نادرات سے بحث کرنا بالکل پس پشت ڈال دیا گیا ہے۔ اور اُسکی جگہ فرضی باتیں لے کر اُنہی کو بنائے دلیل بنایا ہے۔ مثلاً وجود صانع کا ثبوت دیتے ہیں تو یوں کہ "عالم حادث ہے۔ اور حادث کا کوئی مُحدِث ضرور ہوگا۔ الغرض

معبود ایک ہی ہے۔ اگر دو خدا ہوتے تو دنیا کے انتظام میں خلل آجاتا اور وہ خدائے واحد ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔" اب قدرت کی بحث شروع کی تو سوال پیدا ہوا کہ " آیا قدرت (باری تعالےٰ) کوئی ذات سے زائد صفت ہے یا عین ذات ہے؟" اور خدا تعالےٰ موجود ہے۔ تو اُس کا وجود کیا ہے؟ آیا وہ عین موجود ہے یا غیر موجود؟" غرضکہ یونہی سلسلہ بحث طول کھینچتا چلا جاتا ہے۔ اور اسی طریق بحث نے خاص خاص مسلمانوں کی عقلیں بھی اسرار عالم اور اُس کے نظام کے عجائبات کی تحقیق و جستجو سے پھیر دی ہیں۔ اور گویا ہمارے لئے بس کر لینے کا درجہ یہی ہے۔ کہ جب مذکورہ بالا طریق استدلال سے۔ (اپنے نزدیک) اثبات وجود باری تعالےٰ کے مرکز پر پہنچ گئے۔ تو پھر اب کسی استدلال یا تحقیقات کی ہرگز ضرورت نہیں اور ہم عالم ہو گئے۔ اس طرز استدلال میں تمام تر تعلق اسی بات سے ہے۔ کہ دنیا کو صنعت گری خالق مانتے ہیں۔ مگر حیف اور صد حیف کہ اُس کی خوبیوں اور اُس مصنوع کی عمدگیوں پر برائے نام بھی نظر نہیں ڈالتے۔ یا نام کے لئے اُس کا تذکرہ بھی کر دیا۔ تو اس سے کیا نفع ہونے کی اُمید ہے۔ کیونکہ قصداً اور تفصیل کے انداز پر اس مصنوع کی خوبی کا کہیں ذکر نہیں آتا۔ میں نے علم توحید کے مطالعہ سے کسی قدر اپنے دل کی تسکین ضرور کر لی۔ مگر اس تسکین کے بعد بھی میری طبیعت میں اپنے حسب مُراد دلائل کے ساتھ وجود باری تعالےٰ کے ثابت اور معلوم کر سکنے کا شوق پہلے سے بدرجہا بڑھ گیا۔ اور اب میں قرآن شریف کی طرف جُھکا جو کہ عام طور سے صرف تبرکاً پڑھا جاتا ہے اور اُس کے معانی اور مطالب سمجھنے کی کوشش معمولاً کوئی بھی نہیں کرتا۔

پانچواں جوہر۔ قرآن شریف پر غور۔

قرآن شریف کے بارہ میں کچھ عرض کرنے سے پہلے میں ایک تمہیدی مقدمہ بیان کرتا ہوں اور اس مُقدمہ سے مقصود کی وضاحت بڑھ جائیگی۔ وہی ہذہ :۔

" قرآن کریم کا نزول ایسے زمانہ میں ہوا جبکہ عَرَبی قوم وحشت اور صحرائی زندگی کی منزل سے کچھ بھی آگے نہیں بڑھی تھی۔ کتاب الٰہی نے اُس کے اخلاق و اطوار کی خرابیاں دور کر کے اُسے ایک شاندار اور متمدّن قوم بنا دیا۔ جس کی وجہ سے اہل عَرَب نے پہلی صدی ہجری میں فتوحات بلاد کے سوا اور کوئی مشغلہ نہیں پایا۔ یہ حالت خاندان بنی اُمیّہ کے عہد حکومت تک بدستور رہی۔ اور اس تاجدار گھرانے کی بربادی اور عباسیہ خاندان کی حکمرانی کا دور شروع ہوتے ہی جدید اور مزید فتوحات کی حرکت

سپند ہو گئی۔ اور اب اہلِ عرب کے دماغ مدائنِ علم کے فتح کرنے پر جھکے۔ اور جس طرح ایک صدی سے
زائد بلکہ تقریباً ڈیڑھ سو سال تک وہ محض اہلِ سیف رہے تھے۔ ویسے ہی اب اُن کو اہلِ قلم بننے
کا بھی موقع ملا۔ اور اُنہوں نے علوم اسلامیہ کی تدوین اور دیگر اقوام کے علوم و حکمت کی جہان بین
پر کمر باندھی۔ یا دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے کہ اُنہوں نے اپنی فاتحانہ زندگی میں جن ثمردار
درختوں کی پودہ بٹھائی تھی۔ اب اُنکی نشو و نما کا تکملہ ہو جانے پر اُن سے پھل کھانے کا سامان
شروع کیا۔ حکمائے یونان کی کتابیں عَرَبی میں ترجمہ کی گئیں۔ ایران کے روشن دماغ علماء جو دین
اسلام میں فوج در فوج داخل ہو رہے تھے۔ علومِ تمدّن اور فلسفۂ یونان کے ترجمہ و اَخذ میں
اُن سے بھی قابلِ قدر مدد ملی۔ لوگوں میں فلسفۂ یونان کا رواج ہوا اور نئی بات میں خاص لطف
ملنے کے باعث رات دن اِسی کا مشغلہ رہنے لگا۔ مگر بات یہ تھی کہ مُترجم وہ لوگ تھے۔ جن
کو بذاتِ خاص علوم فلسفہ سے مَس تک نہ تھا۔ یونانی زبان جانتے تھے۔ اور زبان عَرَبی پر بھی بخوبی
قادر تھے۔ اِس لئے اُنہوں نے لفظی ترجمہ کر دیا۔ اور معنوی ترجمہ نہ کر سکے۔ پڑھنے والوں کو سمجھنے
میں مشکل آپڑی یا اُنہوں نے جو بات سمجھی وہ حقیقت اور نفس مطلب کے خلاف تھی۔ بدیں وجوہ و
اسباب غلط فہمیاں بڑھیں اور لوگ راہ راست سے بھٹک چلے۔ اہلِ علم گمراہی میں پڑکر سرگردان
ہو گئے اور علمائے دین نے اُن کو ہزار سیدھے راستہ پر لانا چاہا مگر وہ اِدھر نہ آئے۔ ابن سینا، اور
فارابی، کے ایسے پیشوائے فلسفیانِ اسلام۔ اور ابن رشد اور غزالی جیسے آتش دماغ حکماء بھی
باہم بحث و جدال اور نزاع اور مناقشہ پر اُتر آئے۔ اور اُن کی باہمی بحث اور اُن کے مناظرات علمی
نے دوسرے آدمیوں کو یہ خیال دلا دیا۔ کہ علومِ فلسفہ اور طبیعیات دین کے خلاف اور قرآن
کریم کے مخالف ہیں۔ اِس واسطے عام مسلمان ادیب اور فقیہ سبھوں نے ایک زبان ہو کر
فلسفہ کو کُفر اور مخالف مذہب قرار دے دیا۔ اسلامی عقائد اور علوم طبیعیات کے بارہ میں تو یہ
رائے قرار پائی اور دوسری طرف ائمہ یعنے ابو حنیفہ، شافعی، سفیان ثوری، محمد، ابو یوسف، مالک،
اور احمد بن حنبل، رحمہم اللہ نے علم فقہ کی تدوین کر کے عبادات، معاملات، تعزیرات اور تقسیم
میراث کا اسلامی قانون مکمل کر ڈالا۔ اور اِس طرح قوم کے دو حصّے ہو گئے۔ ایک حصّہ فلسفہ اور
حکمت کے پیچھے پڑ گیا اور اُس کی تحقیق و تفتیش میں سرگرم ہوا۔ اور دوسرا حصّہ علم فِقہ کی تحصیل و
تکمیل میں مصروف رہا۔ فلاسفہ نے علوم معقولات اور طبیعیات کی دُھن میں لگ کر قرآن شریف
کو بالکل نظر انداز کر دیا۔ اور فقہاء نے اپنے قبل گزرنے والے ائمہ کے استنباطِ مسائل پر اکتفا کر کے

اجتہاد کو حرام قرار دے دیا۔ صرف اساتذہ اور شیوخ کی تصنیفات ہی پر اُن کا دارومدار رہا اور اسی
سبب سے وہی مسائل جو اگلے زمانہ میں معاملات وغیرہ کی بابت موضوع ہوئے تھے۔ آج بھی
بجنسہ اُنہی پر عمل کیا جارہا ہے۔ مختصر یہ ہے کہ بادشاہون کی خودسرانہ حکومت اور ظلم پسندی اور
برباد کُن خانہ جنگیون کی شدت نے عام و خاص ہر طبقہ کے مسلمانون کو قرآن کی طرف توجہ
کرنے سے روک دیا اور وہ فرقان حمید میں غور کرنا ترک کر بیٹھے۔ اور دنیاوی علوم میں سے
کسی قدر یونانی فلسفہ کے رشحات اور علم دین میں اگلے علماء اور گذشتہ اساتذہ کی تصانیف
ہی پر اُن کا دارومدار رہ گیا۔ چنانچہ میں نے اپنی تعلیم کے زمانہ میں مسلمانوں کا یہ حال پایا۔ کہ قرآن
کا دیکھنا صرف حصول برکت کا ذریعہ مانا جاتا تھا۔ اور اُس سے جدید مسائل کے استخراج میں
کوشش و اجتہاد حرام قرار دے دیا گیا تھا۔ اور آج تک یہی حال ہے۔ بہتیری مرتبہ میں نے اپنے
استادوں سے یہ تاکید سُنی کہ طالب علمون پر خود ہی قرآن کی تفسیر کرنا حرام ہے۔ تا وقتیکہ وہ
اساتذہ سے اس فن کی تلقین نہ پالیں۔ اور اساتذہ کی تفسیر کا انحصار اگلے زمانہ کے اساتذہ اور
ائمہ کی مدوّن کی ہوئی کتابوں پر ہے۔ وہ اعتقاد رکھتے ہیں۔ کہ صدر اوّل کے مسلمانون اور اماموں
نے قرآن کے معانی و مطالب پر جو عبور حاصل کیا ہے۔ وہ اُن کے بعد کسی کو ہرگز نصیب نہیں
ہو سکتا۔ بلکہ آج یہ حالت ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی
کتابین بھی ہمارے لئے (معاذ اللہ) قرآن ہی کے مانند ہوگئی ہیں۔ کیونکہ اُن کا سمجھنا لوگوں پر
دشوار ہوتا گیا۔ اور ہر ایک طبقہ اپنے قبل کے طبقہ سے مرتبہ بمرتبہ فہم و ادراک میں گرتا ہی چلا گیا
غرضکہ ابتدا ہی سے یہ تقسیم ہوگئی تھی اور حق یہ ہے کہ نہایت بُری تقسیم و تفریق ہوئی تھی۔ مگر اُس کے
ساتھ ہی اُنہی دنون ایک اور آفت کا پرکالہ فرقہ بھی مسلمانوں میں پیدا ہوگیا۔ اور جو آگ اُس نے
لگائی وہ صدیوں کی متواتر کوششوں کے باوجود آج تک بجھنے میں نہیں آئی۔ بلکہ ایک طرح
دیکھا جائے تو اُس فرقہ کا کیا ہوا کام آج مسلمانوں کی تباہی کا سب سے زبردست ذریعہ ثابت ہو
رہا ہے۔ اور اُن کا حال ابتر بنا رہا ہے۔ یہ فرقہ کون تھا؟ جس نے بظاہر تقوے اور صلاح و
دینداری کے لباس سے آراستہ ہونے کے پردہ میں جھوٹی حدیثین گھڑ کر سادہ لوح مسلمانوں کو فریب
دیا اور گو ایک طرح پر اُس نے دروغ مصلحت آمیز پر عمل کیا۔ تاہم جو خیال کہ ایسی حدیثوں سے
مسلمانوں کے دلوں میں پیدا ہوا۔ اُس نے آخرکار وہم پرستی کی قبیح عادت اُن میں پیدا کردی۔
اِس فرقہ نے دیکھا کہ متکلمین اور فقہاء کے فرقوں میں مخالفت کی وہ جنگ و جدال چھڑ گئی ہے۔

جس کا غوغا اطراف ممالک اسلامی میں گونج اٹھا ہے۔ اور عامۂ مسلمین حیرت و سراسیمگی کے جوش میں مبہوت ہو رہے ہیں۔ تو اس نے من گھڑت حدیثین قرآن کریم کی سورتون کے فضائل میں بناکر مشہور کردین۔ یہ حدیثین امام سیوطی کی تصنیف کتاب "اتقان فی علوم القرآن" میں بھری پڑی ہیں۔ اور جب محققین نے ایسے بد اخلاق لوگوں سے اس طرح کی حرکت کرگذرنے کا سبب دریافت کیا۔ تو اُنہون نے عذر کیا معقول پیش کیا کہ "ہم نے لوگوں کو ابی حنیفہ وغیرہ فقہاء کے مرتب کئے ہوئے علم فقہ سے الگ کرکے قرآن کی طرف مائل بنانے کے لئے یہ کام کیا ہے۔ چنانچہ اُن کی غرض پوری ہوئی۔ اور تبرکاً قرآن پڑھنے والوں کی کثرت ہوگئی۔ مگر یوں کہ معانی و مطالب پر غور کرنا قطعاً ترک اور صرف طوطے کی طرح الفاظ قرآن کو رٹ لینا یا زبان سے ادا کردینا ہی ضروری اور فرض قرار پاگیا۔ اور یہی حالت اِس زمانہ تک چلی آتی ہے۔ جسمیں ہم بھی موجود ہیں۔

چھٹا جوہر۔ قرآن پر غور کرتے وقت مجھ پر کیا حالت طاری ہوتی تھی۔

مذکورہ بالا تمہیدی مقدمہ پر نظر ڈالنے کے بعد اگر دیکھا جائیگا۔ کہ میں قرآن کریم ہی سے عبرت انگیز تاریخی نتائج، تمدّن اور حضارت اور ترقی ملک وملّت وغیرہ کے اُصول بیان کررہا ہوں۔ تو اِس بات سے ناظرین حیرت میں نہ پڑینگے۔ کیونکہ یہی وہ باتین ہیں۔ جن کے سمجھنے میں مسلمانون نے نہایت مذموم غفلت بَرتی ہے۔

اگر ان دنوں کسی امریکن عالم نے ایک خراسانی عالم سے دین اسلام کے متعلّق تحقیقات کرنا شروع کیا ہے۔ تو اِس کو کوئی عجیب بات نہ تصوّر کیجئے۔ اور پھر وہ امریکن عالم اسلام کے حق ہونے کو مان کر اپنے مُلکی اخبارات میں فضائل اسلام پر مضامین لکھ رہا ہے۔ تو یہ بھی موجب حیرت نہ ہونا چاہیئے۔ اور نہ اُس کے مُلکی اخبارات کے یہ دل شکن جوابات ہم کو رنجیدہ بنانے میں کامیاب ہونے چاہئیں۔ کہ دین اسلام وحشی اور غیر مہذب قوموں کا دین ہے۔ اگر اس دین میں تمدُّن اور تہذیب کی ہدائیتیں شامل ہیں۔ تو کیا وجہ ہے۔ کہ اِس کی پابندی نے مسلمانون کو روشن دماغ عالم اور ترقی یافتہ متمدّن اور مہذب انسان نہیں بنایا اور کیوں اُن کو عروج اور ترّقی کے اعلےٰ مرتبہ پر نہیں پہنچا دیا۔؟ کیونکہ جہاں تک ہم دیکھتے ہیں اہل اسلام میں زندگی اور ترّقی کے آثار بالکل نہیں پائے جاتے۔ وہ سخت بداخلاق اور جاہل، اوہام پرست لوگ ہیں۔ اور اس قدر بے حِس ہیں کہ دنیا میں مغربی علوم و تمدُّن کی روشنی سے جو آب و تاب پیدا ہوگئی ہے۔ اُس کی طرف یہ کیوں نظر نہیں کرتے؟ اخبار العالم الاسلامی میں ہم نے یہ تمام بحث پڑھی اور اُس کے مطالعہ سے ہمارے قلب کو جو صدمہ پہنچا۔ اُس کا بیان آسان امر نہیں

بہر حال جب خود ہم میں خرابیاں اور نقص ہوں تو عیب نکالنے والے کی خطا کیا ہے۔ اور ہماری کبھی پر اہل یورپ اعتراض کریں۔ تو اس میں اُن پر الزام رکھنا کب روا ہے؟ جبکہ عرصۂ دراز سے اُمّت کا یہ حال تھا۔ تو پھر اِس زمانہ کی نسبت کیا پوچھنا ہے۔ جو کہ ہمارا زمانہ ہے۔ اور جس میں عام لوگوں کو کتاب حکیم کے سرچشمۂ فیض سے سیراب ہونے کی بندش کر دی گئی ہے۔ اور اُنہیں معانی و مطالب قرآن پر غور و فکر کرنے سے روک دیا گیا ہے۔ اسی وجہ سے جب میں نے قرآن مجید سے جو کہ سراپا ہدایت اور ہادیٔ حق ہے۔ ہدایت حاصل کرنے کا ارادہ کیا۔ تو علاوہ ہر طرف سے اپنے تئیں سخت بندشوں میں جکڑا ہوا پانے کے وہم اور جہالت کے وسوسوں نے بھی بہت کچھ عقل کو اِس مفید اور سراپا خیر کام سے روکا اور نور قرآن سے ضوء حاصل کرنے کی ممانعت کی۔ لیکن خدا کا شکر ہے۔ کہ میں اِن سب بندشوں کو توڑ کر اور سارے اوہام اور وساوس سے مُونہہ موڑ کر آخر اپنی منزل مقصود پر پہنچ گیا اور معانی قرآن کے سمجھنے میں کامیاب ہوا۔ میں ناظرین کو شبہ اور رشک میں مبتلا کرنا نہیں چاہتا۔ اِس لئے صاف کہتا ہوں کہ یہ ابتدائی مشکلیں میں نے رفتہ رفتہ جھیلیں۔ اور تدریجی رفتار سے چلتا ہوا منزل تک پہنچ سکا۔ پھر میں نے اساتذہ سے بھی اُس کی باقاعدہ تعلیم پائی اور اُس کے بعد امام غزّالی رحمتہ اللہ علیہ کے علوم کا مطالعہ کیا اور دیکھا کہ وہ علم کا دریائے ناپیداکنار اور عظیم الشان مُصلح شریعت اور توحید کی تعلیم دینے میں دنیا اور دین کے فوائد اور بہبود کو ایک ساتھ جمع کرنے کا طریقہ اختیار کر رہا ہے۔

اتفاق سے قرآن شریف میں میری نظر سب سے پہلے ایک ایسے نکتہ پر پڑی۔ جو کہ میرے خیال سے بالکل موافق تھا۔ اس کی صورت یہ ہوئی کہ حدیث شریف تَفَكُّرُ سَاعَةٍ خَيْرٌ مِنْ عِبَادَةِ سَنَةٍ۔ ترجمہ ایک گھڑی کا غور ایک سال کی عبادت سے بہتر ہے۔ میری نظر سے گذری اور اسی کے ساتھ دوسری حدیث میں نے یہ پڑھی۔

حدیث	ترجمہ
''رُوِیَ اَنَّهُ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَقَدْ اُنْزِلَتْ عَلَیَّ اللَّیْلَةَ آیَةٌ وَیْلٌ لِمَنْ قَرَأَهَا وَلَمْ یَتَدَبَّرْهَا وَیْلٌ لَهُ وَیْلٌ لَهُ۔ ثُمَّ قَرَأَ قَوْلَهُ تَعَالٰی ''اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ	روایت کی گئی ہے۔ کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا آج کی رات مجھ پر ایک ایسی آیت نازل کی گئی ہے کہ اُسکو پڑھکر جو شخص اُسپر غور نہ کرے۔ اُسکے لئے سخت عذاب ہے۔ اور وہ ہلاکت میں پڑیگا۔ پھر آپنے پڑھا قولہ تعالیٰ ''بیشک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں۔ اور رات دن کے اول

اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ وَتَصْرِيفِ الرِّيَاحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ۝ (۲: ۱۶۰)

ہیں اور جہازوں میں جو لوگوں کے فائدے کی چیزیں (یعنی مال تجارت) لیکر سمندر میں چلتے ہیں۔ اور مینہ جسکو اللہ آسمان سے برساتا پھر اسکے ذریعہ سے زمین کو اسکے مرے پیچھے پھر زندہ (یعنی شاداب) کرتا ہے۔ اور ہر قسم کے جانور زمین جو خدا تعالیٰ نے روئے زمین پر پھیلا رکھے ہیں۔ اور ہواؤں کے (ادھر سے اُدھر اُدھر سے ادھر) پھیرنے میں۔ اور بادلوں میں جو خدا کے حکم سے آسمان و زمین کے درمیان گھرے رہتے ہیں (غرض ان سب چیزوں میں) اُن لوگوں کیلئے جو عقل رکھتے ہیں (قدرت خدا کی بہتیری) نشانیاں

++++++++++++++++++++++++++++++

میں نے یہ آیت پڑھکر اِسے اپنے عقل کے سامنے پیش کردیا اور اب خود آسمان، زمین، بادل، پانی اور، ہوا، کی ماہیتوں پر غور کرتا ہوا قول کو عمل کے ساتھ تطبیق دینے اور دونوں کا مقابلہ کرنے مین مصروف ہوگیا۔ میں اُن حیرت انگیز عجائبات کو دیکھ کر دل میں کہتا تھا کہ افسوس۔ لوگ یونہی بے عقل و خرد پیدا ہوتے۔ اور حیوانوں کی سی زندگی بسر کرکے مر بھی جاتے ہیں۔ مگر اُن غافلوں سے اتنا نہیں ہوتا۔ کہ اِن مظاہر قدرت پر غور کریں۔ اور خالق عالم کی ہستی اور اُس کی بے پایان طاقت کا انہی کائنات کے ذرّوں سے سبق لیں۔ سعدی نے سچ کہا ہے ؎

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کارند　　تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری

ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرمانبردار　　شرط انصاف نباشد کہ تو فرمان نبری

غرضکہ ایک نمونہ ہاتھ میں آنے کی دیر تھی۔ وہ مل گیا۔ تو میں نے اِسی طرح کی دوسری آیتوں کی تلاش شروع کی۔ میں نے دیکھا کہ اِس طرح کی آیتیں بہت کثرت سے قرآن کریم میں موجود ہیں۔ اور وہ بڑے زور کے ساتھ انسان کو آثار قدرت پر غور و فکر کرنے کا حکم دیتی ہیں۔ اُن میں سے چند بطور مشتے نمونہ از خروارے ذیل میں درج کرتا ہون:۔

(۱) قُلِ انْظُرُوا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ط (۱۰: ۱۰۱)

کہدو کہ جو کچھ آسمان و زمین میں ہے ذرا اُسکی طرف نظر تو کرو (تو خدا کا ہونا اور ایک ہونا تم پر منکشف ہوجائیگا)۔

(۲) أَوَلَمْ يَنْظُرُوا فِي مَلَكُوتِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ وَأَنْ عَسٰى أَنْ يَكُونَ قَدِ اقْتَرَبَ

کیا اُن لوگوں نے زمین و آسمان کے انتظام اور خدا کی پیدا کی ہوئی کسی چیز پر بھی نظر نہیں کی۔ اور نہ اس بات پر کہ عجب نہیں اُنکی موت قریب آگئی ہو۔ تو اب اتنا سمجھانے

أَجَلُهُمْ فَبِأَيِّ حَدِيْثٍ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ٥ (٧: ١٨٧)

پیچھے اور کونسی بات ہے۔ جس کو سن کر ایمان لے آئینگے۔

(٣) إِنَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ٥ وَفِيْ خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُثُّ مِنْ دَآبَّةٍ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ٥ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ٥ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ فَبِأَيِّ حَدِيْثٍ بَعْدَ اللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ٥

(٤٥: ٣-٦)

بیشک ایمان والوں کیلئے آسمانوں اور زمین میں (قدرت خدا کی بہتیری ہی) نشانیاں ہیں۔ اور (لوگو!) تمہارے پیدا کرنیمیں اور (نیز) جانوروں میں جنکو وہ (روئے زمین پر) پھیلاتا رہتا ہے (قدرت خدا کی بہتیری ہی) نشانیاں ہیں مگر اُن (ہی) لوگوں کیلئے جو یقین لانیکی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اور (نیز) رات دن کی آمد و شد میں اور (سرمایۂ) رزق (یعنی پانی) میں جسکو خدا آسمان سے اُتارتا پھر اُسکے ذریعہ سے زمین کو اُسکے مرے (یعنی پڑتی پڑے) پیچھے زندہ کر دیتا اور ہواؤں کے ردو بدل میں (قدرت خدا کی بہتیری) نشانیاں ہیں (مگر اُن ہی لوگوں کیلئے) جو عقل رکھتے ہیں۔ (اے پیغمبر) حقیقت میں یہ خدا کی (یعنی ہماری ہی) آیتیں ہیں۔ جو ہم تمکو پڑھ پڑھکر سناتے ہیں تو (اب) اللہ اور اُسکی آیتوں کے بعد کونسی بات ہوگی۔ جسے سنکر (یہ لوگ) ایمان لائینگے۔

غرضکہ میں اِن آیات کو پڑھتا اور اُن کے معانی کو سوچتا۔ پھر کشت زاروں اور سرسبز میدانوں کی جڑی بوٹیوں۔ پھول پتوں۔ درختوں اور اُن کے پھلوں اور جانوروں کی طبیعتوں پر غور کیا کرتا تھا۔

ساتواں جوہر۔ علوم کا شوق

اِن آیتوں کے پڑھنے، اُن کو عقل کے روبرو پیش کرنے، اور کائنات پر غور کی نظر ڈالنے کی وجہ سے ابتدائً مجھ کو نہایت فرحت حاصل ہوتی تھی۔ مگر یہ خوشی سطحی تھی۔ اسلئے کہ بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ اِن چیزوں کی مقداریں اور اُن کے حسابات باقاعدہ ہونگے۔ کیونکہ دیکھنے میں گول اور بیضوی شکلیں مختلف مقداروں، مزوں اور خوشبوؤں اور رنگتوں کی نظر آتی تھیں۔ اور یہ راز بالکل نہیں کھلتا تھا کہ آخر کن اسباب اور وجوہ سے ایسا ہوا ہے۔ اور کیوں یہ شکلیں، مقداریں، اور رنگتیں ایک دوسرے سے جُدا جُدا پیدا ہوئی ہیں۔ اِن وجوہ سے میرا دل علم و حکمت، اور سائنس و فلسفہ کیطرف مائل ہوا۔ کیمیا، علم الحیوان، علم الانسان، علم تشریح، علم نفس، علوم ریاضیہ از قسم حساب، ہندسہ، اقلیدس، جبرو مقابلہ، اور فلکیات وغیرہ کا شوق دامنگیر ہوا۔ اور میں نے ازہر شریف میں قدیم فلسفہ

کا رہا سہا علم پڑھنا شروع کر دیا۔ اِس حالت میں مَیں صرف یونانی علم فلک کی بحثیں۔ طبیعیات ارضی، معدنیات، نباتات، اور حیوانات اور انسان کے مزاج کی خاصیتیں۔ خدا تعالےٰ کی معرفت اُس کی صفات، اور روزِ آخرت کا حال پڑھا کرتا تھا۔ اور دیکھتا تھا کہ اُن کا قول ہے وہ انسان کو حکیم ہونے کے لئے تمام دنیا کی معلومات ہونا لازم ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ اُن کی بحثوں کو ناقص اور بے ربط پاتا تھا۔ اِس واسطے مجھے کسی دوسرے سرچشمہ کی تلاش ہوئی۔ جو کہ اِس سے زیادہ صاف اور شیریں ہو اور میں مدرسۂ دارالعلوم میں داخل ہُوا۔

میں اب تک یہ سمجھتا تھا کہ جس فلسفہ اور طبیعیات کو میں نے پڑھا ہے۔ اُس کے سوا دنیا میں نہ کوئی اور فلسفہ ہے اور نہ طبیعیات ہی کا کوئی اور علم پایا جاتا ہے۔ استادوں اور مدرسین نے مجھ کو بتایا تھا کہ اس بارہ میں ہم تمام اہل عالم سے بلند مرتبہ اور وسیع معلومات رکھتے ہیں۔ مگر اِس مدرسہ میں داخل ہو کر میں نے معلوم کیا۔ کہ یہاں فلسفہ، کیمیا، طبیعیات، اور دیگر علوم ریاضیات کی تعلیم ہوتی ہے۔ تو میں اِس خیال سے کہ قرآن کریم نے ایسے علوم کی تحصیل ہم پر لازم قرار دی ہے۔ اُنہیں پڑھنے میں مصروف ہوگیا۔ میں نے قرآن پاک میں (۷۰۰) آئیں انہی چیزوں کے ذکر میں پڑھی تھیں اور میرے ذہن میں یہ بات جم گئی تھی۔ کہ جو شخص اِن علوم کو حاصل کرنے کی قدرت رکھتا ہو۔ اُس پر لازم ہے۔ کہ اِن کو حاصل کرے۔ ورنہ جس پر حکمت کا انکشاف آسان ہوا اور پھر وہ اُس کے بارہ میں غفلت سے کام لے۔ تو اُس کا انجام بُرا ہوگا۔

آٹھواں جوہر۔ کیا دُنیا باقاعدہ اور ترتیب کے ساتھ چل رہی ہے؟

بہر حال میرے دل میں نظامِ عالم سے آگاہ ہونے کا شوق حد سے زیادہ بڑھا ہوا تھا۔ مگر شروع شروع میں مجھے یہ معلوم ہوتا تھا۔ کہ دنیا میں بجائے ترتیب اور انتظام کی پراگندگی اور بے ترتیبی بہت زیادہ ہے۔ میں نے تصدیق وجود باری تعالیٰ کو دنیا کے نظام اور اُس کی ماہیت و حقیقت کے دریافت ہونے پر موقوف رکھا تھا۔ اور دل میں فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر دنیا کے باترتیب ہونے کا علم و یقین مجھ کو حاصل ہوگیا۔ تو اپنا فرض سمجھوں گا۔ کہ اِس کے بے مثل صانع کی رضا جوئی اور تا دمِ آخر اُس کی عبادت و طاعت کرتا رہوں اور کبھی اُس کی خلاف مرضی کام کرنے کا ارادہ دل میں نہ لاؤں۔ لیکن صورت حال اِس کے برعکس ہوئی اور مجھ کو اِس علم کی جھلک نہ دکھائی پڑی۔ تو میری زندگی ہی رائگان اور تلخ ہو کر مجھے سخت خسارہ میں ڈالیگی۔

بیشمار مرتبہ سبزہ زاروں اور تر و تازہ گلزاروں میں سیر کے لئے گیا۔ اور ہر مرتبہ قدرت باری کے بے نظیر کرشمے دیکھتا اور اُن سے عبرت و فہم حاصل کرتا رہا۔ نرم و نازک شاخوں کا ہوا کے جھونکوں سے ہل ہل کر دلکش سُریلی آوازیں نکالنا اور حمد باری تعالےٰ کا ترانہ سنانا، رنگا رنگ پھلوں کا اپنی دلفریبی کی زبان سے صانع عالم کی قدرت کاملہ پر دلیل و برہان قائم کرنا۔ پھولوں کا اپنے دلربا اور نظر فریب رنگ و روپ دکھا کر نقاش قدرت کی دستکاریوں کا نمونہ پیش کرنا۔ ابر بہاری کا تختۂ چمن پر چھا کر آب زندگی کی پھواریں برسانا۔ برق کی تڑپ اور رعد کی کڑک کا بزبان حال جامد اور خشک طبیعتوں اور خیرہ نظر شخصوں کو مناظر قدرت دیکھنے اور اُن سے معارف الٰہیہ حاصل کرنے کا سبق دینا۔ یہ سب امور ایسے تھے کہ دانا دل اور بینا چشم رکھنے والوں کو سعادتِ علم و معرفت کی روشن شاہراہ پر کھینچ لاتے تھے اور کور باطن کم نظر آدمیوں کو جہل و نادانی کے تاریک غار میں ڈھکیل دیتے تھے۔ مگر ان خوبیوں اور نادرہ کاریوں کا راز محض اُنہی دلوں پہ منکشف اور اُنہی دماغوں پر واضح ہو سکتا ہے۔ جن میں قبولِ حکمت کی جِلا اور صیقل موجود ہے۔ اور حسنِ طبیعت اور جمالِ قدرت کے نقش و نگار اُن کے آئینہ دل میں بخوبی نمایاں اور منعکس ہو سکتے ہیں۔

برگ درختاں سبز در نظر ہوشیار ہر ورقے دفترے صنعتِ پروردگار

غرضکہ ہوا کا کوئی جھونکا جو کہ نوبادہ ہائے گلشن کی نازک شاخوں کو رقص میں لاتا یا پژمردہ دلوں کا غنچہ خاطر کھلاتا ہے۔ ایسا نہیں ہوتا کہ اُس میں کوئی خاص حکمت کے معنے پوشیدہ نہ ہوں ہاں اُن معانی کا اظہار اُس حکمت کی آواز سے ہو سکتا ہے۔ جس کا مصدر عالم عُلوی ہے۔ یعنی وہ حکمت جو کہ القائے ربانی کے ذریعے سے صاف اور پاک دلوں میں آکر ٹھہرتی اور اُن میں اسرار قدرت اور کائنات کے بھید کا ادراک کر سکنے کی قوت پیدا کرتی ہے۔ غافل و جاہل ان باتوں کی سمجھ سے بے بہرہ ہیں۔ اب اگر کسی دانا دل شخص نے اُنہی ہوائی کلمات کو غور سے سنا اور اس بات کا احساس کیا۔ کہ یہ کلمات اُس سے عالمِ کائنات کے اسرار کا انکشاف کرنے کے طالب بنتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ پتا لگا۔ آیا یہ دنیا اور اس میں تیری زندگی کوئی ترتیب اور نظام رکھتی ہے۔ یا سب کچھ محض خبط اور بے ربط ہے؟ اور دریافت کر کہ آیا تیری دنیاوی زندگی مُہمل اور فضول زندگی ہے۔ یا اُس کا کوئی باطنی نظام بھی ہے؟ جس کا سُراغ تحقیق و تلاش ہی سے چل سکتا ہے۔ نہیں معلوم کس قدر آدمی اِس حقیقت کا سُراغ لگانے میں باوجود علوم نحو، فقہ، اور عربیت (زباندانی

وغیرہ میں کمال رکھنے کے راستہ سے بھٹک گئے اور منزل مقصود پر نہ پہنچ سکے۔ اور میں نے دیکھا کہ خدا نے ہی اس علم کے حاصل کرنے پر زور نہیں دیتا ہے۔ بلکہ خود کتاب حکیم قرآن کریم بھی اس بارہ میں صاف صاف ایسا ہی ارشاد کرتی ہے۔ دیکھو قول باری تعالےٰ:۔

(۱) وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ ۝	اور ہم نے زمین کو پھیلا دیا کہ آدمی اور جانور اسمیں رہیں اور ہم نے اُسمیں (میخ کیطرح بھاری اور بوجھل) پہاڑ گاڑ دیئے (کہ زمین ایک خاص وضع پر رہے) اور ہم نے اُسمیں ہر ایک چیز مناسب اُگائی
(۲) وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ۝ (۱۵: ۲۰ و ۲۱)	اور جتنی چیزیں ہیں ہمارے ہاں سب کے خزانے (کے خزانے) بھرے پڑے ہیں۔ مگر ہم ایک اندازہ معلوم (و مقرر) کے ساتھ اُنکو (مخلوقات کے لئے) بھیجتے رہتے ہیں۔
(۳) وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ ۝ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ ۝ (۱۳: ۸ و ۹)	اور اُسکے ہاں ہر ایک چیز کا اندازہ مقرر ہے (وہی) باطن اور ظاہر (دونوں کا یکساں) جاننے والا (اور) ہے سب سے بڑا اور عالیشان۔
(۴) وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ۝ اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ ۝ وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ ۝ (۵۵: ۷ و ۸ و ۹)	اور اُسی نے آسمان کو اونچا کیا ہے۔ اور ترازو بنا دی ہے۔ تاکہ تم لوگ تولنے میں (حد اعتدال) سے تجاوز نہ کرو۔ اور انصاف کے ساتھ سیدھی تول تولو اور کم نہ تولو۔

میزان کی تفسیریوں کی گئی ہے۔ کہ وہ دنیا کی ہر ایک چیز کا نظام ہے۔ جس کی وجہ سے وہ تُلی ہی رہتی ہے۔ اور کم زیادہ نہیں ہوتی۔ اور پھر اُس کے بعد پروردگار عالم کا ارشاد "اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ" ہم پر اُسی نظام کی پیروی لازم بناتا اور اپنے تمام دینی اور دنیاوی کاموں میں اُسی کے مطابق روش اختیار کرنے کی ہدایت فرماتا ہے۔ لہذا چاہئے کہ ہم اپنے ترازو میں حد اعتدال سے آگے نہ بڑھیں اور وسط پر قائم رہیں۔ یعنی یہ نہ کریں۔ کہ غیر سے کچھ تول کر لیں تو بڑھتی لیں۔ اور خود کسی غیر کو تول کر دیں۔ تو خراب اور بُرا مال کم کر کے تولیں۔ اور اگر ہم اس عدل کی پیروی کرینگے۔ تو قرب خداوندی حاصل کر سکینگے۔ اور اُسی منظم طریقہ پر کام کرینگے جیسا کہ خود پروردگار عالم نے دنیا میں موزون نظام قائم فرمایا اور ہر چیز کو حساب اور حکمت کے لحاظ سے موجود کیا ہے۔

(۵) اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ "	درحقیقت اللہ جلدی حساب کرنے والا ہے"

(۳ : رکوع ۲۰ - آیت ۷)

(۶) وَهُوَ اَسْرَعُ الْحَاسِبِيْنَ

(۶ : رکوع ۷ - آیت ۳)

اور وہ سب سے زیادہ جلد حساب لینے والا ہے۔

(۷) وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ۭ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۭ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝ (۶ : رکوع ۷ آیت ۸)

اور اُسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جنکو اُسکے سوا اور کوئی نہیں جانتا اور جو کچھ خشکی اور تری میں ہے اُسکو بھی جانتا ہے۔ اور کوئی پتا تک درختوں سے نہیں ٹوٹتا مگر یہ کہ خدا کو اسکا علم رہتا ہے۔ اور زمین کے اندھیروں کے پردوں میں جو دانہ ہو اور دنیا کی تر و خشک چیزیں سب ہی تو کتاب واضح (یعنی لوح محفوظ) میں (لکھی ہوئی) موجود ہیں

خشکی اور تری کی تمام چیزوں کا علم رکھنے، زیرِ خاک مدفون اشیاء سے واقف ہونے، اور تر و خشک کا حال جاننے۔ اور پھر ان سب کو ایک ہی کتاب میں رکھنے کے اس کے سوا اور کوئی معنی نہیں ہو سکتے۔ کہ یہ سب امور ترتیب اور استحکام کے ساتھ ہوں۔ اُن میں مناسبت پائی جاتی ہو اور اَسْباب اور مُسَبّبَات سب اکٹھا پائے جاتے ہوں۔ ورنہ یہ کارخانۂ دنیا بے ترتیب اور اُول جلول ہوگا۔ اور اسکا علم بھی ایسا ہی منتشر ہونیکی وجہ سے علم کی حد میں داخل نہ ہو سکیگا۔

(۸) اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ۝ وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ ۝

(۵۴ : ۴۹ و ۵۰)

ہم نے تمام چیزوں کو ایک اندازہ کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ اور ہمارا کام تو بس ایک بات ہوتی ہے۔ جیسے آنکھ کا جھپکانا۔

قَدَر نام ہے چیزوں کی محدود و اور مُعَیّن مقدارین وضع کرنے، معلوم اوضاع قائم کرنے اور باقاعدہ مسلسل حالات کے ساتھ اُن کو مرتّب کر دینے کا۔ اور اُس کے بعد اللہ پاک فرماتا ہے۔ کہ اُس کا حکم کس قدر سُرعت کے ساتھ صادر ہوتا ہے۔ جس طرح کہ آنکھ کی ایک ذرا سی گردش میں تمام چیزیں فوراً نظر آ جاتی ہیں یا جیسے کہ آنکھ کی ایک نظر بجلی کی ایک چمک اور برقی رَو۔ دم زدن میں آنی جانی ہو جاتی ہے۔ اور یہ مرتبہ بھی اپنے سے قبل والے مرتبوں کی طرح مستحکم، درست، اور باترتیب ہے۔

(۹) لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ۝ فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ (۸۴ : ۱۸ و ۱۹)

کہ تم لوگ (اسی طرح) درجہ بدرجہ منزل ہستی کو طے کروگے۔ تو ان کا فروں کو کیا (مار) ہے کہ ایمان نہیں لاتے۔

اس سے بھی یہی بتایا گیا ہے۔ کہ دنیا کے حالات باقاعدہ اور ایک دوسرے پر مُرتّب ہو جاتے ہیں

منقسم ہیں۔ وہ بکھرے اور پریشان ہرگز نہیں۔ بلکہ اُن میں ترتیب و نظام کمال کے درجہ پر موجود ہے

(۱۰) وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۔ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُم بِمَا كَانُوا بِآيَاتِنَا يَظْلِمُونَ (۷: ۹، ۸)

اور تول اُسدن ٹھیک ٹھیک ہوگی۔ تو جن کے اعمالِ نیک کا وزن بھاری ہوگا۔ وہی لوگ بامراد ہونگے اور جنکے اعمالِ نیک کا وزن ہلکا ٹھہریگا تو ہی وہ لوگ ہونگے جنہوں نے اسوجہ سے اپنا آپ نقصان کیا۔ کہ ہماری آیتوں کی نافرمانی کرتے تھے۔

اللہ پاک قیامت کے دن اعمال کی تول ناپ ہونے کو حق اور صحیح بتاتا ہے۔ اور کیا بجز اِس صورت کے کہ تولے ناپے جانے والے اُمور یعنی دنیا کے اعمال سچائی کے ساتھ میزان عدل میں تُلے ہوئے ہوں۔ اور کسی حالت میں بھی قیامت کے وزن میں اُن کا ٹھیک اُترنا ممکن ہے؟

نواں جوہر۔ نظام کائنات کے مناسب حال بحثین

اِن آیتوں کو سُنکر اور بھی میری آتش شوق بھڑکتی تھی اور میں دل میں کہتا تھا۔ کہ کاش مجھے معلوم ہوجاتا کہ آیا کوئی شخص اس نظام سے مجھے آگاہ کرسکتا ہے۔؟ آہ میں کس طرح معلوم کرسکوں کہ واقعی خدا تعالےٰ نے ہر چیز ایک خاص اندازہ کے ساتھ بنائی ہے۔ اور کس سبیل سے میرا دل اِس بات کی تصدیق کی منزل پر پہنچ سکیگا۔؟ میں آرزو کرتا تھا۔ کہ کاش ایک اندھیرے تہ خانہ میں پڑا ہوتا نہ مجھے کسی سے واقفیت ہوتی اور نہ کوئی مجھ کو جانتا ہوتا۔ اور پھر اُس تنہائی میں کوشش اور غور کرکے اِن حقیقتوں کو معلوم کرتا اور اپنا مدعائے دلی حاصل کرلیتا۔ باغ و راغ، کوہ و صحرا، جنگل اور میدان، ندیاں نالے، اور سمندروں کے کنارے، جہاں بھی میرا گزر ہوتا اِسی صنعت ایزدی کو غور سے دیکھتا رہتا تھا۔ اور ہر ایک شجر و حجر، چرند و پرند پر اِسی نظام و ترتیب کا معائنہ کرنے کی غرض سے نگاہِ غور ڈالا کرتا تھا۔ چھوٹے کیڑوں سے لیکر بڑے بڑے جانوروں تک ہر ایک کی شکل و صورت، ترتیب و مناسبتِ اعضاء، نقش و نگار، جسمانی بناوٹ، رنگ و روپ اور طرز زندگی وغیرہ کو بنظر تامل دیکھتا اور ہر ہر بات کو قدرت کی بے نظیر کاریگری کا نمونہ پاتا۔ اور دُنیا کے عجیب و غریب شئی ہونے کا قائل ہوتا جاتا تھا۔ اُسی کے ساتھ دل میں علوم کی تحصیل کا شوق عشق کے درجہ تک بڑھتا گیا۔ اور میں نے مدرسۂ دار العلوم میں علوم طبیعیات نیچرل سائنس کی خواندگی بہت ہی غور اور محنت کے ساتھ پڑھنی شروع کردی۔ سالانہ بڑی تعطیل کے زمانہ میں وطن یعنے دیہات میں آیا

تو میں نے امام غزالی کی کتاب احیاء علوم الدین کا مطالعہ آغاز کیا۔ اللہ اللہ۔ اب تو میری آنکھیں کھل گئیں۔ اور ایک سال کے عرصہ میں جس قدر فلسفۂ طبیعیات کا کورس (نصاب) میں نے پڑھا تھا۔ دیکھا کہ امام ممدوح نے اپنی اس کتاب میں وہ تمام علمی مسائل محض ایک ہی باب میں جمع کر دیئے ہیں۔ جس کی سُرخی "شکر" ہے۔ اور ہماری تمام پڑھائی کو اُنہوں نے عنوانِ شکرِ الٰہی قرار دیا ہے۔ اسی باب میں امام نے ایک مقام پر شہد کی مکھی اور اُس کے چھتے کا حال لکھتے ہوئے یہ تحریر فرمایا ہے۔ کہ اُس کے رہنے کے خانوں کا شش پہلو ہونا کئی فائدے رکھتا ہے۔ اوّل تو اس طرح کا سوراخ اُس کے جسم کی بناوٹ کے لحاظ سے نہایت موزون ہے۔ کیونکہ وہ اس میں بہ آرام رہتی ہے۔ اور کوئی گوشہ خالی نہیں رہتا۔ دوسرے یہ کہ مسلسل خانے پہلو بہ پہلو بنانے میں اس شکل کی وجہ سے کوئی گوشہ بیکار نہیں جاتا۔ اور تیسرے یہ کہ ان خانوں میں شہد نہایت محفوظ رہتا ہے۔ چونکہ یہ بیان اسی طریقہ سے میں نے اُستاد سے مدرسہ میں بھی پڑھا تھا۔ اور درس کے وقت اُس کے فرانسیسی زبان سے واقف ہونے کا خیال کر کے میں نے کہا بھی تھا۔ کہ شائد یہ بیان آپ نے فرانسیسی کتابوں سے اخذ کیا ہوگا۔ اور اُستاد نے اقرار کر لیا تھا۔ اب امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ خیال میرے دماغ میں تازہ ہوگیا۔ اور میں نے معلوم کر لیا۔ کہ ترقی یافتہ اقوام یورپ اُسی قیمتی خزانہ سے متمتع ہو رہی ہیں۔ جس کو ہم مسلمانوں نے خاکِ غفلت کے نیچے دبا رکھا ہے۔ اور کہ ہم اِن علوم کے نہ سیکھنے میں سخت غلطی کر رہے ہیں۔ حالانکہ ہمارا دین و مذہب نہایت زور سے ہمیں اس کی تاکید کرتا ہے۔ اور نماز و روزہ ظاہری عبادتوں کی نسبت اِن باتوں کے معلوم کرنے کو زیادہ ضروری قرار دیتا ہے۔ امام غزالی نے احیاء العلوم میں شہد کی مکھی اور مکڑی کے حالات بہت سی جگہوں پر بیان کئے ہیں۔ اور زنبور کی مہندسہ دانی (انجینیری) اور مکڑی کی صنعت بافندگی بہت وضاحت سے بیان کی ہے۔ مجھے اُنہی بیانات کے مطالعہ سے فن ہندسہ سیکھنے کا شوق ہوا تاکہ اِس علم کے اصول کے رو سے اِن ضعیف الخلقت مخلوقات کی دستکاریوں کی باریکیاں معلوم کر سکوں۔ اسی تنا میں ایک دن تفریح و چہل قدمی کے لئے نکلا۔ تو اتفاق سے راستہ میں ایک نوجوان مل گیا۔ جس کے ہاتھ میں ایک انگریزی ریڈر تھی۔ اور اُس کے شروع ہی میں مکڑی کے جالے کی تصویر دی ہوئی تھی۔ مجھ کو اُس وقت تک انگریزی زبان کے افعال کی گردانوں اور بعض معمولی کلموں سے زائد شناخت نہ تھی۔ اِس لئے کتاب ہاتھ میں لے کر تصویر کو بغور دیکھنے کے بعد میں نے اُس نوجوان سے سبق کا ترجمہ سنانے کی درخواست

کی۔ اور اُس نے میری درخواست مان لی۔ میں نہیں کہہ سکتا۔ کہ اُس کا بیان سُن کر مجھ پر کس قسم کی حیرت طاری ہوئی۔ مجھ کو اہل مشرق کی نادانی اور مغربی قوموں کے علم و کمال نے حیرت میں مبتلا کر دیا۔ اور میں نے اُس سے کتاب کے چند دیگر سبقوں کا مفہوم بھی سُنا۔ اِس بات سے میری حیرت اور بڑھی اور میں نے کہا " افسوس! خوش اقبال قوموں نے ہماری دینی کتاب کی پیروی کر رکھی ہے۔ اور ہم مسلمان اُس سے منزلوں دور جا پڑے ہیں۔ انگریز تو علوم کی تعلیم دینے میں قرآن کریم کی روش پر چلتے ہیں اور ہم اُس سے دور بھاگ کر جاہل ترین اقوام کے طرز تعلیم کی پیروی میں مصروف رہتے ہیں۔ قرآن ہم کو واضح طور پر اشیا کی حالتوں کو بغور دیکھنے کا حکم دیتا ہے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اُس کی تاکید و تائید کر کے خود اُس پر عمل بھی کر دکھایا ہے۔ اور کہا ہے۔ کہ عام آدمیوں نے دین اسلام کے جو معنے سمجھ رکھے ہیں۔ یہ دین اُن سے کہیں زیادہ وسیع اور اعلےٰ معنے رکھتا ہے۔

غرضکہ اب میں نے انگریزی زبان کا سیکھنا ضروری معلوم کیا۔ تاکہ اِس قوم کے خیالات اور اُن کے علوم سے مطلع ہو کر اُنہیں اپنے خیالات اور علوم کے ساتھ مقابلہ اور موازنہ کر کے دیکھ سکوں۔ اتفاق سے ایک دن میں ایک انگریز مدرس سے باتیں کر رہا تھا۔ اور اُس کے پاس خواندگی کی کوئی کتاب تھی۔ انگریزی زباندانی میں ہنوز میرا مرتبہ حروف شناس مبتدیوں سے زیادہ نہیں بڑھا تھا۔ اِس لئے میں نے صرف کتاب کی ظاہری صورت پر نظر ڈالی اور اس میں ایک سیاہ و سفید کمان نما اور سیدھی لکیروں سے مرکب تصویر دیکھ کر دریافت کیا کہ یہ کس چیز کی تصویر ہے؟ اُستاد نے جواب دیا۔ "بعض وقت تارے اور شہاب ٹوٹتے اور گرتے ہیں۔ تو اُن کی چالوں کا راستہ اِسی انداز پر ہوا کرتا ہے"۔ یہ سُنکر میں نے پھر استفسار کیا۔ کیا آپ کے یہاں اِسی طریقہ سے تعلیم دی جاتی ہے؟۔ اُستاد۔ بیشک بچّہ کو اُس کے والدین کھیتوں، اور باغوں، اور سرسبز میدانوں میں ساتھ لے جا کر اُسے گل اور بوٹے دکھاتے اور پھولوں اور پھلوں کی مختلف خوشنما رنگتوں کا مشاہدہ کرا کے اُسے اُن سب کا مقصد اور فائدہ سمجھاتے ہیں"۔

اُستاد کا یہ کلام سُنکر میں بے ساختہ کہہ اُٹھا کہ "ہمارے مذہب کے اعتبار سے ہمیں بھی ایسی ہی تعلیم دینے کا حکم ہے۔ اور ہمارا دین ایسی ہی تدریجی تعلیم کی ہدایت کرتا ہے"۔ مگر میں نے دیکھا۔ کہ میرے اِس کلام سے اُستاد کے بشرہ پر اسے صحیح نہ ماننے اور خلاف واقع جاننے کی علامتیں نمایاں ہو گئی ہیں۔ چونکہ اُس کو کچھ عربی زبان آتی تھی۔ اِس لئے میں نے کہا۔ "آپ حیران کیوں ہوتے

ہیں۔ یہ آیت سنئے اور اُس میں سے جو بات آپ کی سمجھ میں نہ آئے۔ اُسے دریافت کر لیجئیگا۔
اور میں نے یہ آیت کریمہ پڑھی۔

"اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ
مَآءً فَاَخْرَجْنَا بِہٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا
اَلْوَانُھَا وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بِیْضٌ
وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُھَا وَغَرَابِیْبُ
سُوْدٌ وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ
وَالْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُہٗ کَذٰلِکَ
اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا
اِنَّ اللّٰہَ عَزِیْزٌ غَفُوْرٌ ○ (۲۵:۳۵)

کیا تونے اسبات پر نظر نہیں کی کہ اللہ ہی نے آسمان
سے پانی اُتارا پھر اُسکے ذریعہ سے ہم نے مختلف
رنگتوں کے پھل نکالے اور ایسے ہی پہاڑوں میں کچھ
مختلف رنگتوں کے طبقے ہیں۔ بعض سفید اور بعض سرخ
اور بعض کالے سیاہ۔ اور اسیطرح آدمیوں جانوروں اور
چارپایوں کی رنگتیں بھی کئی کئی طرح کی ہیں خدا سے تو اُسکے وہی بندے
ڈرتے ہیں۔ جو خدا کے آثار قدرت کا علم رکھتے ہیں
بیشک اللہ زبردست اور بخشنے والا ہے۔

اور اُس سے کہا۔ خدائے پاک اپنی کتاب میں ہم کو مخاطب بنا کر حکم دیتا ہے۔ کہ اُنہی عجائبات قدرت اور موالید ثلاثہ کے حیرت انگیز آثار و نظام کو دیکھ کر میری خالقیت کے قائل بنو۔ اور ایسے ہی روشن خیال عالم خاص خدا تعالےٰ سے ڈرنے والے اور اُس کی سچی طاعت کرنے والے ہوتے ہیں۔ اور ان کے علاوہ جتنے لوگ ہیں سب عامی و جاہل ہیں۔ پس معلوم ہوا۔ کہ خوف خدا کا انحصار انہی علوم کے معلوم کرنے پر ہے۔ اُس مدرس نے میرا یہ بیان سُنکر دریافت کیا۔ "پھر کیا وجہ ہے کہ تم خود اس راستہ پر نہیں چلتے؟" میں نے جواب دیا۔ کہ ہُن سال حکومت اور قوم ہے۔ ہر ترقی کے بعد تنزل اور ہر ایک عروج کے بعد زوال لازمی چیز ہے۔ اِس لئے ہماری قوم و سلطنت بھی پستی کے غار میں گری اور اُسے گرنا تھا۔ ہاں کچھ باقی ماندہ علوم رہ گئے ہیں۔ جن کو قومی کمزوری نے نہ ہونے کے برابر کر رکھا ہے۔ اور اب جو قوم پھر کچھ اُبھر چلی ہے۔ تو اُس کے علوم بھی رفتہ رفتہ جوان ہو جائینگے۔ میرا یہ جواب سُنکر انگریز مدرس نے کہا "تو اس صورت میں مسلمان ہونے کا دعویٰ ہمیں زیب دیتا ہے۔ نہ کہ تمہیں" قابل مدرس میری بات غور اور توجہ سے سُنکر اُسے مان جایا کرتا تھا۔ کیونکہ بارہا بحث و گفتگو ہوتی رہی تھی اور اُسے میری انصاف پسندی کا علم تھا۔ اُس نے یہ فقرہ کہا۔ تو میرے قلب پر ایک بجلی سی گری اور میں ساکت و صامت دم بخود ہو کر رہ گیا۔ لیکن اُسی کے بعد سے میں نے اپنے خیال کو دماغ سے نکال کر نوک قلم کے وسیلہ سے کاغذوں کے صفحات پر اور پھر اخبارات اور کتابوں کے صفحوں پر عیاں کرنا شروع کیا۔ تاکہ جس بات کا میں قائل ہوں۔ وہ

اوروں کو بھی معلوم ہو سکے۔

کچھ دنوں بعد اُسی انگریز مدرّس نے مجھ کو ایک حدیث دکھائی۔ جو کہ ایک پرچہ پر لکھی تھی۔ حدیث یہ تھی۔ "عُلُوُّ الْهِمَّةِ مِنَ الْإِيمَانِ" بلند ہمتی ایمان کی علامت ہے۔ اور اُس نے مجھ سے اُس کے معنے و مطلب دریافت کئے۔ میں نے کہا۔ پہلے آپ اس کی تفسیر کریں۔ تو پھر میں عرض کرونگا۔ اُس نے جواب دیا: میری رائے میں اس کے یہ معنے ہیں۔ کہ عالی ہمتی دین اسلام کا جزو ہے۔ میں نے کہا۔ ہاں ہمارے اکثر علما بھی اس کی یونہی تفسیر کرتے ہیں۔ اُس نے دریافت کیا "اور کیا تم اُس کے سوا کچھ اور بھی مطلب قرار دیتے ہو؟" میں نے کہا: بیشک کیونکہ ایمان نام ہے تصدیق اور ایک شئے کو اطمینان اور تحقیق کے ساتھ جان لینے کا کہ پھر اُس کے بارہ میں کوئی شک و شبہ نہیں رہ جاتا۔ مثلاً کسی شخص کو اصول تجارت اور تجارت کے فوائد سے پوری آگاہی ہو گئی ہے۔ تو وہ ضرور اُس کا شائق ہوگا اور یہ شوق اُس کو تجارت میں مصروف ہونے کا حوصلہ دلائیگا اور یہی حالت ہر ایک کام اور پیشہ کی ہے۔ اس لئے پہلے ایک چیز کو جاننا مقدم ہے۔ اور اس میں عملی طور سے مصروف ہونا۔ علم کے بعد ہوا کرتا ہے۔ انگریز مدرّس نے میری اس تقریر کو سنکر حیرت ظاہر کی اور کہا: یہ تو عجیب معنے ہیں اور تم نے اُن کو کہاں سے اخذ کیا ہے؟ میں نے جواب دیا۔ اگلے مسلمان علماء کے اقوال سے جو کہ حکومت عباسیہ کے عہد شباب میں تھے۔ جبکہ ہماری حکومت بھی تمہاری سلطنت کی طرح نوخیز جوان تھی۔ اور ہمارا علم بھی تمہارے علوم کی طرح بسرعت تمام ترقی کے مدارج طے کر رہا تھا۔ اُس نے سوال کیا "تو کیا آج شہر میں کوئی اور آدمی بھی ایسا مل سکیگا جو اس بات سے آگاہ ہو؟" میں نے کہا: ہاں۔ مگر کم" مدرس: خوب! گویا تمہارے نبی صلعم نے اہل عرب کو بالکل فطری حالت میں صرف بکریاں ہی چراتے دیکھ کر یہ ارادہ کیا۔ کہ اُن کو عقل اور غور سے کام لینے پر مائل بنادیں" اور پھر اُس نے اپنے سر کی طرف اشارہ کرکے کہا "انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا۔ اپنے دماغوں اور عقلوں سے کام لو اور پھر جو کام کرنا چاہو کرو۔ اور اسطرح اُن کو غفلت و جہالت کی گہری نیند سے بیدار کر دیا۔

دسواں جوہر۔ علمائے یورپ کی کتابوں کا مطالعہ

میرے خیال میں ضروری معلوم ہوا کہ اہل یورپ کے علوم سے واقف ہونے کے بعد اُن کے نامور علماء کی تصانیف پر بھی نظر ڈالوں تاکہ فلسفہ مذاہب کے بارہ میں اُن کی رائے کا ماحصل میرے

ذہن میں آسکے اور مشرقی اور مغربی دونوں بڑا عظموں کے حکماء کی آراء کا مقابلہ کر سکوں۔
اس ضمن میں انگریز پروفیسر جان لبک یعنے لارڈ آھتبری کی کتابیں دیکھنے میں مشغول ہوا اور
اُن کو اپنے مذاق کے مطابق پاکر نہایت غور سے مطالعہ کرتا رہا۔ اُس کی کتاب "مسرّاۃ الحیاۃ"
کے پہلے باب میں میں نے اُس کا یہ قول مطالعہ کیا: "دینی علماء نے بہت کم ہماری نظروں
کو اُن چیزوں کی طرف متوجہ کیا ہے۔ جن کو ہم آئے دن اور ہر وقت اپنی آنکھوں سے دیکھتے۔
اور اپنے کانوں سے سُنتے ہیں۔ اور نہ اُنہوں نے ہمیں اُن قدرت کی کامل نشانیوں کے جانب
مائل بنایا ہے۔ جو روزمرّہ ہم پر گزر جاتی ہیں۔ لیکن ہم اُن سے بے خبر بنے رہتے ہیں۔ ہاں ہم اس
بات کو مانتے ہیں۔ کہ علماء نے ہماری توجہ بعض خداوندی نعمتوں کی طرف مائل کی ہے۔ مگر وہ
کیا ہیں؟ محض ایسی چیزیں کہ ہم اُن سے گہرا تعلق رکھتے ہیں۔ یعنے کھانے، پینے، پہننے، اور تندرستی
وغیرہ کی باتیں اور چیزیں۔ اور یہ ایسی چیزیں ہیں کہ اُن میں ہماری اور ذلیل سے ذلیل اور ادنی سے
ادنی حیوان کی بھی یکساں شرکت ہے۔ افسوس ہے کہ ہمارے علماء نے ہمارے دل و دماغ
کو اپنے گردو پیش کی مخلوقات اور مصنوعات قدرت کے حُسن و جمال اور اُن کے اسرار و حقائق سے
دلچسپی لینے کا سبق ہی نہیں دیا۔ حالانکہ سرسبز مرغزاروں، پرفضا باغوں، اور قدرتی مناظر میں قدرت
کی جو نادرہ کاریاں ہیں وہ انسان ہی کو نظر آسکتی ہیں۔ اور اس ذریعہ سے اُس کے دل میں خالق جل شانہ
کی محبت اور عظمت اثر کر کے اُس کی عقل کو پروردگار عالم کی طرف مائل کر سکتی ہے۔ علماء ہم کو
خدا کی عبادت کا حکم دیتے ہیں۔ مگر کس طرح؟ ایک تنگ و تاریک کوٹھڑی میں بند ہو کر۔ اور
صرف نفسانی عیوب پر غور و تامل کر کے یہ نہیں کرتے کہ ہمیں سرسبز کھیتوں اور چمنوں میں خدا کی
دلکش صنعتیں اور اُسکے دلفریب کام دیکھنے کی اجازت دیں اور دکھائیں۔"

میں نے اِس عبارت کو پڑھکر افسوس کیا اور دست تاسّف مل کر دل میں کہا: کاش اس
کتاب کے مؤلف کو کسی طرح قرآن کریم کی ایسی آیتوں پر غور کرنے کا موقع ملتا۔
اور وہ قولہ تعالیٰ۔

"اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ وَّاَنْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ ۚ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ	کیا ان لوگوں نے آسمان و زمین کے انتظام اور خدا کی پیدا کی ہوئی کسی چیز پر بھی نظر نہیں کی اور نہ اسبات پر کہ عجب نہیں۔ ان کی موت قریب آگئی ہو۔ تو اب اتنا سمجھا مچکے پیچھے اور کونسی بات ہے جس کو

لعلکم یؤمنون" (۷: ۱۸۴) | سن کر ایمان لائینگے۔

پر مطلع ہوتا۔ تو معلوم کر سکتا۔ کہ اِس آیت نے کس قدر سختی سے انسان کو آسمانوں اور زمین کے علوم پر نظر نہ ڈالنے کی بابت سرزنش کی ہے۔ اور اُن کو "ملکوت" کے نام سے یاد فرمایا۔ اور خدا تعالےٰ کی پیدا کردہ اشیاء کے قوانین سے موسوم کیا ہے۔ پھر اُنہیں عمروں کی کمی کا دھڑکا دے کر اور قوموں کے فنا ہونے کی ہولناک تہدید سُنا کے گویا یہ کہہ دیا ہے۔ کہ جو لوگ ان امور کو نہیں سمجھتے اُن کی زندگی ہی اکارت ہے۔ اور اُن کا وقت نہایت قصیر۔ کیونکہ زندگی کا قیام اور اُس کی درستی موقوف ہے۔ علوم پر اور جب علوم نابود ہوں تو بربادی پھیلیگی۔ اور اگر صرف مادّہ ہو اور علوم نہ ہوں۔ تو انسانی عقول کو فائدہ ضرور ہوگا۔ مگر ایسا کہ وہ جاہلوں کی زندگی بسر کرینگے اور زندگی کے معنے اور عقل کا کوئی فائدہ نہ سمجھ سکینگے۔ اِس لئے اُن کی یہ زندگی ایک دن سے بھی کم مدّت کا حکم رکھیگی۔ اور اِسی بنیاد پر کہا جاتا ہے۔ کہ دانا دل آدمی کا ایک دن۔ جاہل اور حیوان صفت آدمی کی ہزار سالہ زندگی سے بدرجہا بہتر ہے۔ اِس بارہ میں قوموں کی حالت افراد سے مشابہ ہے۔ اگر قوم کو علوم عمران کی معرفت نہ ہوگی اور وہ اسرار کائنات پر غور نہ کریگی۔ تو اُن کی حالت ردی ہو جائیگی۔ اور مدت زندگی کم۔ اور اسی بنا پر اللہ پاک نے اخیر میں فرمایا۔ کہ آخر اس قول سے بڑھ کر بہتر اور سچا قول کون ہے۔ جس کو وہ منکر سچ مانیں۔ اور اُس پر ایمان لائینگے

پھر اللہ پاک ایک دوسری آیۃ میں فرماتا ہے۔

"قُلِ انْظُرُوا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" (۱۰: ۱۰۱) | کہو جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ ذرا اُسکی طرف نظر تو کرو (تو خدا کا ایک ہونا یا نہ ہونا تم پر منکشف ہو جائیگا)

اور۔ "وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ" (۵۱: ۲۰-۲۲) | اور یقین لانے والوں کے لئے زمین میں قدرت خدا کی بہتیری نشانیاں ہیں۔ اور خود تم میں (بھی) تو کیا تم کو سوجھ نہیں پڑتا۔ اور تمہاری روزی اور جو تم سے وعدہ کیا جاتا ہے۔ وہ (سب) آسمان میں ہے۔

اور "وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ" (۱۲: ۱۰۲) | اور آسمان و زمین میں (خدا کی قدرت کی) ایسی کتنی نشانیاں ہیں۔ جن پر سے لوگ ہو کر گزر جاتے اور اُنکی کچھ پروا نہیں کرتے۔

اور اس کے علاوہ بہت سی آیتیں اور حکمتیں اسی طرح کی ہیں۔ جن کو دیکھ کر مجھے کمال

عبرت دامنگیر ہوتی ہے۔ کہ اہل مشرق اس کی طرف سے اتنے کیوں غافل رہے۔ اور مزید استعجاب یہ ہے کہ دانایان یورپ بھی اب تک ایسی پاکیزہ کتاب اور سرچشمۂ ہدایت صحیفہ سے بالکل بےخبر ہیں یا جان بوجھ کر اُس کی طرف مائل نہیں ہوتے۔ حالانکہ یہ دینی اور الہٰی کتاب اُن کے عقول کو نہایت مناسب اور اُن کے خیالات کے لئے بیحد موزون ہے۔

دین اسلام سراپا علوم و معارف سے بھرا ہے۔ اور انشاء اللہ تعالیٰ اس کا بیان پوری وضاحت کے ساتھ اِس کتاب میں آئیگا۔ میں اس بات کا التزام رکھونگا کہ قرآن کریم میں علوم اور خوش اخلاقی پر ترغیب دلانے والی آیتوں کو نمایاں کر کے دکھاؤں اور ثابت کر دوں۔ کہ اِس آسمانی کتاب میں جس قدر قصص اور مواعظ آئے ہیں۔ وہ بھی نہایت زبردست علمی سبق ہیں۔ پھر یونہی زکات، روزہ، نماز، اور حج وغیرہ عبادات الہٰی کے اسرار اور فوائد بھی بیان کرونگا۔

غرضکہ میں سخت حیران تھا کہ مشرق کے اِس آسمانی کتاب اور دین سے غافل اور مغرب کے اِس سے منکر رہنے کی وجہ کیا ہے؟ اور اسی غور و خوض میں میرا خیال اِس طرف مائل ہوا۔ کہ قدیم حکمائے اسلام اور جدید فلسفیان یورپ کے خیالات میں باہمی مطابقت دکھانے پر ایک مفید کتاب تالیف کروں۔ تاکہ اِس ذریعہ سے مشرق و مغرب میں علم الٰہیات کی بابت تبادلۂ خیالات کی بنیاد پڑے۔ اور طرفین کو ایک دوسرے سے دماغی فوائد اخذ کرنے کا موقع ملے۔ تھوڑی سی انگریزی زبان دانی اِسی غرض سے پڑھی اور پروفیسر "جان لبک" کی تصانیف کا مطالعہ شروع کر دیا۔ اُسی زمانہ میں مَیں اپنی کتاب "نظام العالم والاُمم" بھی تالیف کر رہا تھا۔ اور یہ مذکور بالا خیال آنے کے ساتھ ہی اُس میں سے مَیں نے بعض ابواب کا نچوڑ لے کر ایک مختصر کتاب "الزہرۃ" نامی لکھی جسے بحمد اللہ حُسن قبول کا خلعت ملا۔ اور اہل ملت نے اُس کی قدر فرمائی۔ میرا حوصلہ بڑھا۔ اور اب میں نے ایک طرف فلسفیان یورپ اور دوسری جانب امام غزالی ابن رشد ابن سینا اور فارابی وغیرہ مسلمان حکما کے فلسفۂ الٰہیات کی دیکھ بھال کر کے دونوں فریقوں کے خیالات کا عطر مجموعہ تیار کیا۔ چنانچہ کتاب "الزہرہ" میں جن مباحث پر میں نے خامہ فرسائی کی ہے۔ اُن میں سے ایک موضوع حسب ذیل ہے۔

گیارھواں جوہر۔ موازنۂ علمائے مشرق و مغرب

نظام کائنات و جمال مخلوقات سے وجود وحدت باری تعالیٰ پر استدلال کے [illegible]

اس کی قدرت خلاقی کو یہاں جاننے کے نقطہ پر ایشیا اور یورپ دونوں براعظموں کے علماء آکر متحد ہو جاتے ہیں۔ اور اس منظر کے دیکھنے سے کمال حیرت پیدا ہوتی ہے۔ کہ کیونکر یہاں ایک ہی مرکز پر متضادین کا اجتماع ہو گیا ہے۔

ذیل میں صرف دو شخصوں کا مقابلہ کیا جاتا ہے۔ مشرقی علماء میں سے حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ (انہوں نے چھٹی صدی ہجری کے اوائل میں وفات پائی) کو لیتا ہوں۔ اور مغربی علماء میں نامور سیاسی عالم جان لیک کو اختیار کرتا ہوں۔ (یہ اس وقت زندہ ہیں)۔ ناظرین غور کریں۔ کہ ان دونوں مشہور عالموں کی رائے میں کیسا عجیب اتحاد ہو گیا ہے۔ اور پہلے میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کا کسی قدر فحویٰ لے کر ذیل میں درج کرتا ہوں۔ جس کے بعد موجودہ زمانہ کے عالم کے خیالات سے اُس کا موازنہ کرونگا۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ **باب الحُبّ** میں کہتے ہیں۔

"تمام ایسی اور ادراک میں آنے والی باتیں جو وجود باری تعالیٰ کی شاہد ہیں انسان کو بچپن کے زمانہ ہی میں سوجھتی ہیں۔ جبکہ اُس کی عقل بالکل خام ہوتی ہے۔ یا وہ اس موہبت سے قطعاً محروم ہوتا ہے اور اس کے بعد اُس میں عقل کی جبلی قوت تھوڑی تھوڑی نمودار ہو چلتی ہے۔ تو وہ نفسانی بیجا خواہشوں کے پھندے میں اس طرح پھنستا جاتا ہے۔ جس طرح مکھی مکڑی کے جالے میں کہ جوں جوں وہ زیادہ تڑپتی اور غل مچاتی ہے۔ ووں ووں اُس پر مکڑی اپنا جالا زیادہ تن دیتی ہے۔ یونہی ابن آدم بچپن کی بیہوشی سے افاقہ پاتے ہی اپنے احساس اور ادراک کو جسمانی لذتوں اور نفسانی خواہشوں کی طرف مائل کر دیتا اور ان چیزوں میں کچھ ایسا منہمک ہو جاتا ہے۔ کہ صنعت خالق کے کرشموں کا منظر اُس کی نگاہوں میں دھندلا جاتا ہے۔ تاہم اُس کو ایک طرح کا تعلق باقی رہتا ہے۔ اور اس کا اظہار ایسے مواقع پر ہوتا ہے۔ جبکہ وہ کوئی انوکھی چیز حیوان یا نباتات کی قسم سے اچانک دیکھ لے۔ یا کوئی خدائی کام معمول قدرت کے خلاف اور حیرت انگیز اُس کی نظر سے گزرے۔ پس ایسے موقع پر بے ساختہ اُس کے اعضاء اور زبان سب ایک ساتھ معرفت الٰہی کیجانب مائل ہو جاتے ہیں۔ اور وہ "سبحان اللہ" کہہ اٹھتا ہے۔ خود اُس کا نفس اور اُس کے اعضاء تمام دن رات مرہ پیش نگاہ آنے والے معمولی جانوروں کو دیکھتے رہتے ہیں۔ اور یہی سب حیوانات خالق تعالیٰ کے قطعی شواہد ہیں۔ مگر چونکہ انسان کو اُن کا دیکھنا ایک معمولی امر ہو گیا ہے۔ لہذا وہ اُن کی شہادت کا احساس نہیں کرتا۔ اور اگر یہ فرض کیا جائے کہ ایک آدمی عاقل و بالغ ہو جائے

اور اس کے بعد اُس کی آنکھوں کا پردہ کھلے۔ وہ یکایک نظر پھیلا کر آسمان، زمین، درخت اور حیوانات کو ایک ساتھ دیکھ پائے۔ تو ڈر ہے کہ شدت تعجب اُسے عقل و خرد سے بیگانہ اور دیوانہ بنا دیگی۔ کیونکہ اکبارگی اتنے عجائبات قدرت اُس کے سامنے وجود خالق کی شہادت دینگے۔ تو وہ مدہوش ہو جائیگا۔

غرضکہ یہی مذکورہ بالا سبب اور اسی طرح کے دیگر اسباب جن کے ساتھ ہی انسانی خواہشوں اور جسمانی لذتوں میں انہماک بھی شامل کر لیا جا سکتا ہے۔ سب مل جُل کر خلق خدا پر انوار معرفت سے روشنی حاصل کرنے کے راستے مسدود کر دیتے ہیں۔ اور اُسے شناخت خالق کے بے پایاں سمندروں میں تیرنے نہیں دیتے۔ بہرحال معرفت خدا تعالےٰ کی جستجو میں انسانوں کی وہ مثال ہے۔ جو کہ اس مثل ع "ڈھنڈورا شہر میں لڑکا بغل میں"۔ کے مصداق کی ہو سکتی ہے۔ اور یہ قاعدۂ کلیّہ ہے کہ جلی سے جلی اور واضح سے واضح باتیں بھی تلاش اور طلب کئے جانے کی حالت میں پنہاں اور دقّت طلب بن جاتی ہیں۔ اور خوب یاد رکھو کہ انسان کی غفلت کا یہی اصلی گُر ہے۔ ؎

ظہور تیرا ہے سب پہ ظاہر نہیں کسی پر چھپا ہے اصلاً
مگر وہ بے چشم ہے جو خلقی نہ دیکھے اُسکو تو حرج ہے کیا۔
چھپا لیا ہے تجھے خدایا نشانیوں نے ظہور ہی کی۔
محال ہے اسلئے پر کھیا ہر ایک کو ایسے جلی خفی کا"

اور پروفیسر جان لیک کہتا ہے "حُسن و جمال کائنات پر نظر کرنا انسان کی کس قدر خوش قسمتی ہے! اس کا اندازہ یوں کر سکتے ہیں۔ کہ مخلوقات کی زیب و زینت اُس کی نظر فریبی کرتی ہو۔ سال کی ادل بدل کر آنے والی فصلیں اپنی ہر ایک آمد و شد میں اُس کے لئے تازہ سامان مسرت لا کر اُسے سرور زندگی بخشتی ہوں۔ اور جس وقت وہ تعلقات رنج و محن سے الگ ہو کر تفریح طبع کے لئے گلگشت چمن کو نکلے تو دل خوش کن نظارے اور لذت بخش جلوے نہ صرف اُس کی طمانیت خاطر کے موجب ہوں۔ بلکہ اُسے قدرت باری تعالےٰ کے نادر کرشمے بھی دکھائیں اور یاد خالق کا سبق پڑھائیں۔ شاخہائے گلبن پر ترد تازہ اور خوشنما پھولوں کا کھلنا، برگ و بار کا نسیم مست خرام کے نرم جھونکوں سے آہستہ آہستہ لچکنا، زمین کی سرسبزی اور خوشنوا مرغان چمن کی زمزمہ سنجی اگر ایک چیز جنت نگاہ ہے۔ تو دوسری فردوس گوش ہے۔ پھر جب یہ موسم ہائے بہار چلے جاتے ہیں تو

اپنی دل خوش کن یاد اُس کے حافظہ اور خیال میں چھوڑ جاتے ہیں۔ جن کو یاد کرکے اُسے اوقات فراغ میں ایک طرح کی فرحت حاصل ہوتی ہے۔ پس وہ اس اعتبار سے ہر وقت ایک خوشنما حاضر اور لذت افزا ماضی کے دیکھنے اور خیال کرنے میں خوش رہتا ہے"۔

الحاصل تمام دنیا کے انسان ایک گہری غفلت میں پڑے ہوئے مدہوشی کے بحر زخار اور مواج سمندر میں غوطے کھاتے ہیں۔ اُس سے اُنہیں کبھی چھٹکارا نہیں ملتا۔ اور نہ وہ بعض نہایت تھوڑے اوقات کے علاوہ اُس کے حادثات سے بچ سکنے ہی کی قدرت رکھتے ہیں"۔

میں کہتا ہوں کہ علامہ جان لبک" نے اپنے اس خیال میں گویا بے کم و کاست قولہ تعالے:

" مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَاتٍ لَا يُبْصِرُونَ ٥ (۲ : ۱۷) کا چربا اُتار لیا ہے۔

(اُنکی کہاوت اُس شخص جیسی ہے۔ جس نے آگ روشن کی۔ پھر جب وقت اُس کے آس پاس کی چیزیں جگمگا اُٹھیں۔ تو اللہ تعالےٰ نے اُن کا (آنکھوں کا) نور سلب کر لیا۔ اور اُنکو اندھیرے میں چھوڑ دیا کہ (اب) اُنکو کچھ نہیں سوجھتا۔)

پھر وہ کہتا ہے: "نیچر سے دلچسپی لینے کے یہ معنے نہیں۔ جو کہ بہت سے پست خیال اور ناداں لوگوں نے قرار دے رکھے ہیں۔ یعنے وہ مختلف خوشرنگ پھول پتیوں کا گلدستہ بنا کر کچھ دیر اُس سے لطف اُٹھاتے اور پھر اُسے پھینک دیتے ہیں!!! واللہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس بے مثل حسن اور نادر جمال کی اتنی ناقدری کیوں کی جاتی ہے۔؟ کیا اسی کا نام نیچر کی قدردانی ہے۔؟ فی الحقیقت یہ نہایت بُرا فیصلہ ہے۔ حسن قدرت کو ضائع کرنا اور اُسے حقیر بنانا بدترین کام ہے۔ فرض کرو کہ دنیا کے دن بڑھ جائیں اور آفتاب کا طلوع و غروب اس قدر شاذ و نادر امر ہو جائے کہ آدمی تمام زندگی میں صبح و شام کا وجود ایکبار سے زائد نہ معلوم کر سکے۔ تو پھر اُس کو ان اوقات کا جتنا اشتیاق ہوگا۔ اس کی حد ہی نہیں قرار دی جا سکتی۔ طلوع و غروب کے وقت آفتاب کی جلوہ نمائیاں حقیقی مسرت کی موجب ہوتی ہیں۔ وہ صبح و شام کو اپنے حسن کی نوربار کرنیں فرش زمین پر پھیلا کر اُسے سُنہرے رنگ میں رنگین کر دیتا ہے۔ مگر ہم نیچر کے اس جمال و خوبی پر محض اس وجہ سے کوئی توجہ نہیں کرتے۔ کہ وہ ہر روز ہمارے پیش نگاہ رہنے والی شئی ہے۔ اور بار بار دیکھنا ہر چیز کو خواہ کیسی ہی قابل قدر کیوں نہ ہو دل سے اُتار دیا کرتا ہے۔

" سینیکا" نے "ارسطالیس" سے کہا۔ "اگر ہم یہ خیال کریں کہ ایک گروہ آدمیوں کا زمین

کے نیچے نہایت آراستہ مکانوں میں فراغبالی کی زندگی بسر کر رہا ہے۔ اور اُس کی وہ حالت ہے
کہ ہر ایک اُس کا دیکھنے والا راحت زندگی کے بارہ میں اُسے خوش نصیب ترین گروہ تصور کرتا۔ اور
اُس پر رشک رکھتا ہے۔ پھر جبکہ فرض کیا جائے۔ کہ زمین یکایک پھٹ گئی اور وہ لوگ اُس کے
نیچے سے نکل کر اِس دنیا کا نظارہ کرنے کو باہر آگئے۔ تو اب ضرور ہے۔ کہ وہ اپنے زیر زمین کے آراستہ
مکانوں اور اُن کی آسائشوں کو چھوڑ کر دوڑتے ہوئے اس عالم میں چلے آئینگے۔ اور میں نہیں کہہ
سکتا اور نہ سمجھ ہی سکتا ہوں کہ جب وہ اِس زمین کے حُسن وجمال، یہاں کے دریاؤں کی وسعت،
ندیوں کی روانی، ہواؤں کا نرم نرم اور تیز و تند چلنا، ابر کا گھِر آنا اور برسنا، آفتاب کی نورباری
اور چمک دمک، اور اُس کی صنعت میں خالق عالم کا جلوۂ قدرت دیکھینگے۔ اور چاند کا ہلال کی
صورت میں نمایاں ہو کر بدر کامل بننا اور پھر زوال میں آکر محاق کے درجہ میں پہنچ جانا مشاہدہ
کرینگے۔ تو اُنکی کیا حالت ہوگی؟" ؎

ہوتا ہلال بدر ہے آکر عروج پر ۔۔۔ گھٹکر وہ پھر پہنچتا ہے آخر محاق میں
انسان کے عروج و تنزل کی بھی مثال ۔۔۔ کچھ کم نہیں ہے اس سے سیاق و سباق میں

اور پھر تاروں بھری رات کی طرف نظر کرینگے۔ آسمان کی زمرّدین چادرِ اطلس پر کس طرح موتیوں
کے مانند بکھرے اور اکجا پڑے ہوئے ہیں۔ یہی نہیں۔ بلکہ اُن کا ایک خاص حساب اور نظام بھی
ہے۔ جس کے اعتبار سے وہ ڈوبتے اور نکلتے چھپتے اور ظاہر ہوتے اور اپنے اپنے مرکز و محور پر دورہ
کرتے رہتے ہیں۔ تو اِن سب باتوں کا مطالعہ کر کے بے شک وشبہ وہ یہی نتیجہ نکالینگے۔ کہ اِن
موجودات کا کوئی صانع بھی ہے جو اُن کے انتظام اور تدبیر میں دخل، اور اُن پر قدرت و غلبہ کیساتھ
قبضہ رکھتا ہے۔ اور یہ تمام کائنات اُسی کی صنعت گری کے نمونے ہیں۔"

کیوں ناظرین! کیا مغربی علامہ کا یہ قول باری تعالےٰ کے اس ارشاد کی شمع کا انعکاس نہیں؟

قال اللہ تعالےٰ: "

"وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ
وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيزُ
الْعَلِيمُ ۝ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ
مَهْدًا وَجَعَلَ لَكُمْ فِيهَا سُبُلًا
لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۝ وَالَّذِي

اور (اے پیغمبر) اگر تم اُن لوگوں سے پوچھو کہ (بھلا) آسمان
اور زمین کو کس نے پیدا کیا۔ تو وہ اُنکے پیدا کرنے کو
(اُسی خدائے) زبردست دانا و بینا کی طرف منسوب
کرینگے۔ جس نے زمین کو تم لوگوں کے لئے فرش بنایا
ہے۔ اور تمہارے (چلنے کے لئے) اُس میں رستے

نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً بِقَدَرٍ ج
فَاَنْشَرْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ج
كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ۝ وَالَّذِيْ
خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا وَجَعَلَ لَكُمْ
مِّنَ الْفُلْكِ وَالْاَنْعَامِ مَا
تَرْكَبُوْنَ ۝ لِتَسْتَوٗا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ
ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَيْتُمْ
عَلَيْهِ وَتَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِيْ
سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ ۝
وَاِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ۝

(۴۳ : ۱۱ - ۱۴)

نکالے ہیں تاکہ تم (اپنی منزل مقصود کو) پہنچو۔ اور جس نے
ایک اندازے کیساتھ آسمان سے پانی برسایا۔ پھر ہم نے اُس
(پانی کے ذریعے) سے مرے ہوئے (یعنی بنجر پڑے ہوئے) شہر
کو جلا اُٹھایا۔ اسیطرح تم لوگ بھی (قیامت کے دن قبروں سے)
نکالے جاؤ گے اور جس نے ہر قسم کی چیزیں پیدا کی ہیں اور تمہارے
لئے کشتیاں اور چوپائے بنائے ہیں۔ جن پر تم سوار ہوتے ہو۔ کہ تم
اُنکی پیٹھ پر اچھی طرح اطمینان سے بیٹھ جاؤ۔ پھر جب اُن پر
بیٹھ جاؤ تو اپنے پروردگار کا احسان یاد کرو اور (اُسکا) شکر ادا کرو
کہ پاک ہے وہ (ذات) جس نے ان چیزوں کو ہمارے بس میں کر دیا ہے اور
ہم (تو ایسے طاقتور) نہ تھے۔ کہ اُنکو (اپنے) قابو میں کر لیتے
اور بیشک ہم کو اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

اور قولہ تعالےٰ : " وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ
خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى
يُؤْفَكُوْنَ ۝ (۴۳ : ۸۷)

اور اگر تم اُن سے پوچھو۔ کہ اُنکو کس نے پیدا کیا ہے؟
تو چار و ناچار یہی کہینگے۔ کہ اللہ نے (پھر یہ سمجھ کر بھی)
کدھر کو بہکے چلے جا رہے ہیں۔

یعنے وہ کہاں جائینگے۔ کیونکہ اُن کے لئے کوئی پناہ لینے یا بھاگنے کی جگہ بجز اُس کے نہیں جس پر
نوع بشر کے تمام خاص لوگوں کا اتفاق ہو چکا ہے۔ اور قولہ تعالےٰ :

" قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰى
عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ؕ آٰللّٰهُ
خَيْرٌ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ ؕ اَمَّنْ خَلَقَ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ
لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ
حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ مَا كَانَ
لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ
اللّٰهِ ؕ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ ؕ
اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا

کہہ دو (اے پیغمبر) کہ خدا کا شکر ہے (نافرمان بندوں کی ہلاکت پر)
اور (اُن) بندگان خدا کو سلام ہے۔ جنکو اُسنے برگزیدہ کیا
بھلا (قدرت اور قدردانی کے اعتبار سے) اللہ بہتر ہے یا وہ
(چیزیں) جنکو یہ لوگ شریک (خدائی) ٹھہراتے ہیں۔ بھلا
آسمان و زمین کو کسنے پیدا کیا اور (آسمان سے) تم لوگوں کیلئے
کسنے پانی برسایا (ہم ہی نے برسایا) پھر پانی کے ذریعے سے ہم ہی
نے خوشنما باغ اُگائے (لوگو!) تمہارے بس کی تو بات نہ
تھی کہ تم اُنکے درختوں کو اُگا سکو۔ کیا خدا کیساتھ کوئی اور معبود
بھی ہے؟ (نہیں) اگر یہی (بات) ہے یہ لوگ ہیں کہ ناحق

وَجَعَلَ خِلٰلَهَآ اَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ط (۲۷: ۵۹ و ۶۰)

(بھلا کون ہے) جو دیگر کرتے ہیں۔ بھلا کس نے زمین کو قرار (ٹھہرنے کی جگہ) بنایا اور اُسکے بیچ بیچ میں نہریں بنائیں اور اُس کے واسطے پہاڑ بنائے اور دو دریاؤں کے بیچ میں آڑ بنائی (کیا) اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے؟ (نہیں) مگر ان میں اکثر نادانی (سے کام لیتے ہیں)

اہل مغرب (یورپ) جن عجائبات قدرت پر فریفتہ ہو کر بالکل اُنہی میں منہمک اور مادہ پرست بن گئے ہیں۔ اللہ پاک نے اُن کا ذکر فرما کر پھر یہ بات بیان کی کہ متمدن قومیں جو دنیا پر غلبہ پاتی ہیں وہ ایسی ہی قومیں ہیں جن کو ان علوم کی معرفت حاصل ہے۔ اور جو قومیں ان علوم سے جاہل محض ہیں۔ وہی دوسروں کی محکوم اور ذلیل بنی رہتی ہیں۔ چنانچہ حق سبحانہ و تعالےٰ نے اس بات کیطرف اپنے اس قول سے اشارہ فرمایا ہے:۔

"اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ

(۲۷: ۶۲)۔

بھلا کون ہے کہ جب کوئی بیقرار ہو کر اُس سے فریاد کرے تو وہ اُسکی فریاد کو پہنچے اور اُسکی مصیبت کو دور کردے اور کون ہے جو تم لوگوں کو زمین میں اپنا نائب بناتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے۔ (ہرگز نہیں) مگر تم لوگ بہت ہی کم غور کرتے ہو۔

پس غور کرو کہ خداوند کریم نے ان نادر عجائب کا بیان فرمانے کے بعد خلافتِ ارض کا کسطرح ذکر فرمایا ہے۔ غرضکہ میں نے اپنے اگلے حکماء اور اہل یورپ کے موجودہ فلاسفروں کے اقوال کا باہمی موازنہ آیات قرآن کریم کے ساتھ کر کے تم کو بتا دیا ہے۔ کہ قرآن شریف کس درجہ کی حکمت اور کامل نصیحت ہونے کا اندازہ کرلو۔ اب اسی کے ساتھ تھوڑی دیر کے لئے تم انہی اہل یورپ کے اُن آباؤ اجداد کے حال پر غور کرو۔ جو کہ حکومت اسلام کے عہد شباب میں پائے جاتے تھے۔ اور اُن کی تعلیم کا حال تاریخ میں پڑھکر بتاؤ کہ وہ کس طرح خرافات دوستی اور اوہام پرستی میں مبتلا اور کن حالوں کو پہنچے ہوئے تھے۔ اور جب یہ موازنہ کر چکو تو ذرا دیر کیلئے انہی کے موجودہ بیٹوں کی حالت پر بھی نظر ڈالو۔ اور دیکھو کہ علوم کائنات میں دستگاہ کامل بہم پہنچا کر وہ کس رتبہ کو پہنچے ہیں۔ اور کہ آیا باپ دادا اور اُن کے فرزندوں کی حالت میں کوئی بھی مناسبت پائی جاتی ہے؟

خیال کرنے کی بات ہے۔ کہ جس زمانہ میں بہادر عربی قوم قرآن کریم کی یہ آئتیں تلاوت نہیں نہیں۔ صرف تلاوت نہیں۔ بلکہ اُن کے معانی پر عبور حاصل کرکے۔ اُن پر عمل بھی کرتی تھی۔ ان حفظ اس کا کیا حال تھا۔ کما قال اللہ تعالےٰ۔

اُسی نے (کسی بڑی) مصلحت سے آسمان و زمین کو پیدا کیا۔ تو یہ لوگ جو اور دوسروں کو اُسکا شریک بناتے ہیں وہ اُس (پاک) ذات سے بالاتر ہے۔ اُسی نے انسان کو نطفے سے پیدا کیا۔ باایں ہمہ ایک دم سے وہ کھلم کھلا (خدا ہی کے بارہ میں) جھگڑنے لگا اور اُسی نے چارپایوں کو پیدا کیا جن (کی کھال اور اون) میں تم لوگوں کی جڑاول ہے اور (دیگر) فائدے (بھی) ہیں اور انہیں سے (بعض کو) تم کھاتے (بھی) ہو۔ اور جب شام کے وقت اُنکو چرا کر گھر واپس لاتے ہو اور جب صبح کو (جنگل) چرانے لیجاتے ہو۔ تو اُنکی وجہ سے تمہاری رونق بھی ہے۔ اور جن شہروں تک تم بجان کاہی نہیں پہنچ سکتے چارپائے وہاں تک تمہارے بوجھ بھی اُٹھا کر لیجاتے ہیں۔ کچھ شک نہیں کہ تمہارا پروردگار (تم پر) بڑی شفقت رکھتا اور مہربان ہے اور اُسی نے گھوڑوں اور خچروں اور گدھوں کو پیدا کیا تاکہ تم اُنپر سواری لو (اور سواری کے علاوہ یہ چیزیں موجب) زینت بھی ہیں۔ اور وہی اور بہت سی چیزیں پیدا کرتا ہے جنکو تم نہیں جانتے اور دین کے راستے دو قسم کے ہیں (ایک) سیدھا راستہ جو سیدھا خدا تک (پہنچتا) ہے اور بعض ٹیڑھے (ترچھے)۔ اور خدا چاہتا تو تم سبکو سیدھا ہی راستہ دکھا دیتا۔ وہی (قادر مطلق) ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا جس سے کچھ تو تمہارے پینے کا ہے اور کچھ ایسا ہے کہ اُس سے درخت (پرورش پاتے) ہیں جنمیں تم اپنے مویشیوں کو چراتے ہو۔ اُسی پانی سے خدا تمہارے لئے کھیتی اور زیتون اور کھجور و انگور اور ہر طرح کے پھل پیدا کرتا ہے جو لوگ سوچ سمجھ کر کام میں لاتے ہیں۔ اُن کے لئے اس میں

"خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ
بِالْحَقِّ تَعَالٰى عَمَّا
يُشْرِكُوْنَ o خَلَقَ الْاِنْسَانَ
مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ
مُّبِيْنٌ o وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا
لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ
وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ o وَلَكُمْ
فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ
وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ o وَتَحْمِلُ
اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا
بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ اِنَّ
رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ o وَالْخَيْلَ
وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً
وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ o
وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ
وَمِنْهَا جَآئِرٌ وَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ
اَجْمَعِيْنَ o هُوَ الَّذِيْ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ
مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ
وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ o
يُنْبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُوْنَ
وَالنَّخِيْلَ وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ
كُلِّ الثَّمَرٰتِ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ وَسَخَّرَ
لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۙ وَالشَّمْسَ
وَالْقَمَرَ ؕ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ ؕ
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ
وَمَا ذَرَاَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ
مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ؕ اِنَّ فِيْ
ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ۝
وَهُوَ الَّذِيْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا
مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْا
مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى
الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا
مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝
وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ
اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَاَنْهٰرًا وَّ
سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝ وَ
عَلٰمٰتٍ ؕ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ
اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ ؕ اَفَلَا
تَذَكَّرُوْنَ ۝ وَاِنْ تَعُدُّوْا
نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ
لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (۱۶ : ۱۳-۱۸)

(قدرت خدا کی) ایک (بڑی) نشانی ہے۔ اور اُسی نے رات دن
اور سورج اور چاند کو (ایک اعتبار سے) تمہارا تابع کر رکھا ہے
اور (اسی طرح) ستارے (بھی) اُسی کے حکم سے (تمہارے) تابع فرمان
ہیں۔ جو لوگ عقل رکھتے ہیں۔ اُنکے لئے ان چیزوں میں (قدرت خدا کی
بہتیری ہی) نشانیاں ہیں۔ اور (بہت سی) چیزیں جو تمہارے
(فائدے کے) لئے روئے زمین میں پیدا کر رکھی ہیں (اور) اُنکی مختلف
رنگتیں ہیں۔ انمیں (بھی) اُن لوگوں کیلئے جو غور و فکر کو کام
میں لاتے ہیں (قدرت خدا کی بڑی نشانی (موجود) ہے۔ اور
وہی (قادر مطلق) ہے جس نے (ایک اعتبار سے) دریا کو تمہارا
مطیع کر دیا ہے۔ تاکہ اُسمیں سے تم (مچھلیاں نکال کر اُنکا تازہ) گوشت
کھاؤ۔ اور (نیز) اسمیں سے زیور کی چیزیں (یعنی جواہرات) نکالو جنکو تم
لوگ پہنتے ہو۔ اور (اے مخاطب) تو کشتیوں کو دیکھتا کہ (پانی کو
پھاڑتی ہوئی) اسمیں چلی جا رہی ہیں۔ اور (دریا کو اسلئے بھی تمہارا
مطیع کیا ہے) تاکہ تم لوگ خدا کا فضل (یعنی تجارت کے فائدے)
تلاش کرو اور تاکہ آخر کار (ان سب نعمتوں پر نظر کرکے خدا کا
شکر کرو۔ اور اُسی نے (بھاری بوجھل) پہاڑ زمین میں گاڑ
تاکہ زمین تمہیں لیکر کسی طرف کو نہ جھکنے پائے۔ اور (اُسی نے
ندیاں (اور رستے (بنائے) تاکہ تم (اپنی) منزل مقصود کو پہنچو اور
(مسافروں کے لئے اور بھی بہت سی) نشانیاں (قرار دیں کہ
اُنکے ذریعہ سے رستے کی شناخت کریں) اور لوگ ستاروں سے
بھی راہ معلوم کرتے ہیں۔ تو کیا جو (خدا اتنی مخلوقات) پیدا کرے وہ اُن (بتوں) کے برابر ہو گیا جو (کچھ بھی) نہیں پیدا
کر سکتے۔ پھر کیا تم لوگ (اتنی بات بھی) نہیں سمجھتے۔ اور اگر خدا کی نعمتوں کو گننا چاہو تو (اتنی بہت ہیں کہ تم لوگ)
اُن کو پورا پورا نہ گن سکو۔ بیشک خدا بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔

غرضکہ یہ آیتیں اور اِنہی کی سی دوسری بھی عام مسلمان اہل عرب کے علوم و معارف میں
داخل تھیں اُنمیں کم از کم ایسے لوگ موجود تھے۔ جو کہ ان آیتوں کو پڑھ کر اِس بات کو سمجھتے تھے۔ کہ

اللہ پاک نے اپنی قدرت کا اظہار فرمایا۔ اور اپنے بندوں پر آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے کا احسان جتایا ہے۔ کیونکہ یہ چیزیں انسان کو دکھائی دینے والی اشیا میں سب سے بڑی اور شاندار ہیں۔ اور چونکہ انسان ہی خلقت آسمان وزمین کا سب سے بڑا نتیجہ تھا۔ اس واسطے اُن کے بعد اُسی کا ذکر فرمایا۔ کیونکہ خلقت انسان کے عجائب وجود باری تعالےٰ کے بارہ میں روشن ترین دلیل ہیں۔ خیال تو کرو۔ ایک گندہ پانی کے قطرہ سے خدا تعالےٰ نے انسان کو احسن تقویم کا خلعت بخشا اور وہ کافر نعمت بجائے اس کے کہ اپنے اصل و بنیاد پر غور اور آسمان وزمین کے مظاہر قدرت اور نظام فطرت کا مطالعہ کر کے صانع عالم کی اطاعت کرتا، اُس کا حکم مانتا، اُلٹا نافرمانی کرنے اور بات بات میں جھگڑنے لگا۔

اِس کے بعد خداوند کریم نے اپنی اُن گوناگون نعمتوں کا ذکر فرمایا اور انواع و اقسام کے احسان کو گنوایا جو کہ وہ ظلوم وجہول انسان کو بلا منت غیرے عطا کر رہا ہے، اُس نے ارشاد کیا۔ کہ حیوان، نباتات، اور آسمان سے برسنے والا مینہ۔ جو حیوانات و نباتات دونوں کے حق میں مفید ہے۔ اور پھر اُن کی متعدد مفید قسمیں محض انسان کے نفع اُٹھانے کے واسطے پیدا کی گئی ہیں۔ آسمانوں کے عجائبات، ستاروں کے فائدے، رات اور دن کے منافع بیان فرما کر یہ بتا دیا۔ کہ نعمتوں کی جتنی قسمیں ذکر ہوئی ہیں۔ وہ سب انہی اجرام سماوی اور اختلاف فصول و موسم کے دم سے وابستہ ہیں۔ پہاڑوں کا اور اُن کے فوائد کا ذکر کیا، اور راستوں پر نصب کی جانے والی میلوں اور منزلوں کی علامتوں کا تذکرہ فرمایا۔ پھر اس سے بھی زیادہ واضح اور صاف بات یہ ہے۔ کہ پروردگار جلّ شانہ نے اسی آیت میں یہ بھی بتا دیا کہ اُس نے حیوانات کی خلقت سے اپنے بندوں (انسانوں) پر بڑی عنایت و نوازش فرمائی ہے۔ اُنہی میں سے بعض کو انسان کھاتا ہے۔ اور بعض جانوروں کے اُون سے گرمی اور جاڑوں کا لباس بناتا ہے۔ عرب کے بادیہ نشین چوپایوں کی کھال کے خیمے بناتے اور دھوپ و بارش سے بچنے کے لئے اُن میں پناہ لیتے ہیں۔ پھر انہی حیوانات میں سے بعض ہماری سواری اور باربرداری کے کام آتے اور ہمیں اور ہمارے سامانوں کو ایک شہر سے دوسرے شہروں اور دور دراز مقاموں تک لے جاتے ہیں۔ اور مزید بریں وہ آرائش اور شوکت نمائش کے بھی کام آتے ہیں۔ دولت مند اور متعزز لوگ بہت سے جانوروں کے مالک ہوتے اور دوسرے آدمی اُن کی خوش حالی کو نعمت الٰہی کا نشان خیال کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں اور نہیں معلوم کس قدر خدا کی مخلوق زمین اور آسمان میں ایسی ہے جس کو ہم

جانتے ہی نہیں۔ کیونکہ ہمارے علوم محض اُنہی چیزوں تک قاصر ہیں۔ جو براہِ راست یا بالواسطہ کسی نہ کسی طرح ہم کو فائدہ پہنچاتی ہیں۔ اور اسی لئے اگر ہم مسئلہ روح۔ یا ستاروں کی حقیقت دریافت کرنے اور ایسی ہی دیگر باتوں میں مصروف ہوں جن کے علم سے نہ ہمیں طبعاً کوئی نفع ہے اور نہ وہ ہمارے ادراک کی حد میں آسکتی ہیں۔ تو یہ بات سراسر بیجا ہے اور تضیع اوقات اور اس سے آگے رحیم و کریم خدا نے آسمان سے پانی برسانے کا ذکر فرما کر ہمیں بتایا کہ اُسے تم پیتے ہو۔ اُس سے غسل کرتے ہو، ہاتھ، منہ اور کپڑے دھوتے ہو، کھیتوں کو سیراب کرتے اور مویشیوں کو پلاتے ہو، پھر اُسی بارش کے ذریعے سے کھیتی اُگتی ہے۔ کھیتی کیا ہے؟ غلہ جس کو تم کھاتے ہو۔ مثلاً گندم، جو، اور اُسی کے مانند دیگر حبوب (دانے)۔ اور غلہ کا ذکر پہلے اِس وجہ سے کیا کہ ہمارے جسموں کا قائم رہنا، طاقت کا بقا، صحت و زندگی کا مدار اسی پر تھا۔ اور اِس سے دوسرے نمبر پر زیتوں کا تذکرہ کیا۔ کیونکہ وہ نانخورش ہے۔ چکنائی اس سے حاصل ہوتی ہے۔ اور باعث برکت ہے۔ تیسرے نمبر پر کھجور کا بیان فرمایا۔ اس واسطے کہ اُس کا پھل غذا بھی ہے۔ اور میوہ بھی بعد ازاں انگور کا تذکرہ کرکے یہ سلسلہ ختم کر دیا۔ کیونکہ غذائیت اور میوہ ہونے میں وہ کھجور ہی کا ہم شبیہ ہے۔ اور اُس کے عقب میں باقی پھلوں کا اجمالی ذکر دینے پر اکتفا کیا۔ اور چونکہ اس مخلوقات کی نشو و نما کے لئے اجرام آسمانی کا وجود ضروری تھا۔ اور اس کے علاوہ اُن میں ہمارا یہ فائدہ بھی تھا۔ کہ ہم اُن کی روشنی اور چمک سے دنیا کی چیزیں روز روشن اور چاندنی رات میں دیکھ سکتے ہیں۔ لہٰذا تمام مذکورۂ بالا اشیاء کا بیان فرمانے کے بعد رات، دن، سورج، چاند، اور ستاروں کو انسان ہی کے فائدہ کی غرض سے مطیع و منقاد امرِ الٰہی بنایا جانا ذکر فرمایا۔

اللہ! اللہ!۔ اب اگر کوئی کور باطن ان حیرت انگیز عجائبات کو دیکھ کر بھی پروردگار عالم کے وجود کا یقین نہ کرے۔ اور اُس کے وجود لازوال کی شہادت نہ دے۔ تو سمجھ لینا چاہئے۔ کہ وہ عقل و خرد سے قطعاً محروم اور اس اعلےٰ نعمت سے دور و مہجور رہے۔ اوپر ذکر ہوئی باتوں میں سے ہر ایک بات اپنے خالق کے کمال اور اپنے صاحب حکمت بنانے والے کے جمال پر ایسی واضح دلیل ہے۔ کہ اس سے بڑھ کر کوئی دوسری دلیل ہو ہی نہیں سکتی۔ پھر چہ جائیکہ جب اتنی عجیب چیزیں وجود باری کی دلیل و برہان ہوں تو کسی کو انکار کی گنجائش کیونکر مل سکیگی۔

یہی نہیں۔ بلکہ تم اُسی کے ساتھ یہ بھی دیکھو کہ باوجود عناصر، بارش کا پانی، ہوا۔ اور آفتاب و مہتاب کی روشنی ایک ہی ہونے کے۔ زمین سے کتنی مختلف خوشنما رنگتوں اور شکلوں کی چیزیں اُگتی اور پیدا

ہو جاتی ہیں۔ اور کس قدر افسوس ہے۔ ہماری غفلت پر کہ ہم اُن کو نہیں دیکھتے۔ کوئی سُرخ چہچہاتی رنگ کا گلگونہ رُخ روشن پر ملے ہوئے ہے۔ تو دوسری نے زرد ڈہڈہا جوڑا زیب جسم کر رکھا ہے۔ کسی کا نیلگون لباس ہے۔ تو کوئی سبز حُلّہ پہن کر اترا رہا ہے۔ بعض سفید بُرّاق پوشاک میں ملبوس ہیں تو چند سیاہ چمکدار کپڑے پہنے ہوئے اپنی نکھار دکھا رہے ہیں۔ اور اس کے علاوہ ہر ایک کا رنگ وسنگ جُدا جدا ہے۔ اور سب کی شکلیں الگ الگ ہیں۔ سُبحان اللہ۔ خالق الاشیاء۔ اب اس کے بعد سمندروں کو لیا جائے۔ تو اُن کا نمبر اور تمام عجائبات پر بھی بڑھ گیا ہے۔ اللہ جل جلالہٗ نے ان کے پانی میں ایک بڑا حصّہ نمک کا شامل کر دیا ہے۔ کیونکہ ایسا نہ ہوتا تو عرصہ تک موجود رہنے کے سبب اُن کا پانی بگڑ جاتا اور اُس میں عفونت پیدا ہو کر ہوا کو خراب کرتی۔ اُس سے متعدی اور وبائی بیماریاں پھیلتیں، اور مخلوق ہلاک ہو جاتی۔ غرضیکہ ہم اِن عجائب مخلوقات کی شرح کو زیادہ طویل نہیں کر سکتے۔ جو کہ اِن آیات میں اِسطرح جمع کر دی گئی ہیں جیسے کوزہ میں دریا بھر دیا جاتا ہے۔ کیونکہ اِن عجائبات قدرت اور اُن کے مانند دیگر باتوں کی تشریح قرآن کریم کی اتنی آیتوں میں موجود ہے۔ جن کا مجموعہ اُس کے چھوٹے حصّہ کے برابر ہوتا ہے۔ اور اس حصّہ قرآن میں تمام ایسے علوم موجود ہیں۔ جو کبھی فنا نہیں ہونگے۔ جیوں جیوں زمانہ گذرتا جائیگا۔ ووں ووں اُن میں نئی نئی شان اور وضاحت بڑھتی رہیگی۔ اور یہی مصداق ہے قولہ تعالےٰ:

"سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ" (۴۱: ۵۳)	عنقریب ہم اِن لوگوں کو اپنی (قدرت کی) نشانیاں (دنیا کی) اطراف میں (بھی) دکھائینگے۔ اور اُنکے اپنے درمیان میں (بھی)
اور قولہ تعالیٰ: "سَأُرِيكُمْ آيَاتِي فَلَا تَسْتَعْجِلُونَ" (۲۱: ۳۷) کا	ہم عنقریب تم کو اپنی (قدرت کی) نشانیاں دکھائے دیتے ہیں۔ تو ہم سے جلدی نہ مچاؤ۔

غور کرو کہ اِن آیتوں میں خداوند پاک نے کس انداز پر پہلے آسمانوں کے ذکر سے کلام کی ابتدا فرمائی، پھر انسان، حیوان، اور نباتات کی آفرینش کا مرتبہ بمرتبہ تذکرہ فرما کر ایک ایک کر کے تمام عالم کی چیزوں کی تشریح کر دی اور آخیر میں اُس سب کا خلاصہ اور نتیجہ یہ نکالا کہ ان چیزوں کا ایک بنانے والا بھی ہے۔

اور اب اُسی کے مقابل اہل یورپ کے آباو اجداد کے علم المذاہب کی تاریخ پڑھو۔ جس میں دیوتاؤں کی باہمی جنگ کا بیان کرتے ہوئے یہ نمایاں کیا گیا ہے۔ کہ ایک دیوتا نے کسی حیلہ سے رحم اور محبّت کے دیوتا کو قتل کر دیا۔ اور اُس کے مارے جاتے ہی یہ عُمدہ فضیلت اُن کے

مامین سے نکل گئی۔!!!

اور ان دونوں باتوں کا اپنی عقل سے موازنہ کر کے موجودہ زمانہ کی حالت پر نظر ڈالو اور دیکھو کہ انہی جاہل اور وحشی یورپ کے باشندوں کی اولاد نے قرآن کریم کے حسب ہدایت علوم و فنون کو پڑھکر کس طرح اقوام عالم کی باگ اپنے قبضہ میں کر رکھی ہے۔ اور وہ غور و فکر اور عقل و خرد سے کام لے کر دنیا میں کیا کر رہے ہیں۔ اور پھر اپنی حالت پر نظر ڈالو۔ تو یہ صورت دیکھو گے کہ ہمارے پاس اُن علوم کے دسترخوان سے بعض بچے کھچے ریزوں کے سوا اور کچھ نہیں۔ بس گویا حقیقت یوں ہے کہ اُن کے آباؤ اجداد کا ترکہ آج ہم کو مل گیا ہے۔ اور ہمارے باپ دادا کی دولت اُنہوں نے میراث میں حاصل کر لی ہے۔ اِس لئے ہم اُن کے سَلَف کی پیروی میں سرگرم ہیں۔ اور وہ ہمارے بزرگوں کے نقش قدم پر چلنے کا فخر رکھتے ہیں۔ اور ہم اتباع قرآن کا زبانی دعوے کر کے محض سفید جھوٹ بولتے ہیں!!!۔

بارھواں جوہر۔ قرآن اور مسلمان اور پچھلے زمانہ کے اہل فرنگ

کس قدر حیرت اور افسوس کا مقام ہے۔ کہ رُوما کے مشہور حکیم "سنیکا" کے اقوال اہل یورپ میں اتنے محترم اور قابل عظمت مانے جائیں جن پر عمل کرنا ہر شخص کا فرض ہو۔ اور ہر معاملہ میں اُسی کے اقوال و آراء کو سرمشق قرار دیا جائے۔ حالانکہ وہ بھی ایک انسان تھا اور انسان بھول چوک سے مرکب ہے۔ مگر اسی کے مقابلہ میں ہم مسلمان اپنے پاس کتاب الٰہی کی نادر اور کامل ترین حکمتوں سے مملو آتیں رکھتے ہوں۔ اور اُن کے دل میں کھُب جانے والے طرز بیان اور عقول کو جلا دینے والے معانی و مطالب سے یوں بے خبر ہیں!!!۔ ذیل میں کچھ اقوال "سنیکا" کے اور اُس کے بعد بعض آیات قرآنی بایں مراد نقل کرتا ہوں۔ کہ ناظرین تھوڑی دیر کے لئے سوچیں۔ اور دیکھیں کہ کس طرح ایک قوم (مسلمانوں) نے اپنے قیمتی متاع کو خاک میں ملا دیا ہے اور اور دوسری قوم علم و حکمت کی تلاش میں سرگرم تگ و دَو ہو کر کوہ و صحرا، اور دشت و دریا، سب کو چھان رہی اور ایک ناقص انسان کے اقوال سے بھی مَدَد لینے میں نہیں چوکتی۔

حکیم سنیکا کہتا ہے: "اگر کوئی انسان تجھ کو ایک وسیع سرسبز اور باغوں، چمنوں، کھیتوں اور چوپایہ جانوروں سے معمور قریہ عطا کر دے۔ کہ تو اُس سے نفع اُٹھا۔ تو کیا یہ اُس معطی کا احسان اور قابل شکر انعام نہ سمجھا جائیگا۔ پھر کون انکار کرتا ہے کہ یہ وسیع زمین مع اپنے پہاڑوں اور دریاؤں

کے خالق و مدبر کائنات کا ایک عظیم الشان اور سب سے بڑا عطیہ نہیں؟ اگر ایک آدمی مجھ کو کچھ روپے۔ اشرفیاں دے دے تو ضرور ہے کہ تو اُس کو بڑا ہی احسان اور بخشش تصور کریگا۔

پس وہ پاک خدا جس نے پتھروں کے طبقات میں معدنی پیداواروں کو دفن کر رکھا ہے؛ اور زمین کے تاریک پردوں میں سونے اور چاندی وغیرہ جیسی نورانی دھاتوں کو پیدا کیا ہے۔ کیا وہ سب سے بڑھ کر صاحب کرم اور بخشش کرنے والا نہیں۔ یونہی کوئی آدمی تیرے لئے ایک آراستہ اور پاکیزہ مکان بنوادے۔ جس کی چھت خوشنما رنگتوں سے رنگین اور سنہرے پھولوں اور آبدار ہیروں سے مرصع ہو۔ تو کیا تم اسے ایک خوشنما تحفہ نہ تصور کرو گے۔ اب دیکھو کہ آیا خداوند کریم نے تمہارے لئے ایک مستحکم اور ثابت ارکان کا ایسا شاندار قصر نہیں بنا دیا ہے۔ کہ جس کو نہ آگ جلا سکتی ہے۔ اور نہ موسلا دھار بارش کی جھڑیاں اُس کا کچھ بگاڑ سکتی ہیں۔ اس ایوان کی چھت خوشنما اور حسین رنگ کے چمکدار موتیوں سے مرصع اور مزین تمہارے سروں پر اپنا سایہ ڈال رہی ہے۔ اور شمس و قمر کی قندیلیں اِس قصر فاخر کو اپنے اپنے وقتوں میں نوبت بہ نوبت روشن اور تابناک بناتی ہیں۔ رات اور دن کا پیہم آنا تمہارے لئے کام و آرام کی تعیین اوقات بناتا ہے۔ اور ہر ایک ایسی چیز جو کہ حیوان اور انسان کی ضروریات میں داخل ہو یہاں موجود کر دی ہے۔ سانس لینے کے واسطے صاف و تازہ ہوا۔ اور کام کرنے کے لئے روشنی کا سامان اِس ایوان میں موجود ہے۔ وہی خداوند پاک ہمارے جسم میں خون پیدا کرتا ہے۔ جس پر زندگی کا دار و مدار ہے۔ اور وہی خون ہمارے اجسام کی غذا اور اُنکے قائم رہنے کا ذریعہ بھی ہے۔ اللہ بزرگ و غالب نے روئے زمین پر ہر طرح کے چوپائے پیدا کئے اور اُس میں تمام خوشنما نباتات کے جوڑے اُگائے جو کہ ہمارے اور ہمارے چوپایوں کے لئے سامان بسر اوقات ہے۔ سردی اور گرمی میں اُسی کے حکم سے مختلف قسم کی ہوائیں چلتی ہیں اور ہم اُن سے بحکم الٰہی نفع اُٹھاتے ہیں۔ اللہ عزوجل نے بنی آدم کو خاص اعزاز عطا کیا اور دستکاریاں اور علوم الٰہ کو سکھائے۔ اُن میں موسیقی نغموں سے دلچسپی لینے کا مادۂ ودیعت رکھا۔ اور خوش آوازی کو جانچنے کا ملکہ اُنہیں عنایت فرمایا۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے۔ کہ علوم اور دستکاریوں کے اصول خود ہم نے اپنے ہی دل اور دماغ سے پیدا کئے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ یہ شریف قوتیں اللہ ہی نے ہماری ترکیب میں داخل فرمائیں۔ اور یہ اعلےٰ درجہ کے ملکات اُسی کی بخشش سے ہم کو ملے۔ خدا ہمارا مالک اور آقا ہے۔ اُس نے ہم کو تاریک مٹی سے پیدا کر کے عقل کی روشنی عطا کی اور ایک گندہ قطرۂ آب کو ایسی اعلےٰ دستکاریوں؛ علوم اور موسیقی؛ فنون کے زیور علم و ایجاد سے آراستہ فرمایا۔ وہی مُردہ

میں سے زندہ کو نکالتا ہے۔ اھ"۔ یہ تو حکیم سنیکا رومانی کا مقولہ ہے۔ اب سنو کہ ایک اور یورپین فاضل اور مصنف کیا کہتا ہے: "اس دنیا میں اکثر آدمی آنکھیں رکھتے ہیں۔ مگر افسوس کہ وہ اُن آنکھوں سے کچھ دیکھتے نہیں۔ اُن کے کان ہیں مگر وہ اُن سے نہیں سنتے۔ خدا کا بڑا احسان یہ ہے کہ وہ انسان کو سمجھ اور عبرت حاصل کرنے کی قدرت عطا فرمائے تاکہ وہ جن چیزوں کو مخلوقات باری میں سے مشاہدہ کرتا ہے۔ اُنکے معانی اور اسرار دریافت کر سکے۔ اھ"

کیا اس قول کا ابتدائی حصہ قولہ تعالےٰ:-

"وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ ۖ لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا ۚ أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ ۝" (سورہ ۷، رکوع ۲۲ آیت ۸)

اور ہم نے بہتیرے جن و انسان جہنم ہی کے لئے پیدا کئے ہیں۔ اُن کے دل تو ہیں۔ مگر اُن سے سمجھنے کا کام نہیں لیتے۔ اور اُن کی آنکھیں بھی ہیں مگر اُن سے دیکھنے کا کام نہیں لیتے۔ اور اُنکے کان بھی ہیں۔ مگر اُنسے سننے کا کام نہیں لیتے۔ غرض یہ لوگ چارپایوں کی طرح ہیں۔ بلکہ اُن سے بھی گئے گذرے ہوئے۔ یہی وہ لوگ ہیں۔ جو دین سے بالکل بے خبر ہیں۔

اور اُس کا پچھلا حصہ قولہ تعالیٰ "الرَّحْمَٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْآنَ ۝ خَلَقَ الْإِنسَانَ ۝ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۝ (۵۵: ۱-۴)

خدائے رحمٰن نے قرآن پڑھایا۔ اُسی نے انسان کو پیدا کیا پھر اُسے بولنا سکھایا۔

کی شمع نور بیز کا ایک نورانی پرتو نہیں ہے؟۔

اس لئے اگر کہیں ہم مسلمانوں کو یہ معلوم ہو کہ اہل یورپ اِن حکیموں تک کا کیسا اعزاز کرتے اور اُن کے اقوال پر عمل کرنا کس طرح کی قابل تعریف بات سمجھتے ہیں۔ تو اُس وقت ہمیں خود ہی کمال حیرت اور پشیمانی ہوگی۔ کہ ہماری قوم نے حکمائے یورپ کی روش سے کہیں اعلےٰ درجہ کی فضیلت رکھنے والی کتاب حکیم کی روش اور اُس کے موعظت آمیز طرز بیان کو دیکھنا چھوڑ کر اُسکو کیونکر فراموشی کے طاق پر رکھدیا۔ اور اُسکی تعلیمات سے کیوں اتنی غافل ہو گئی۔

اور یہ بھی سخت تعجب ہے۔ کہ یورپ کے عالم و حکیم اور اُن کے قومی لیڈر سنیکا وغیرہ مصنفین کی تو اتنی قدر و قیمت کرتے ہیں مگر قرآن کریم کو بنظر امتیاز نہیں دیکھتے؟ اے کاش وہ کچھ ہی دیر کے

لئے اسی طرز بیان کی کامل روشنی خدا تعالےٰ کے اس قول کی شرح میں دیکھئے۔ ❊ ❊ ❊ ❊ ❊ ❊ ❊ ❊ ❊

«إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ وَتَصْرِيفِ الرِّيَاحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ۝ (۲: ۱۶۴)

بیشک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات دن کے ادل بدل میں اور جہازوں میں جو لوگوں کے فائدہ کی چیزیں یعنے مال تجارت سمندر میں لیکر چلتے ہیں۔ اور مینہ میں جسکو اللہ آسمان سے برساتا۔ پھر اُسکے ذریعہ سے زمین کو مرے پیچھے زندہ (یعنی شاداب) کرتا ہے اور قسم قسم کے جانور (میں) جو خدا نے روئے زمین پر پھیلا رکھے ہیں اور ہواؤں کے اِدھر اُدھر پھیرنے میں اور بادلوں میں جو آسمان زمین کے درمیان (بحکم خدا) گھرے رہتے ہیں۔ اُن لوگوں کیلئے جو عقل رکھتے ہیں۔ قدرت خدا کی بہتیری نشانیاں موجود ہیں

یا اس سے بڑھکر مختصر بیان تیز فہم انسانوں کے لئے دوسری جگہ قولہ تعالےٰ

«اَللّٰهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَكُمْ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِأَمْرِهِ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْأَنْهَارَ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَائِبَيْنِ وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَآتَاكُمْ مِنْ كُلِّ مَا سَأَلْتُمُوهُ وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوهَا إِنَّ الْإِنْسَانَ لَظَلُومٌ كَفَّارٌ (۱۴: ۳۲: ۳۴)

اللہ ہی (ایسا قادر مطلق) ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ اور آسمان سے پانی برسایا۔ پھر پانی کے ذریعہ سے (درختوں) کے پھل نکالے کہ وہ تم لوگوں کی روزی ہیں اور کشتیوں کو تمہارے اختیار میں کر دیا۔ اور (اسی طرح ایک اعتبار سے) سورج چاند کو تمہارے اختیار میں کر دیا کہ دونو پڑے چکر کھا رہے ہیں اور (ایسا ہی ایک طرح سے) رات اور دن کو تمہارے اختیار میں کر دیا۔ اور جو کچھ تم کو درکار تھا بقدر مناسب تم کو دیا اور اگر خدا کی نعمتوں کو گننا چاہو تو اُنکو پورا پورا گن نہ سکو کچھ شک نہیں۔ کہ انسان بڑا ہی بے انصاف ہے اور بڑا ہی ناشکر ہے۔

❊ ❊ ❊ ❊ ❊ ❊ ❊ ❊ ❊ ❊ ❊ ❊ ❊ ❊ ❊ ❊ ❊ ❊ ❊ ❊

میں پاتے۔ پھر خاص لوگوں کے واسطے اِس سے افضل تر معنی مختصر لفظوں میں اِس قول کے اندر یہی باتیں جمع دیکھئے:

«هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ

وہی (قادر مطلق) ہے جس نے تمہارے لئے زمین کی کل

کائنات پیدا کی۔ پھر آسمان کے بنانے کی طرف متوجہ ہوا تو سات آسمان ہموار بنا دیئے۔ اور وہ ہر چیز کی کُنہ سے واقف ہے	ثُمَّ اسْتَوٰى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (۲:۲۹)

اور اہل دانش و بینش کو بہ نسبت اس کے اور وجیز جملہ میں مخاطب بنانے یعنے یہ سب بیان محض پانچ کلموں میں جمع کر دینے کا لطف قولہ تعالےٰ:۔

"بدیع السموات والارض" (۲:۱۱۷) آسمان و زمین کا موجد ہے۔

سے اُٹھاتے۔ بلکہ دیکھئے کہ پروردگار عالم نے کس طرح محض ایک کلمہ یعنے اپنے مبارک نام "بدیع" میں ہی یہ سب اوصاف جمع فرما دئے ہیں۔

غرضکہ قرآن کریم کے اس فیض سے مسلمانوں نے مستفیض ہونا چھوڑ دیا۔ اور اُس کی حقیقی وجہ یہ ہوئی کہ اہل علم نے فن فقہ ہی کو خوشحالی اور بآرام زندگی بسر کرنے کی ضروریات کا پورا کرنے والا تصور کر لیا ہے۔ حتےٰ کہ یورپ والے اُٹھے۔ اور مادی اور ادبی علوم میں ہم سے منزلوں آگے بڑھ گئے۔ اہل یورپ نے تو قرآن کریم کی زریں تعلیمات پر عمل کیا اور ہم جو اس کام کے لئے سب سے اولےٰ اور افضل تھے۔ اس دوڑ میں پھسڈی رہ کر ادبار و نکبت کے غار میں گر گئے۔

تیرھواں جوہر۔ سابقہ مباحث کا نتیجہ

میری تمام سابقہ تحقیقاتوں اور کتب علوم جدیدہ کے مطالعہ کا نتیجہ اس بات کا علم تھا۔ کہ دنیا کی ہر بات میں کامل ترتیب و نظام موجود ہے۔ اور یہ عقیدہ میرے دل میں بخوبی جم گیا۔ کتاب مقدس یعنے قرآن کریم کی آیات سے اس کا قطعی ثبوت مل ہی چکا تھا۔ اور ابن سینا، فارابی اور ابن رُشد وغیرہ حکمائے اسلام نے فلسفہ یونان کے مسائل سے بھی اُسی کی تشریح کر دی۔ اس لئے کوئی شبہ و شک باقی نہیں رہا۔

اس بات کا مجھ کو یقین ہو چکا تھا۔ کہ عالم نباتات اور حیوانات دونوں کے لئے بہت سی غذا اور نشو و نما پہنچانے والی قوتیں۔ اور اُن کو پیدا کرنے اور شکل پذیر بنانے والی طاقتیں بھی ہیں۔ اور قوت نامیہ اجسام کو ایک خاص ترتیب اور باقاعدہ اشکال کے ساتھ نمو عطا کرتی ہے مگر یہ تو اجمالی بیان اور اعتقاد تھا۔ اس کی تفصیل موجودہ زمانہ کے علماء کی تحقیقات سے معلوم

ہوئی جنہوں نے نباتات اور حیوانات کی پوری کیما وی تحلیل کرکے اُن کی ترکیب عناصر کا پتا چلایا۔ اور مناسب وضع کے ذرّات سے ملکر اُنکا بننا ثابت کردیا۔ پھر اس ثبوت کو شمار و اعداد کے قطعی دلائل سے مستحکم کر دکھایا۔

مثلاً گیہوں اور کپاس کا مادہ ایک ہی یعنے پوٹاش اور سوڈا ہے۔ مگر اُن کی صورتوں کا فرق اور جسامت کا کم و بیش ہوجانا مادہ کی مقدار کے اختلاف پر منحصر ہے۔ اور یہی امر قولہ تعالےٰ

وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِمِقْدَارٍ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيرُ الْمُتَعَالُ

میں واضح ترین بیان کے ساتھ بتایا گیا ہے۔

عجیب! کہاں تو مجھ کو اس حقیقت کے ادراک ہی سے کمال ناامیدی تھی۔ اور کہاں آج خود میں ان امور اور حقائق کا پورا ماہر ہو کر نظام کائنات کو جانتا اور اُس کے ذریعہ سے قدرت باری تعالیٰ کا مشاہدہ کرکے معرفت خالق حاصل کر رہا ہوں۔ سبحان اللہ!

اسی طرح کیمیاوی تعدیلیں اور تحلیلیں بھی نظام عالم کی مُثبت ہیں۔ مثلاً پانی کے دو عنصر آکسیجن اور ہیڈروجن ہیں۔ اور اُن کا اظہار بھی حسب ذیل آیات میں پروردگار عالم نے کر دیا ہے۔

"وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِمِقْدَارٍ" اور "وَالْأَرْضَ مَدَدْنَاهَا وَأَلْقَيْنَا فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ تَبْصِرَةً وَذِكْرَىٰ لِكُلِّ عَبْدٍ مُنِيبٍ" اور

"وَهُوَ الَّذِي مَدَّ الْأَرْضَ وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَنْهَارًا ۖ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ جَعَلَ فِيهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ ۖ يُغْشِي اللَّيْلَ النَّهَارَ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ۝ وَفِي الْأَرْضِ قِطَعٌ مُتَجَاوِرَاتٌ وَجَنَّاتٌ مِنْ أَعْنَابٍ وَزَرْعٌ وَنَخِيلٌ صِنْوَانٌ وَغَيْرُ صِنْوَانٍ يُسْقَىٰ بِمَاءٍ وَاحِدٍ

اور وہی ہے جسنے زمین کو پھیلایا اور اُسمیں اٹل پہاڑ اور دریا بنا دئے اور اُسمیں ہر طرح کے پھلوں کی دو دو قسمیں پیدا کیں۔ (اور وُہی) رات کو دن کا پردہ پوش کرتا ہے۔ بیشک ان باتوں میں اُن لوگوں کے لئے جو غور و فکر کام میں لاتے ہیں۔ قدرت خدا کی بہتیری نشانیاں ہیں۔ اور زمین میں پاس پاس کئی قطعے ہیں۔ اور انگور کے باغ اور کھیتی اور کھجور کے درخت (بعض) دو شاخے۔ اور (بعض وہ جو) دو شاخے نہیں (ہوتے) حالانکہ سب کو ایک ہی پانی دیا جاتا ہے

وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِي الْاُكُلِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ؀ (۱۳: ۴)	(اور پھر بھی) ہم بعض کو بعض پر پھلوں میں برتری دے دیتے ہیں۔ بیشک جو لوگ عقل کو کام میں لاتے ہیں۔ اُنکے واسطے اِن باتوں میں (قدرت خدا کی بہتیری نشانیاں ہیں

اور اس سے واضح ہوتا ہے۔ کہ کتاب اللہ انہی حسّی اور مشاہدہ میں آنے والے عُلُوم کا مطالبہ فرماتی ہے۔

میں اِس مقام پر کمال حیرت سے دم بخود ہو جاتا ہوں کہ مسلمانوں کے ہاتھ میں جو الٰہی کتاب اور دینی قانون موجود ہے۔ وہ اُن کو اس قدر زور سے اہل مغرب کے معلوم کئے ہوئے علوم پر توجہ دلائے۔ اور آمادہ بنائے۔ مگر مسلماں ہوں کہ خواب غفلت میں پڑے رہیں۔ اور اس طرف ہرگز نہ آئیں !!! کاش اقوامِ عالم کے روشن خیال علماء اور جاپان کے متلاشی دین حق فلسفیوں کو اِن اسرار سے آگاہی ہوتی اور وہ ہماری دینی کتاب کو بخوبی سمجھ سکتے۔ اور اس پر منصفانہ نظر ڈالتے۔ تو اُنہیں معلوم ہو جاتا کہ دنیا میں قرآن ہی ایک ایسی آسمانی کتاب ہے۔ جو انسان کے دینی اور دُنیاوی حاجات کا تکفل فرماتی۔ اور اُسے پکا خدا پرست اور متمدن ترقی یافتہ بشر بنا دیتی ہے۔ اس موقع پر ہم علمی مسائل کی تشریح اور قضایائے منطق کا بیان نہیں کرنا چاہتے۔ کیونکہ یہ کتاب محض اُن لوگوں کے واسطے لکھی گئی ہے۔ جو کہ علوم زمانہ سے پورے باخبر ہیں۔ اور ایک اشارہ ہی اُن کے لئے کافی ہے۔ شرح اور تفصیل وہ خود کر سکتے ہیں۔ اور ہم نے اِن کُلّیات کی تشریح اپنی دوسری تصانیف میں کی ہے۔

چودھواں جوہر۔ اسلام میں وجدانکی[1] تربیت

اہل مشرق نے قرآن کا بتایا ہوا راستہ ترک کر دیا اور اہل مغرب اُس پر چلتے ہوئے منزل کامیابی تک جا پہنچے۔ یہ سب کچھ ہوا۔ لیکن دونوں اپنے اپنے طرزِ عمل میں ناقص اور ادھورے ہی رہے۔

مناسب اور اعلیٰ درجہ کا طریقہ یہ تھا کہ بچوں کو زمانہ طفلی ہی سے کائنات عالم کا سبق دیا جاتا۔ اور اس بات کا پاس ولحاظ رہتا کہ ہر چیز کو بتاتے اور سمجھاتے ہوئے خدا کی یاد بھی اُن کو دلائی جائے۔ تاکہ اِس طرح رفتہ رفتہ خدا کی محبت اُن کے دلوں میں گھر بنالے اور اُن سے ڈرنا

[1] وجدان۔ اندرونی قوت جو عقیدۂ دینی کی اساس ہے۔ مترجم

اُن کی طبیعت ثانیہ ہو جائے۔ یوں کہ کوئی قاعدہ یا حیرت انگیز بات، یا قانون قدرت یا عقلی نظریہ اُن کی نگاہ سے ایسا نہ گزرے کہ وہ اُس کے بنانے اور وضع اور نافذ فرمانے والے کی عظمت وجلالت سے متاثر اور اُس کی حکمت بالغہ کے مزید قائل نہ ہو جائیں۔ اور اس طریقہ سے نوجوانی کی حد میں پہنچ کر وہ علم دوست اور خدائے قادر مطلق اور صانع برحق کے گرویدہ پائے جا سکیں۔

ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے یہی مدعا ملحوظ رکھ کر ارشاد کیا ہے کہ "کل شئی لا یبدأ فیہ ببسم اللہ فہو ابتر او اجزم او اقطع"[1] اس حدیث کے علاوہ اس کو کوئی معنے نہیں کہ انسان تمام مخلوقات کو جن سے اُسے برتنے، کھانے، پینے، پڑھنے، غور اور مطالعہ کرنے میں سابقہ پڑتا ہے۔ انہیں جلال خداوندی کا نشان اور اُس کی نعمتوں کو یاد دلانے کا ذریعہ مانے۔ اور اسی وجہ سے قرآن شریف کی ہر ایک سورۃ "بسم اللہ الرحمن الرحیم" سے شروع کی گئی ہے۔ تاکہ اُس مذکورہ بالا طریقہ کی پیروی پر انسان کو مشتاق بنایا جائے۔ اور اُسے واجب العمل بات کی تعلیم وتنبیہ کرکے راہ راست پر ڈال دیا جا سکے۔ اور اسی بنا پر رسول خدا صلعم فرماتے تھے "اذکروا اللہ عند کل شجر وحجر" (خدا کو ہر درخت وپتھر کے دیکھتے ہی یاد کرو)۔ مطلب یہ ہے کہ ہر ایک درخت اور پتھر کو دیکھ کر پروردگار تعالے کے وجود، اُس کی قدرت، اور اُس کے خالق ہونے کو یاد کرو غرضکہ یوں انسان کے قلب میں دین کی قوت، عقیدہ کی استواری اور تربیت، اور صانع عالم کی محبت پیدا کرنا اور جمانا چاہئے تاکہ اس علم کے بعد وہ جو کام کرے۔ خدا ہی کے لئے کرے، اور اُس کی عبادت کرتا رہے۔ علامہ ہربرٹ اسپنسر انگریز فلاسفر بھی بجنسہ یہی قاعدہ دینی عقیدہ کی ترقی کا مقرر کرتا ہے۔ اُس نے صاف طور سے بتایا ہے۔ کہ محض دلیل وبرہان ہی کے وسیلہ سے مذہبی تعلیم دینے میں کچھ نفع نہیں۔ بلکہ مکالمہ اور بار بار یاد دہانی وبحث کے ذریعے سے دل ودماغ میں عقائد کو پختگی کے ساتھ جما دینا اور باطنی قوت کی تربیت کرنا ضروری امر ہے۔ قرآن اور اسلام کا یہی طریقہ ہے۔ اگرچہ مسلمانوں نے اسکو ترک کر دیا۔ کیونکہ قرآن پاک کائنات کی خوشنمائیوں اور اُسکے آفتاب کے نکلنے اور ڈوبنے پر نظر کرنے اور ان اوقات کے دلکش مناظر سے دلچسپی لینے کا حکم دیتا، اور ستاروں کی رونق دیکھنے اور اُن کے عجائب وغرائب کی تحقیقات میں مصروف ہونے کی ہدایت کرتا ہے مگر ایشیائی مسلمان اپنے مبتدی بچوں کو وُہی یونان کے مُردہ فلسفہ اور اُسی کے متعلق علمی قضایا

---

[1] ہر ایک ایسی چیز جو بسم اللہ سے آغاز نہ کی جائے۔ ناقص ناتمام ہے۔

کی سطحی اُدھیڑبن میں لگا رکھتے ہیں۔ اپنے پروردگار کی مخلوق اور اُس کی بے مثل صنعت گری پر نظر نہیں ڈالتے۔ عجائباتِ قدرت کے مطالعہ سے محروم رہتے ہیں۔ اور عقل اور فکر سے کام لینے کو حرام قرار دیتے ہیں۔ لیکن اُنہی کے مقابلہ میں اہل یورپ کو دیکھو تو وہ علوم کائنات میں اعلےٰ درجہ کا کمال اور دستگاہ کامل بہم پہنچا کر اسلام کے قویم مذہب اور خدائے پاک کی سیدھی راہ کے قریب آگئے ہیں۔ ہماری غفلت کی سزا ذلت و خواری ہے۔ اور اُن کی مستعدی اور کارگزاری کا صلہ خلافتِ الٰہی یعنے جہانبانی اور شہریاری۔

پھر جب بغور دیکھو تو معلوم ہو جاتا ہے کہ اہل یورپ جن کی انسانیت اور اخلاق کے شجر کی جڑ بالکل کھوکھلی ہے۔ نقص تعلیم کی وجہ سے باوجود حکمران اور وارث زمین ہونے کے اُن کا تمدن روز بروز زوال اور فنا سے قریب ہوتا جاتا ہے۔ کیونکہ اُنہوں نے خدا کی نافرمانی اپنا شعار بنایا ہے۔ اور علم کی بنا مستحکم اصول پر نہیں رکھی ہے۔ وہ مادّہ پرست ہو گئے۔ اور فانی کے پیچھے پڑکر بقا سے دور اور فنا سے نزدیک بنتے جاتے ہیں۔ کاش اگر وہ اِن علوم کو عبادت الٰہی اور باعث تقرب خالق خیال کرتے اور اُنہی کو حقیقی دین سمجھتے تو یقینی تھا کہ اُن کی تمدنیت نہایت پائدار ہوتی، بُرائیاں اُن کے پاس نہ پھٹکتیں اور شرارتیں کم ہو جاتیں۔ اور خدا کا خوف اُن کے دلوں میں ویسا ہی بسا رہتا جس طرح کہ ذہن میں خیال اور عقل میں تصور کا مسکن ہوتا ہے اور "اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمَآءُ" کا یہی مطلب و مفہوم ہے۔

پندرھواں جوہر۔ یورپ کے فرقے اور مسئلہ انسان و حیوان

ایکبار حیوانات کی ترتیب، اُن کی صفات، اور طبیعتوں میں مجھ کو غور کرنے کا خیال آیا۔ پہلے میں نے اُس کی بابت منطق، حکمت اور یونانی علماء کے وہ مقولے پڑھے۔ جن کو عُلمائے عرب نے اپنی زبان میں نقل کیا۔ اور اُن پر اپنی طرف سے حاشیہ چڑھایا تھا۔ یہاں جو بات مجھے نظر آئی۔ وہ صرف یہ تھی کہ اُن لوگوں نے ہر ایک نوع حیوان کی ایک خاص تعریف کردی ہے مثلاً انسان حیوان ناطق ہے۔ گھوڑا ہنہنانے والا جانور ہے۔ اور کتا بھونکنے والا حیوان ہے۔ وغیرہ وغیرہ مگر میری طبیعت اتنی معلومات پر اکتفا کرنے سے باز رہی۔ اور اس سے بہت واضح و صاف بیان کی طلبگار ہوئی۔

یہ میری طالبعلمی ہی کا زمانہ تھا اور چھٹی کے دن تھے۔ اِس واسطے پڑھنے لکھنے کا شغل تھا

نہیں فرصت اور بے فکری کے ساتھ غور کرنے کا خاص موقع تھا۔ مات کا وقت اور بھی حواسوں کو جمع رکھ سکنے میں مددگار و معین ثابت ہوا۔ یکایک میں نے گاؤں سے باہر ایک لومڑی کھیتوں میں چلتی پھرتی دیکھی۔ اور اب میرے غور و فکر کا ساکن دریا موجیں مارنے لگا۔ ان کی طبیعتوں میں کچھ خاص خاص باتیں پائی جاتی ہیں۔ اُن کے حالات اور صفات مختلف ہیں۔ کوئی مکار دھوکہ باز ہے، کسی کی عقل بھدی اور سمجھ ناکارہ ہے، بعض بزدل ڈرپوک ہیں، کچھ ظاہری حُسن و خوبی میں ممتاز، اور چند سرکش و دلیر ہیں۔ پھر ہر ایک کو قوت، جسم، اور اعضاء اُن کی ضرورتوں اور استعداد کے مطابق ملے ہیں؛ یہ تمام خیالات یکے بعد دیگرے میرے دماغ میں آتے گئے۔ اور پھر میں نے تصور کیا کہ حیوانات میں سے کوئی حیوان ایسا نہیں۔ جس کو خلاقِ عالم نے اُس کی ضرورت و حاجت کے مطابق عقل و ادراک، اور طبیعت و مزاج نہ عطا کیا ہو۔ اُن کو اعضائے بدن بھی ایسے ہی دئے ہیں جن کی انھیں حاجت تھی۔ پھر انسان کو اُس کی ضرورت کے مناسب حال اعضاء، اور عقل و فہم مرحمت کیا۔ تاکہ وہ اپنی حاجات زندگی کو پورا کر سکے۔ مگر اس کے بعد میرے دل میں یہ بھی خیال آیا۔ کہ جب ان حیوانات سے کوئی حساب و کتاب نہیں ہونے کا۔ تو پھر انسان سے روزِ جزا میں بازپرس ہونے کی کیا وجہ ہے؟ اور کیا سبب ہے۔ کہ اُسی کی ایسی کثیر مخلوق عذاب و ثواب سے بری ہو۔ لیکن انسان کے لئے یہ بلا رکھی جائے؟

بعد ازیں مجھ کو اہل یورپ کے حالات کا علم ہوا۔ یعنی نہلسٹ، اور انارکسٹ فرقوں کا حال میں نے پڑھا جو کہ ممالک یورپ میں ہر جگہ بالعموم اور روس کے ملک میں خاص طور پر بکثرت پھیلے ہوئے ہیں۔ فرانس، جرمنی، اور انگلستان میں اُنہی انارکسٹوں نے ایک تہلکہ برپا کر رکھا ہے، اور وہ بڑے نڈر اور سنگدل ہیں۔ میں نے جہاں تک غور کیا۔ اسی نتیجہ پر پہنچا کہ یہی شبہ جو اوپر ذکر کیا گیا۔ انارکسٹوں اور نہلسٹوں کو اپنی گورنمنٹوں کے ساتھ عداوت اور آویزش رکھنے، اپنا خیال و عقیدہ پھیلانے، اور بادشاہوں، امیروں، اور نامور لوگوں کے قتل کرنے پر آمادہ بنا رہا ہے۔ یہاں تک کہ اُن کے ڈر سے ہر ایک یورپ کا نامی آدمی کانپتا رہتا ہے اس گروہ کے کئی فرقے اور قسمیں ہیں کہ وہ بھی ایک دوسرے سے الگ تھلگ اور باہم اختلاف و تناقض رکھنے والے ہیں۔

اُنہوں نے حکومتوں کو مغلوب بنا لیا ہے۔ دولتمندوں کو ہلاک کر ڈالا ہے۔ اور کہتے ہیں کہ بانیان و پیشوایان مذاہب فضول اپنا اثر اور اقتدار قائم کرنے اور بلا دلیل و برہان اپنی برتری جتانے

کے سوا کوئی دوسری غرض نہیں رکھتے۔ اُن کا یہ قول کہ عذاب و حساب ہوگا۔ عقل کی نظر میں نہیں
جچتا۔ جس طرح ہم انسانوں کی قومیں اور حکومتیں ہیں ویسے ہی دیگر حیوانات میں بھی قومیت و حکومت
کے انتظام اور اجتماع کا وجود ہے۔ اُن کے بھی قوانین اور سیاست مُلک کے آئین پائے
جاتے ہیں۔ چیونٹیوں اور شہد کی مکھیوں کے آئین معاشرت و حکومت کو دیکھو۔ مکڑی کا تانا بانا
پرندوں اور شکاری چڑیوں کی تدابیر اور اُن کا فن تعمیر اور شیر اور چیتے کی زبردستیاں مشاہدہ
کرو۔ اور ایسے ہی ہر ایک حیوان کی خصوصیتوں پر نظر ڈال کر صاف سمجھ سکتے ہو۔ کہ ہم انسان
بھی اُنہی کے مانند ایک نوع حیوان ہیں۔ پھر سبب کیا ہے۔ کہ وہ حشر و نشر سے بری ہیں
اور ہم کو یہ کڑی بھی جھیلنا پڑے۔ اُن کی کچھ پرسشں نہ ہو۔ اور ہم اس عالم کی کرنی کرتوت کے
عوض کسی دوسرے عالم میں عذاب کی مار کھائیں"۔ یہ ہے نہلسٹوں کا مذہب، اور اُن کا عقیدہ
اور مشرب جسکو وہ کھُلے لفظوں میں نہیں کہتے ہیں۔ اور دنیا کے دکھلانے کو انسانیت۔ مساوات
حقوق کی نگہداشت، اور تمام انسانوں کو بھائی بھائی ماننے کے خوشنما خیالات کی طلکار چادر
اوڑھے ہوئے نیکدل، پاک ذات فرشتہ صفات نبکر ظاہر ہوتے ہیں۔ اُن کے نزدیک ان
باتوں کے اگر کوئی معنے ہو سکتے ہیں۔ تو صرف یہ کہ "دین و مذہب کوئی چیز نہیں۔ عقائد دینی
کو محو کر دینا چاہئے۔ اور انسانوں کے افراد میں جو امتیاز قائم ہے۔ اُسکو بالکل مٹا ڈالنا لازم
ہے"۔ یہ تصور اُن کے دماغ میں کیونکر سمایا؟ اس وجہ سے کہ جن ادیان کے زیر سایہ انسانوں
نے وجود میں آکر نشو و نما پائی ہے۔ وہی اُن میں ایسے امتیاز مراتب اور ظلم و ستم کی بنیاد جمانے
کا ذریعہ ہوئے ہیں۔

میں نے شیرازی کی کتاب "الاسفار" میں بھی یہ مبحث دیکھا تھا۔ اُس نے حیوان اور انسان
کا تذکرہ کر کے بیان کیا ہے۔ کہ: "حیوان اور انسان ہی میں سے ہر ایک ذی روح نہیں بلکہ تمام
وہ چیزیں جو نباتاتی نفس اور معدنی صورت رکھتی ہیں۔ وہ بھی فنا ہونے کے بعد دوبارہ موجود
کی جائینگی۔ اور اُن کا حشر ہوگا"۔ اور اس قول کے عیز ازیں کوئی معنے نہیں ہو سکتے کہ ذی روح
اشیاء کی روحیں اور صورت والی چیزوں کی صورتیں کسی ایسے عالم میں دوبارہ حشر کئے
جانے کے لئے باقی رہینگی۔ جو کہ اُن کے مناسب حال ہو۔ گویا کہ اس مشاہدہ میں آنے والے عالم
کا ظاہری وجود تو فنا ہو جائیگا۔ اور اُس کا نقش و اثر ہر ایک اپنے وجود کے موافق باقی رہیگا۔
مثلاً حیوان و انسان کی روح اس طرح باقی رہیگی۔ کہ ترقی یافتہ کی ترقی، ذلیل کی ذلت شریر کی شرارت

مچھر کی خود پسندی، شیر کی جرأت مع اُس کی طبعی خاصیتوں، خیالات، اور اُن صفات کے جو اُن کی روحوں میں ہوتے ہیں، موجود و قائم رہینگے۔ اور ایسے ہی انسان کی روحیں اپنی اچھی بُری صفتوں کے لحاظ سے جو اُن میں پائی جاتی تھیں۔ اُن کے وجود ظاہری کے فنا ہونے پیچھے اپنے اپنے کرنی کرتوت کے مطابق نعمت و آرام میں مسرور یا آزار و عذاب کے آلام میں مبتلا باقی رہ جائینگی"۔
شیرازی اپنی کتاب "اسفار" میں حشر و نشر کے بابت یہ بیان کرگیا ہے۔ جو کہ اوپر ذکر کیا گیا اور یہی مصداق ہے قولہ تعالےٰ

"وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طَائِرٍ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّا أُمَمٌ أَمْثَالُكُمْ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يُحْشَرُونَ (۶ : ۳۸)"۔

اور جتنے حیوانات زمین میں (چلتے پھرتے) ہیں۔ اور جتنے پرند اپنے دو پروں پر اُڑتے پھرتے ہیں یہ سب بھی تم لوگوں کی طرح کی مخلوقات ہیں۔ لوح محفوظ میں (سب لکھے ہوئے موجود ہیں) ہم نے (لکھنے میں) کوئی چیز فروگذاشت نہیں کی۔ پھر (قیامت کے دن سب کے سب) اپنے پروردگار کے حضور میں لا حاضر کئے جائینگے۔

بھلا اِن کور باطن انارکسٹوں اور دنیا کو برہم بنانے والے فرقوں کو میرا یہ پیغام کس طرح پہنچ سکتا ہے کہ دیکھو تمہاری آفرینش سے بھی تیرہ سو سال قبل قرآن کریم نے بذریعہ وحی اُن مشتبہات کا شافی و کافی جواب دے دیا ہے۔ جو آج تمہارے دلوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ اور اس تردید کے بعد وہ یوں ارشاد کرتا ہے کہ "مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ" اُس کتاب میں جس کو ہم نے اپنے یہاں لکھا ہے۔ یعنے لوح محفوظ جس میں تمام اُن باتوں کا علم موجود ہے۔ جو کہ ہو گئیں یا جو آئندہ ہونگی "مِنْ شَيْءٍ" کسی چیز کو نہیں چھوڑا ہے۔ نہ حیوان کو اُس کے ناقص ہونے کی وجہ سے اور نہ انسان کو بسبب اُس کے فضل و بزرگی کے "ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يُحْشَرُونَ" اور پھر وہ سب اپنے پروردگار کے حضور میں حاضر بھی کئے جائینگے

سولھواں جوہر۔ "ڈارون کا مذہب نیا نہیں"

پہلے پہل حیوانات کے سلسلہ پر غور کرکے اُن کے بابت سُنی سنائی منطقی تعریفوں پر اکتفا کرلینے اور پھر اُس کے متعلق اہل یورپ کی مکمل بحث دیکھ کر یہ معلوم کرنے میں کہ اُنہوں نے تمام حیوانات کو ایک ہی سلسلہ میں مُسلسل بنا دیا ہے۔ مجھ کو ہرگز اُس قدر تعجب نہیں ہوا۔ جس قدر حیرت کہ اسی موضوع کو خاص عربی مصنفین کی کتابوں میں پڑھنے سے مجھ پر طاری ہوئی۔ مقدمۂ تاریخ ابن

علاوہ تہذیب الاخلاق مصنفہ ابن مسکویہ اور امام رازی وغیرہ مشہور علمائے اسلام کی کتابوں کو دیکھ کر میں نے یہ بات معلوم کی۔ کہ اُنہوں نے تمام دنیا کو ایک دائرہ کی شکل میں بنادیا۔ اور اُسے "دائرۃ الوجود" کے نام سے نامزد کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اللہ جل جلالہٗ نے پہلے فرشتہ کو پیدا کیا، اور اُس کے بعد مادۂ ایتھر کی خلعت فرمائی۔ پھر یونہی مرتبہ بمرتبہ جمادات، معدنیات، نباتات، حیوانات، اور بعد ازاں انسان کو عالم وجود میں لایا۔ اور اس دائرہ کی شکل یہ ہے۔

اللہ

الملائک - الاثیر - الجمادات - المعدنیات - النباتات - الحیوان - الانسان

"فرشتہ" "ایتھر"
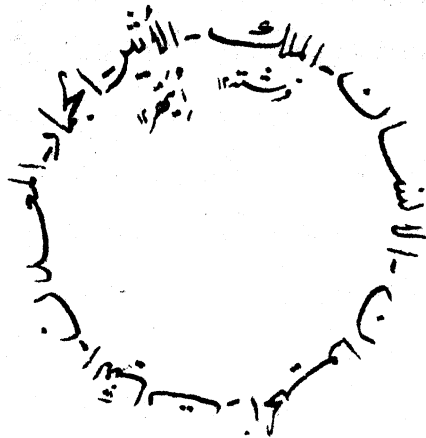
اُن کا قول ہے۔ کہ جمادات کا مرتبہ معدنیات سے نیچے ہے۔ معدنیات میں بھی بہت سے درجات ایکدوسرے سے بالا ہیں۔ اِن میں سب سے اعلےٰ درجہ سونے کا ہے۔ اُس کے بعد چاندی کا مرتبہ ہے۔ یونہی ساتوں مشہور دھاتوں کو یکے بعد دیگرے گنا دیا ہے۔ اب سونے سے اوپر جو معدنیات کا سب سے بالائی درجہ ہے۔ نباتات کا ادنیٰ ترین درجہ اس سے ملا ہوا ہے۔ جہاں سے نباتات کے درجے بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ اور جب سب سے بالائی مرتبہ میں پہنچو۔ تو کھجور کا تنا اور درخت وہاں ملتا ہے۔ کیونکہ اس شجر میں علمائے موصوفین کی مانی ہوئی وہ دس چیزیں پورے طور سے جمع ہیں۔ جو کہ نباتات کو حدِ کمال پر پہنچاتی ہیں۔ مثلاً چھال، اور اُس کے نیچے کا گودا جو اصل لکڑی ہے۔ وغیرہ۔ علاوہ ازیں یہ بھی ضروری ہے کہ ہر دو اقسام مخلوقات کے مابین ایک مخلوق اس قسم کی بھی پائی جائے۔ جس میں دونوں قسموں کی کچھ کچھ خصوصیتیں اور مشابہتیں موجود ہوں۔ اور نباتات کے بعد حیوانات کا مرتبہ آتا ہے۔ جو مدیجی ترقی کرتا ہوا درندہ جانور تک جا پہنچتا ہے۔ اور پھر اُن جانوروں تک جو کہ انسان کی تعلیم قبول کرتے ہیں۔ جیسے کتا اور حیوانات کے بالائی مرتبوں میں سب سے اخیر کا مرتبہ بندر ہے۔ جس کے بعد ہی اُس سے ملا ہوا انسان کا مرتبہ آتا ہے۔" وہ کہتے ہیں۔: بندر حیوان کو انسان کے ساتھ ربط دینے کے بارہ میں یہ کمزوری رکھتا ہے۔ کہ وہ محض صورتاً اور

نقل اُتارنے میں انسان کا ہم شکل ہے۔ ورنہ تیز فہمی میں ہاتھی، ادب کے لحاظ سے گھوڑا، حسن وجمال کے اعتبار سے مور، اور خوش آوازی کی صفت میں بلبل بھی انسان اور حیوان کے مابین رابطہ اور تعلق ظاہر کرنے کے لئے موزون ہیں۔" اور آباد دنیا کے دور ترین کنارون کے رہنے والے انسان عادات واطوار میں بندر سے بہت ہی قریب ہیں۔ مثلاً زنگی اور افریقہ کے بعض سیاہ فام آدمی۔ یا وہ انسان جن کی سکونت روس کے شمالی مُلک میں ہے۔ اور انسان جیوں جیوں معتدل منطقوں سے قریب ہوتا جاتا ہے۔ ووں ووں اُس میں بلحاظِ فضائل انسانی ترقی ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ جن ممالک میں انبیاء، حکماء اور علماء پیدا ہوئے ہیں۔ وہاں پہنچ کر انسان کا درجہ فرشتوں سے قریب ہو جاتا۔ اور وہ کمال انسانیت کے مرتبہ میں آجاتا ہے"۔

علمائے اسلام کا یہ بیان اور اُن کی اس تشریح کو پڑھنے کے بعد میں نے دیکھا کہ اس قول اور "ڈاروِن" کے مذہب وخیال میں کوئی فرق نہیں ہے۔ البتہ اتنا اختلاف ہے۔ کہ مسلمان حکماء نے عالم کائنات کو ایک دائرہ نما باترتیب سلکِ جواہر ثابت کیا ہے۔ جس میں اخیر کا دانۂ الماس بھی وہی ہے۔ جو کہ سب سے اول پایا جاتا ہے۔ اور اس ترتیب کو اُنہوں نے محکم بنانے کی خوبی، پرونے کی خوش اسلوبی اور آراستہ کرنے کی رونق وزیبائی۔ ثابت کیا ہے۔ اور "ڈاروِن" نے اس کی کوئی رعایت نہیں کی۔ امام رازی نے بیان کیا ہے "قدیم زمانہ کے حکماء میں بھی یہ اختلاف رائے ہوا تھا کہ: آیا مخلوقات کی یہ قسمیں ایک دوسرے ہی سے سلسلہ وار پیدا ہوئی ہیں۔ یا کہ بالکل جُدا جُدا ہیں؟"

غرضکہ مجھ کو حیرت تھی۔ کہ اس سلسلہ کو یوں ملا دینے میں علمائے یورپ کس طرح علمائے عرب پر سبقت لے گئے۔ مگر جب یہ معلومات بہم پہنچا کر میں نے اس بارہ میں ایک انگریز فلاسفر سے گفتگو کی تو وہ بھی متعجب ہو گیا۔ اور کمال حیرت میں آکر کہنے لگا "ہاں صاحب! مثل مشہور ہے کہ "دنیا میں کوئی بات نئی نہیں"۔

سترھواں جوہر۔ اسبارہ میں قرآن کریم کیا کہتا ہے

خداوند کریم کے ازلی اور قدیم علم میں تخلیق یورپ سے پہلے ہی یہ بات موجود تھی۔ کہ یہاں کے لوگ ایک دن مخلوقات عالم کے بارہ میں غور وبحث کرینگے۔ اور اس بات کا پتا لگائینگے۔ کہ حیوان وانسان دونوں حالات، عادات، اور انتظام معیشت واجتماع میں باہم شریک ہیں۔ اگلے زمانہ کے بانیان مذاہب اور حکما کی حالت یہ تھی۔ کہ اگر اُن سے کبھی دریافت کیا جاتا کہ آیا حیوان وانسان کی زندگی میں کوئی مشترک

بات ہے۔ یا نہیں۔ اور اُن کی بجائے خود کیا کیا تعریف اور خصوصیت ہے۔ تو وہ اُس کے جواب میں کہتے تھے: حیوان و انسان کے مابین زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ان میں سے ایک کو دوسرے کے ساتھ کچھ بھی مناسبت نہیں۔ حیوان کا مرتبہ صفر ہے۔ یا معدوم کے برابر۔ اور انسان بزرگ و پاک فرشتوں کا ہمپایہ ہے۔ بلکہ بعض روحانی پیشواؤں نے تو اس حد تک غلو کیا۔ کہ انسان کو فرشتوں سے بھی بڑھا کر معبودوں کی صف میں داخل کر دیا۔ اور لگے اُس کی عبادت کرنے۔ مثلاً مصر کے شاہاں فراعنہ چنانچہ فرعون موسےٰ کے حالات دیکھنے سے اُس کا ثبوت بہم پہنچتا ہے۔ جس نے کہا تھا:

"اَلَیْسَ لِیْ مُلْکُ مِصْرَ وَھٰذِہِ الْاَنْھَارُ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِیْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ" (۴۳: ۵۲)	کیا مُلک مصر ہمارا نہیں؟ اور تم دیکھ ہی رہے ہو کہ یہ نہریں ہمارے (ایوان شاہی کے) تلے بہتی ہیں۔ تو کیا تم کو یہ باتیں نہیں سوجھتیں؟
اور پھر اُس نے کہا "مَا عَلِمْتُ لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرِیْ" (۲۸: ۳۸)	مجھ کو اپنے سوا تمہارا کوئی خدا معلوم نہیں

غرضکہ گذشتہ قومیں حیوان اور انسان کے مابین اتنا دور ترین فرق بتایا کرتی تھیں۔ اور اُن کے مقتدا اور حکما یوں جواب دیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ علم و فلسفہ کی ترقی کا زمانہ قریب آیا۔ تو منجانب اللہ خلق کے لئے ایک نیا دین وضع کیا گیا۔ تاکہ علم و حکمت کی روشنیوں سے منور ہونے کی بعد جب حیوان کے نظام اجتماع، اُس کی سیاست، تدابیر، علوم، اور معارف کے تفصیلی حالات لوگوں کو معلوم ہوں۔ وہ ہر روز ان جانوروں میں ایک نہ ایک قدرت خدا کا تازہ نشان معاینہ کریں۔ تو اُن میں ایسے فرقے پیدا ہوں جو کہ ان عجائبات کا مشاہدہ کرکے حیوانات کی بیفکری، اور اُن کے آرام پر حسد کریں۔ کہ وہ کس طرح راحت و فراغبالی سے صحرا اور جنگل میں پڑے پھرتے، آزادی کے مزے لوٹتے کلیلیں کرتے، عبادات اور مذہبی فرائض کی بجا آوری سے معاف پائے جاتے ہیں، حکومت و غالب قوت کے دباؤ سے بری ہیں۔ اور اُن کے طبقات میں کوئی امتیاز نہیں قائم ہے۔ اور انہی باتوں کے ساتھ اہل مذاہب و ادیان حیوانات کے لئے یہ حکم لگا چکے ہیں۔ کہ وہ فنا اور نابود ہو کر مشقت زندگانی سے چھوٹ جائینگے۔ عذاب و ثواب اور صواب اور خطا کی اُن پر کوئی قید نہیں۔ نہ اُن سے کچھ بازپرس ہوگی۔ پس جب ہمارے اور حیوانات مطلق کے مابین مقدار اور اندازہ کے سوا کوئی دوسرا فرق نہیں ہے تو ضرور ہے کہ ہم بھی اُنہی کے مانند فنا ہو جائینگے۔ اور ہمارا بھی وہی انجام ہوگا۔ جو اُن جانوروں کا ہوتا ہے یا ارباب ادیان کے حسب بیان ہونے والا ہے۔ اور ایسی حالت میں یہ دینی فرائض عبادتیں اور احکام

مذہبی سب فضول اور محض لغو بے اصل باتیں ہیں۔ یا اوہام پرستی کے سوا کچھ نہیں۔

نہلسٹ اور انارکسٹ اس بنیاد کو جما کر اس پر دو بڑی عالیشان عمارتیں تیار کرتے ہیں۔ اوّل یہ کہ انسان کی خواہشوں پر کوئی قید و بند نہیں۔ حرام قرار دی گئی چیزوں کا استعمال کوئی گناہ نہیں۔ کسی شخص پر خواہ وہ کوئی کام بھی کرے، کسی دین کا پابند ہے، ایک ہی یقین و عقیدہ رکھے۔ گناہ اور بازپرس نہیں۔

اور دوسرا خیالی محل نما قصر، حکومتوں کی بندش توڑ دینا اور نوع انسان کے باہمی امتیاز مراتب کا معدوم کر ڈالنا ہے۔ اس لئے کہ یہی امتیاز بعض آدمیوں کو خدائی کا دعوے کرنے پر جری بناتا ہے اور وہ معبود صفت بن کر دوسرے انسانوں کو عامی و جاہل سمجھتا۔ اور اپنے تئیں مقرب بارگاہ احدیت بتا کر کہتا ہے۔ کہ خالق و معبود کی جناب تک پہنچنا اور اُس کے سایۂ فضل میں داخل ہونا بغیر میری وساطت کے ممکن نہیں۔

قرآن کریم نے دنیا میں نازل ہو کر اس بنیاد اور اُس پر بنی ہوئی۔ دونوں شاندار عمارتوں کو بالکل منہدم کر ڈالا۔ اور اصل و فرع سب کو ایک ساتھ اڑا دیا۔ اصل کے معدوم کر دینے کی مثال تو یہ ہے کہ۔ دیکھو سلیمان علیہ السلام کا قصہ بیان فرماتے ہوئے قرآن پاک نے حیوان کو انسان کے مانند ناطق ظاہر کیا ہے: قال اللہ تعالےٰ

"یَا اَیُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّیْرِ وَاُوْتِیْنَا مِنْ کُلِّ شَیْءٍ ؕ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِیْنُ ۝ وَحُشِرَ لِسُلَیْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّیْرِ فَهُمْ یُوْزَعُوْنَ ۝ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَتَوْا عَلٰی وَادِ النَّمْلِ قَالَتْ نَمْلَةٌ یّٰۤاَیُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰکِنَکُمْ لَا یَحْطِمَنَّکُمْ سُلَیْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ وَهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ۝ فَتَبَسَّمَ ضَاحِکًا مِّنْ قَوْلِهَا وَقَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِیْۤ اَنْ اَشْکُرَ نِعْمَتَکَ الَّتِیْۤ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ

"اے لوگو! ہم کو (خدا کی طرف سے) پرندوں (تک) کی بولی سکھائی گئی ہے۔ اور ہمکو ہر طرح کے ساز و سامان عنایت ہوئے ہیں۔ بیشک یہ (خدا کا) صریح فضل ہے اور سلیمان کے (جتنے) لشکر جنات اور آدمیوں اور پرندوں کے رہتے، اُنکے (ملاحظہ کے) لئے جمع کئے گئے۔ تو وہ ترتیب وار شل بشل اُنکے روبرو کھڑے کئے جاتے تھے۔ (غرض اس ترتیب سے لشکر ایکطرف کو روانہ ہوا) یہانتک کہ جب چیونٹیوں کے (ایک) میدان میں پہنچے۔ تو ایک چیونٹی نے کہا کہ چیونٹیو! اپنے (اپنے) بلوں میں گھس جاؤ ایسا نہو کہ سلیمان اور سلیمان کے لشکر تم کو کچل ڈالیں اور اُنکو (اسکی) خبر بھی نہو۔ چیونٹی کی اِس بات سے سلیمان ہنس اور مسکرا اٹھے اور لگے کہنے کہ اے میرے پروردگار مجھ کو توفیق دے کہ جیسے جیسے نعمات

صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ
فِيْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ
فَقَالَ مَا لِيَ لَآ اَرَى الْهُدْهُدَ اَمْ
كَانَ مِنَ الْغَآئِبِيْنَ ۝ لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا
شَدِيْدًا اَوْ لَاَاذْبَحَنَّهٗٓ اَوْ لَيَاْتِيَنِّيْ
بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝ فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيْدٍ
فَقَالَ اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ وَ
جِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍ بِنَبَاٍ يَّقِيْنٍ ۝
اِنِّيْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ وَاُوْتِيَتْ
مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَّلَهَا عَرْشٌ عَظِيْمٌ ۝
وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ
لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَزَيَّنَ
لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ
عَنِ السَّبِيْلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ ۝

الآیات (۲۷: ۱۴-۲۳)

تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر کئے ہیں۔ تیرے ان احسانات
کا شکر ادا کروں اور (زندگی بھر) ایسے نیک عمل کرتا رہوں
جنکو تو پسند فرمائے (اور) آخرکار مجھے (تو مجھ کو اپنے
کرم سے اپنے نیک بندوں میں داخل کر۔ اور سلیمان نے
پرندوں کی موجودات لی۔ تو کہا کیا بات ہے کہ ہم ہُدہُد کو
نہیں دیکھتے (کیا پرندوں کی کثرت کی وجہ سے ہم کو نہیں دکھائی
دیتا) یا (واقع میں) غیر حاضر ہے۔ (اگر غیر حاضر ہے تو) ہم
اسکو ضرور سخت سزا دینگے یا اُسے حلال ہی کر ڈالینگے یا وہ
ہماری حضور میں (اپنی غیر حاضری کی) کوئی وجہ پیش کرے
(جس سے) ظاہر ہو کہ وہ بے قصور ہے۔ پھر تھوڑی دیر کے
بعد ہُدہُد آحاضر ہوا اور لگا کہنے کہ مجھ کو ایک ایسا حال معلوم
ہوا ہے۔ جو اب تک حضور کو معلوم نہیں ہوا اور میں حضور
میں (شہر) سبا کی ایک تحقیقی خبر لیکر حاضر ہوا ہوں۔ میں نے
ایک عورت کو دیکھا کہ وہ وہاں کے لوگوں کی ملکہ ہے (اور اُنپر
حکمرانی کر رہی ہے) اور ہر طرح کے ساز و سامان سلطنت کا
اُس کو میسر ہیں اور اُسکے یہاں ایک بہت بڑا تخت بھی ہے۔ میں نے ملکہ اور اور (اُن لوگوں کو دیکھا کہ خدا کو چھوڑ کر آفتاب
کو سجدہ کرتے ہیں اور شیطان نے اُنکے اعمال کو اُنہیں عمدہ کر دکھایا ہے۔ اور (اُن کو راہ راست سے روک دیا ہے۔ تو
اُنکو (اتنی بات بھی) نہیں سوجھ پڑتی ہو تا آخر آیات

خداوند کریم نے اس ذکر سے ہمیں آگاہ بنایا ہے۔ کہ حیوانات بھی انسان کی طرح باتیں کرتے ہیں مگر
اُن کی گفتگو غور طلب ہے۔ توجہ اور تامل ہی سے سمجھ میں آسکتی ہے۔ لہذا ہم کو اُس کی فکر ضروری ہے
اور اُسکے بعد یہ فرمایا کہ اقوام حیوانات کو ہر ایک چیز عطا کی گئی ہے۔ گویا اس طرح یہ اشارہ کیا۔ کہ
قوموں کی ترقی کا راز حیوانات کے علوم سے آگاہی میں پوشیدہ ہے اور یہی معلم اول ہے۔ بعد
ازاں چیونٹی اور ہُدہُد کا قصہ بیان فرمایا اور سُنایا کہ چیونٹی نے اپنی برادری کو سلیمان علیہ السلام
کی فوج سے ڈرنے اور بچے رہنے کی تاکید کی۔
اس کو محض قصہ کہانی ہی نہ سمجھو۔ درحقیقت یہ انسانی غور و فکر کو کنایتاً علوم و حکمت کی طرف توجہ

دلانے کا ایک عجیب و نادر انداز ہے۔ اِس سے ظاہری حالات پر ہی واقفیت بہم پہنچا لینے کو کافی نہ سمجھنا چاہئیے۔

اور دیکھو قرآن پاک میں کیونکر ہُدہُد کا اُن باتوں سے آگاہ ہونا بیان ہوا ہے۔ جن کو سلیمان علیہ السلام بھی نہیں جانتے تھے۔ انارکسٹ، سوشیلسٹ اور نہلسٹ بھی یہی کہتے ہیں۔ بلکہ تمام وہ لوگ جنہوں نے ڈاروِن کی تھیوری (مسلۂ) کو مانا ہے۔ اُن کی یہی رائے ہے۔ کیونکہ انھوں نے ان حیوانات کے ایسے عجیب و غریب کارناموں کا مطالعہ کیا ہے۔ جو باعثِ حیرت ہیں۔ اور انسان کی دستکاریاں اُن کے مقابلہ میں کوئی ہستی ہی نہیں رکھتیں۔ مکڑی کا جالا صنعتِ بافندگی کا ایسا نمونہ ہے کہ دنیا میں کوئی بناوٹ اُس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ انسان بھی باوجود بڑا دستکار ہونے کے اِس حقیر حیوان کی دستکاری کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ مکڑی کبھی اپنے تانے بانے میں غلطی نہیں کرتی؛ نہ شہد کی مکھی اپنے چھتے کو یا اُس کے راستہ کو بھولتی ہے۔ اُس کے چھتہ کے خانوں کو خوردبین کے ذریعہ سے بھی دیکھا جائے تو کہیں کسی خانہ کی دیوار میں کمی یا اُس کے گوشوں میں کمی بیشی نظر آنا محال ہے۔ مگر انسان بھول چوک کا پُتلا ہے۔ فنِ انجینیری کی تعلیم اور مشق حاصل کر کے بھی وہ کوئی عمارت بناتا یا کھُدائی کا کام کرتا ہے۔ تو بعض بعض اوقات غلطی کرتا ہے۔ اور اکثر بھول میں پڑ جاتا ہے۔ بہرحال قرآن میں جو کچھ آیا ہے۔ وہ اپنے مفہوم اور مصداق کے اعتبار سے زمانۂ حال کی تحقیقات کے ساتھ مناسبت اور مطابقت رکھتا ہے۔ مگر خبردار کہیں تم ظاہری الفاظ ہی کے پھیر میں نہ رہ جانا اور اسے قصہ سمجھ کر مٹی نہ کر ڈالنا۔ بلکہ غور سے کام لو۔ یہ رمز و اشارے ہیں۔ اُن کے مغز کا ادراک کرنا چاہئیے اور ظاہری الفاظ کے پوست پر فریفتہ ہونا عبث ہے۔

اُن کا ظاہری پیرایہ جاہلوں کو قائل و معقول بنانے میں مفید اور باطنی معنے حکماء کے لئے مغز علوم ہیں۔ اور تم کو اس بات سے پرہیز رکھنا لازم ہے۔ کہ تم اِن دونوں مذکورہ بالا مرتبوں کے مابین کسی بین بین کے مرتبہ پر قائم رہو۔ یعنے نہ تو اندھی پیروی کرنے والے عوام میں تمہارا شمار ہو اور نہ محقق حکیموں میں۔ کیونکہ اس طرح کی محدود سمجھ اور لیاقت باعث ہلاکت و بربادی ہے۔ خوب سمجھ رکھو کہ ایسی محدود ذکاوت سے تو کند ذہن اور نافہم ہی رہنا بدرجہا بہتر ہے۔

قرآن کریم میں اِن مذکورہ آیتوں کے علاوہ اور بھی بہت سی آیتیں ایسی ہی موجود ہیں۔ مثلاً قولہ تعالےٰ۔

" فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ	اسکے بعد اللہ نے ایک کوا بھیجا۔ وہ زمین کو کرید نے لگا تاکہ

فِي الْأَرْضِ لِيُرِيَهُ كَيْفَ يُوَارِي سَوْءَةَ أَخِيهِ ۚ قَالَ يَا وَيْلَتَىٰ أَعَجَزْتُ أَنْ أَكُونَ مِثْلَ هَٰذَا الْغُرَابِ فَأُوَارِيَ سَوْءَةَ أَخِي ۖ فَأَصْبَحَ مِنَ النَّادِمِينَ (۵: ۳۱)

اُسے (قابیل) کو دکھائے کہ اپنے بھائی کی فضیحت (یعنی لاش) کو کیونکر چھپانا چاہئے۔ چنانچہ وہ کوّے کو زمین کریدتے دیکھکر بول اُٹھا۔ ہائے میری شامت کیا میں ایسا گیا گزرا ہوں (کہ بلا) اس کوّے جیسا (بھی ہوشیار) نہ ہوا تو اپنے بھائی کی فضیحت کو تو چھپا دیتا۔ الغرض وہ (اپنے کئے پر) پشیمان ہوا

دیکھو اس دوسری آیت نے تو اور بھی انسان کا غرور توڑ کر اُسے دکھا دیا کہ تیرا مرتبہ علم و ادراک میں اتنا گرا ہوا ہے۔ جسکی وجہ سے تجھے ایک بے زبان حیوان کی شاگردی مناسب اور سزاوار ہے۔ غرضکہ ہم اس بیان کو کہاں تک طول دیں۔ اِس لئے اس سے درگزر کر کے اب اصل مطلب پر آتے ہیں۔

اور کہتے ہیں کہ اوپر بیان کئے گئے فرقوں کی اصل بنیاد تو انہی آیتوں نے متزلزل کر کے ڈھا دی اور اُن کے باطل عقیدہ کی چھت اُن کے سروں پر ایسی گرائی کہ وہ اُس کے نیچے کچل کر رہ گئے۔ اِن آیات سے ظاہر ہوگیا کہ نئے دین میں انسان اور حیوان کے مابین دنیا میں ایک طرح کی نسبت اور باہمی دیگی ضرور ہے۔ اور اُسی کے ساتھ آخرت میں بھی قولہ تعالےٰ: ”وَمَا مِن دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طَائِرٍ يَطِيرُ۔ الآیۃ“ کی دلیل سے اُن کا باہمی قرب و تناسب آشکار ہوتا ہے۔ اور اب تم ہی بتاؤ کہ اِس کے بعد کوئی اور بھی واضح بیان اِس بارہ میں ہو سکتا ہے؟ نہیں۔ اور ہرگز نہیں۔

اور جب ہم اِس طرح اُن کے باطل عقیدہ اور فضول شُبہ کی جڑ کا قلع قمع کر چکے۔ تو اب اُس کی دونوں شاخوں میں سے پہلی شاخ کو اُڑانے اور اُس کی کمزوری دکھانے کے لئے قلم اُٹھاتے ہیں۔

اٹھارھواں جوہر۔ اثبات حشر و نشر

مادّیین اور دہریّہ نے اپنے نامعقول اُصول پر جن اُمور کی بنیاد رکھی ہے۔ اُن میں سے پہلا امر حرام و حلال کا امتیاز مٹا دینا اور کسی بدی سے باز رکھنے والی قوت اور دائرہ اخلاق سے باہر نہ نکلنے پر مجبور بنانے والی طاقت کے زیر اثر نہ رہ کر قطعاً آزاد اور شتر بے مہار بن جانا ہے۔ اِس طرح وہ بالکل حیوان کے مشابہ اور شیطان کے چیلے بن جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جیسے دوسرے حیوانوں کا حشر نہ ہوگا۔ ویسے ہی ہم انسان بھی حشر و نشر سے بری رہینگے اور صرف مٹی میں مِل کر خاک ہو جائینگے۔

”وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا

اور کہتے ہیں۔ ہماری تو یہی دنیا کی زندگی ہے اور بس (یہیں) مرتے ہیں اور (یہیں) جیتے ہیں۔ اور ہم

الدَّهْرُ وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ٥ (۲۴:۴۵)	ہی ہم کو ایک وقت خاص تک زندہ رکھکر مار دیتا ہے اور انکو اس کی کچھ تحقیق تو ہے نہیں۔ یہ تو نرے اٹکل کے تکے چلاتے ہیں۔

اور جبکہ ہم اُن کی بیخ و بنیاد کو پہلے ہی ڈھا چکے۔ تو یہ شاخ و دیوار بھی اُسی کے ساتھ گرا چکے تھے لیکن چونکہ اوپر ہم یہ بات بیان کر آئے ہیں۔ کہ ہر ایک مخلوق کا حشر اُس کے اخلاق اور خیالات کی صورت و شکل میں ہوگا۔ خواہ وہ اخلاق و اعتقادات اچھے اور شریف ہوں تا بُرے اور ادنے درجہ کے۔ لہذا اُس کی مزید توضیح کے لئے کہتے ہیں:۔

اوپر بیان کیا ہوا مضموم دوسری زیادہ صاف عبارت میں یوں بھی ادا کیا جا سکتا ہے۔ کہ دنیا میں تمام مخلوقات کا گذر حیات اور برزخ کے دو مدرسوں میں ایک سے دوسرے کی طرف ہوتا ہے۔ پہلے ہر ایک مخلوق زندگی کے مدرسہ میں داخل ہوتی ہے۔ اور یہاں کا نصاب پورا کرکے مدرسہ برزخ میں (جو عالم ارواح بھی کہلاتا ہے) ترقی پا جاتی ہے۔ حیوان جاہل ہونے کی وجہ سے اس ابتدائی مدرسۂ زندگی میں کچھ تعلیم نہیں پا سکا۔ تنگدستی اور فقر نے اُس کو دولتمندوں کے درجہ پر پہنچنے کا موقعہ نہیں دیا۔ لیکن اُس کا بھائی انسان اُن فطری قوتوں کی وجہ سے جو اُسے عطا ہوئی ہیں۔ مدرسۂ حیات کے طالب علموں میں شامل ہو سکا۔ اور اپنی دل و دماغ کو زیور و حکمت سے آراستہ بنا کر کائنات کا حُسن و جمال، اور قدرت باری کی حکمتوں کے معاینہ میں کامیاب ہوا۔ اور گناہوں سے کنارہ کش ہو کر اپنی روح کو اُس کی آلودگیوں سے پاک رکھ سکا۔ اِس لئے جب کامیاب طلبہ کی جماعت دوسرے مدرسۂ برزخ میں چڑھائی گئی۔ تو یہ بھی ترقی پا گیا۔ اور یہ ایسا شرف ہے۔ جو حیوان کو خواب میں بھی نظر نہ آیا تھا۔ غرضکہ انسان کی روح خالص ہے۔ اور حیوانات کی روحیں شہوت طبعی اور خواہشات بہیمی کی آلودگیوں میں لت پت ہیں اور اُن میں اتنی نیکی اور لطافت ہرگز نہیں کہ اُنہیں مدرسۂ برزخ میں داخلہ کا پروانا ملے۔

اگرچہ یہ قول عقلی دلائل کے شمار میں ایک فرض رمانی ہوئی بات) سے زیادہ نہیں تصور ہو سکتا تاہم جس طرح پر آدمیوں نے دنیا کی ابتدا اور پیدائش کے بارہ میں "لا پلاس" کا فرض قبول کر لیا ہے۔ ویسے ہی اپنی فکر زندگی کے باب میں یہ صورت اُن کے لئے سب سے بہتر مُشکل کو حل کرنے اور گتھی کو سلجھا دینے والی ثابت ہوگی۔ کیونکہ آخر "لاپلاس" نے بھی ابتدائے آفرنش عالم کی نسبت بعض عقلی مفروضات قرار دیئے ہیں۔ مثلاً یہ کہ "پہلے دنیا ایک گاس کا کرہ تھا۔ جو گردش کرتے کرتے منجمد

اور گول شکل ہو کر بہت سارے آفتاب، چاند، ستاروں، اور زمینوں کے اجرام و اجسام میں تقسیم ہو گیا۔ اور اس طرح دنیا بن گئی۔ الغرض زمانہ حال کے فلسفیوں اور علمائے طبیعیات نے بھی اسی فرضی مسئلہ پر بہت سے علمی اور عملی مسائل کی بنیاد جما دی۔ لا پلاس کے فرضی قضیہ یا قول کا مبنیٰ کتاب مقدس توراۃ کا سفر تکوین (پیدائش) تھا۔ اور ہم نے جس قضیہ کو ذکر کیا ہے۔ یہ اہل دانش کے لئے موت کے بعد دنیا کا انجام معلوم کرنے کا ذریعہ ہو گا۔ تاکہ اس طرح انہیں ایک بڑی پریشانی سے نجات مل جائے۔ اور ان کا بیقرار دل راحت و آرام پائے۔ اس قضیہ کو ماننے کے واسطے انہیں دین اسلام اور اس آیۃ مذکورۂ فوق کی سند کافی ہے۔

لیکن اس بات کو بھی خیال میں رکھنا چاہئے۔ کہ مذکورہ بالا قضیہ درحقیقت ایک محض فرضی اور وہمی بات نہیں۔ بلکہ عقلی براہین اور فلسفہ و حکمت کی دلیلیں بھی اس کی تائید کر رہی ہیں۔ مگر یہ مقام دلائل و براہین کے ظاہر کرنے کا نہیں۔ کیونکہ ہم ایسا کریں تو اس کتاب میں جو اختصار کا اصول ہم نے اختیار کیا ہے۔ اس میں خلل آئیگا۔ اس لئے عقلمندوں کی طبیعتوں سے قریب اور سہل ترین طریق پر فرض کرنے کا انداز بتلائے دیتے ہیں۔ اور پھر بھی اگر کسی کو عقلی دلائل قایل نہ بنا سکیں۔ اور اس کی تسکین کرنے میں ناکام رہیں۔ اس وجہ سے اس کو شکوک، حیرت، اور اوہام کے پھندے سے نجات نہ ملے۔ تو اس پر لازم ہے کہ تھوڑی دیر کے لئے اپنے پراگندہ خیالات کو جمع کر کے سوداگر، دستکار، کاشتکار، اور فوجی سپاہی کے حالات پر غور کر لے اور دیکھے کہ یہ لوگ کیوں رات دن کسی موہوم امید نفع پر سرگرم کوشش رہتے اور ہر طرح کی زحمتیں برداشت کرتے ہیں؟ کیا ان کو یقین ہے کہ ضرور وہ فائدہ اور نتیجہ حاصل کرینگے۔ جس کو انہوں نے سوچا ہے بغیر بلکہ فقط توقع اور اس گمان پر کہ وہ اپنی مراد میں کامیاب ہونگے۔ دن کو دن اور رات کو رات نہیں سمجھتے۔ اور جان کھپا کر جو کام کر رہے ہیں۔ اس میں مصروف پائے جاتے ہیں۔ نہیں معلوم کتنے مسافر بحری سفر میں مع جہازوں کے ڈوب مرے۔ اور کس قدر کاشتکاروں کی کھیتیاں آسمانی اور زمینی آفتوں سے برباد و تلف ہو گئیں۔ مگر کیا دوسرے آدمیوں نے یا خود انہی آفت زدہ شخص نے بعیں وجہ اپنا کام چھوڑ دیا؟ اور اپنے جدوجہد سے باز آ گئے۔ نہیں اور ہرگز نہیں۔

پس یہ اس بات کی دلیل ہے۔ کہ کاموں کے نتائج کبھی یقینی نہیں ہوتے۔ اور تم دیکھوگے۔ کہ اہل عقل بلا استثناء کاروبار کرنے کو دوڑتے اور اس پر ٹوٹے پڑتے ہیں۔ پھر بہت سا نفع ملنے کی امید میں تھوڑی سی مشکلوں کا مقابلہ کرتے اور کوشش سے نہیں تھکتے۔ الغرض شک

کسی طرح بھی کام کرنے سے نہیں روکتا۔ اور قلق اور کامیابی کے خیال کو انسان کے کاموں میں بڑا دخل ہے۔ اور جب اس بات کا ثبوت مل گیا۔ تو کیا وجہ ہے کہ وہ دوسری زندگی جو کہ عالم آخرت میں انسان کو حاصل ہوگی۔ یا جس کا اسے وعدہ دیا گیا ہے۔ دنیا کی مستعار زندگی میں اُس کو احتیاط کے ساتھ کام کرنے، ہوشیار رہنے، اور پھونک پھونک کر قدم رکھنے کی ترغیب نہ دے؟ بخصوصاً ایسے وقت میں کہ بے یقینی اور گمان باطل میں مبتلا ہونے والوں کو جیسے کہ یورپ کے یہ فرقے ہیں؟۔

اور اب ہم دوسری اصل کی بحث ختم کرکے تیسری اصل پر نظر ڈالتے — اور اس کی تردید پر قلم اُٹھاتے ہیں۔

انیسواں جوہر۔ تعلیم اسلام

یورپ کے ہر سہ مشہور فرقوں سوشلیسٹ، نہلسٹ، اور کمونسٹ میں سے بعض کا قول ہے کہ: جب ہم انسانوں اور بہائم کی ایک حالت ہے۔ یعنے (اُن کے نزدیک) حشر و نشر کوئی چیز نہیں اور نہ ایسا ہو سکتا ہے۔ تو پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ بہت سے بڑے آدمی جن کی ہم عظمت کرتے ہیں وہ ہمارے جسم اور روح پر بلا استحقاق حکمرانی کا دباؤ ڈالیں اور ہم کو جس طرح چاہیں۔ اپنی مرضی کا پابند رکھیں؟ اُن کا یہ اقتدار بالکل ناجائز ہے۔ اور ہر ایک انسان اپنے خواہشات اور خیالات میں قطعاً آزاد ہے۔ اُس کی دلیل بھی حیوانات کے احوال سے ملتی ہے۔ کہ وہ ہرگز کسی کے ماتحت نہیں رہتے۔ اور اپنی زندگی کمال آزادی سے بسر کرتے ہیں۔ اِس لئے ہم کو بھی اُن کا شریک حال ہونا چاہیئے۔ اور کیا سبب ہے۔ کہ حیوانیت اور ناطق (اپنا نیک و بد معلوم کرتے) ہونے میں انسان اور دیگر حیوان برابر ہیں۔ مگر ہمیں اپنے جنس میں ایک کو دوسرے سے افضل اور ممتاز دیکھنا پڑتا ہے؟ قدرت کے فیاضانہ عطیات زمین، آسمان، چاند سورج، ہوا، روشنی، نباتات اور پانی، سے ہم سب کو برابر حصہ لینے کا حق حاصل ہے۔ اور عملاً ایسا ہو بھی رہا ہے۔ پس کیوں یہ امرا اور سلاطین ہم سے بالادست رہیں اور ہم اُن کے مقابلہ میں پست و محکوم۔؟!!

اِس خیال کے لوگوں نے یہ امتیاز مراتب اور طبقات انسانی کا باہمی فرق مذاہب اور ادیان کے لوازم میں داخل سمجھ کر دین ہی سے قطع تعلق کر لیا۔ یہ کیوں؟ اِس لئے کہ اُنھوں نے دین عیسوی کے سوا اور کسی دین کو نہ دیکھا۔ اور نہ اُس کی تعلیمات سے خبردار ہوئے۔ اب وہ

نہیں۔ ہم اُن کو سناتے ہیں کہ قرآن کریم نے بھی اسی بات کو ثابت کر دیا ہے۔ جسے قرن کہتے ہو وہ سوشلزم اور اشتراک (یعنے عام نوعی افراد کی خبرگیری اور امداد) دونوں باتوں کا جامع ہے دیکھو خدا تعالےٰ کہتا ہے:۔

"یَا أَیُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاکُمْ مِنْ ذَکَرٍ وَأُنْثَیٰ وَجَعَلْنَاکُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا۔ إِنَّ أَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقَاکُمْ"

(۴۹: ۱۳)

لوگو! ہم نے تم سب کو ایک مرد (آدم) اور ایک عورت (حوا) سے پیدا کیا۔ اور پھر تمہاری ذاتیں اور برادریاں ٹھہرائیں تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کر سکو۔ دراصل اللہ کے نزدیک بڑا شریف وہی ہے جو تم میں بڑا پرہیزگار ہے۔

یہاں پروردگار عالم نے بتا دیا ہے۔ کہ انسانوں میں سے ایک آدمی کو دوسرے پر اُس کے سوا اور کسی حالت میں بزرگی اور برتری نہیں ہو سکتی۔ کہ وہ خدا سے زیادہ ڈرے، نیک کام کرے، عزیزوں و سوکوں سے عمدہ سلوک کرتا رہے۔ اور عام مخلوق کو فائدہ پہنچانے کے اعمال میں مصروف پایا جائے۔ یہاں تک کہ حدیث میں سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"لَا فَضْلَ لِعَرَبِیٍّ عَلَی عَجَمِیٍّ إِلَّا بِالتَّقْوَیٰ"

خدا ترسی اور پرہیزگاری کے سوا اور کوئی ذریعہ ایسا نہیں جو کسی عربی کو عجمی پر افضل بنا سکے

اور ارشاد کیا:۔

"یَا فَاطِمَةُ بِنْتَ مُحَمَّدٍ لَا أُغْنِی عَنْكِ مِنَ اللّٰهِ شَیْئًا"

اے محمدؐ کی بیٹی فاطمہؓ! میں تجھکو خدا کے بدلے کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ یعنی خدا سے تیری کوئی سفارش نہیں کر سکتا۔

مگر حیرت ہے۔ اور کمال حیرت۔ کہ حضرت انسان نے وہ گُدون کی لے رکھی ہے اور اُن پر ایسا غرور و گھمنڈ کا بھوت سوار ہوا ہے۔ کہ اپنے زعم باطل میں خدائے پاک اور اُس کی قدرت وعظمت کے شریک و سہیم بن گئے۔ اور اُلوہیت کا دعوےٰ کر دیا۔ فرعون نے جس وقت اپنا لشکر جمع کیا۔ اور ہشل ہشل فوجین اُس کے روبرو کھڑی ہوئیں۔ تو اُس کی نخوت نے وہ ترقی کی۔ کہ اپنے آپے سے گذر گیا اور اپنی حقیقت کو بھول کر یوں کہنے لگا۔ "أَنَا رَبُّکُمُ الْأَعْلَیٰ"۔ میں ہوں تمہارا سب سے بالاتر پروردگار۔ (معاذ اللہ) اور اسی تکبر و خود پسندی کے جواب میں کتاب حکیم قرآن کریم نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی زبانی یہ پُر حکمت قول ہمیں سُنایا:۔

"یَا أَیُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّیْرِ وَأُوتِینَا مِنْ کُلِّ شَیْءٍ"

اے لوگو! ہم کو چڑیوں کی بولیاں سکھائی گئیں۔ اور ہر ایک چیز ہمیں عطا کی گئی ہے۔

[illegible] کہ ان دونوں حکایتوں میں کیا فرق ہے۔

پہلے قائل یعنے فرعون نے اپنی جماعتوں کو اُلوہیت کا اعلان کرنے کی غرض سے جمع کیا۔ اور دوسرے قائل۔ سلیمان علیہ السلام۔ نے سرِ عجز جھکا کر اور اپنی خودی کو ترک کر کے انسان کے بنائے ہوئے سابقہ قصرِ غرور و نخوت کو منہدم اور خاک کے برابر کر ڈالا۔ اور وہ حیوانوں کے مرتبہ پر اتر آئے۔ پھر اپنی جماعتوں کو فراہم کر کے انہیں یہ روح کا تازہ کرنے والا مژدہ سُنایا:۔ "دیکھو! میں بھی ہوں، مجھ کو بہت بڑا علم دیا گیا ہے۔ مجھ کو پرند جانوروں کے علوم عطا ہوئے ہیں۔ اور میں نے اُن کو سمجھ لیا ہے۔ اس طرح مجھے ہر ایک فضل و بزرگی دے دی گئی ہے۔ اور یہ ایک واضح بزرگی ہے"۔

قرآن نے انسان کو اُس کی قدر پہچنوا دی۔ اور اُسے اُس کی حد پر ٹھہرا کر تباین اور اختلاف کو زائل کر دیا۔ اس لئے انسان نے۔ آدم علیہ السلام کے دونوں بیٹوں (ہابیل و قابیل) کے قصہ میں۔ کوّے کو اپنا اُستاد بنایا۔ اور نہ صرف اُس کی شاگردی ہی کر لی۔ بلکہ اپنے نفس کو ملامت کی اور یہ افسوس کیا کہ وہ عمل میں کوّے کی برابری بھی نہیں کر سکتا۔ چنانچہ وہ کمال حسرت و ندامت کے ساتھ کہنے لگا:۔

"یَاوَیْلَتَیٰ اَعَجَزْتُ اَنْ اَکُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِیَ سَوْاَةَ اَخِیْ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِیْنَ"۔

قرآن میں نوعِ انسان پر یہ بات واضح کر دی گئی کہ اولادِ آدم سب ایک دوسرے کے قریب اور ہم رُتبہ ہیں۔ اِس لئے اُن کو انبیاء علیہم السلام کی عجز پسندی اور فروتنی سُنا دی اور اب اُن پر واجب ہو گیا کہ وہ بھی انکسار اور عاجزی اپنا شیوہ بنائیں اور غرور و تکبر کو ترک کر دیں۔ یہ تو قرآن کی تعلیم ہے اور اب علمائے اسلام میں سے بعض ایسے روشن دماغ افراد کی طرف متوجہ ہو۔ جو کہ اس آسمانی شمع سے نور حاصل کرنے میں اوروں سے بڑھ گئے تھے۔ تو وہاں کچھ اور ہی رنگ نظر آتا ہے۔

ابن العربی اپنی کتاب "فتوحات" میں قرآن کریم کے مقرر کئے ہوئے دائرہ کی حد سے تجاوز نہ کر کے حیوان کو انسان سے درجہ و منزلت میں بہت اعلیٰ قرار دیتے ہیں۔ اور سند میں اُس کے علوم و معارف اور نظام و احکام کو پیش کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ: حیوان انسان کا مُربی و محسن ہے۔ بہت سے کام انسان کے اُسی کی مدد سے چلتے ہیں۔ اور وہ انسان کا مخدوم ہے۔ آدمی اپنے پالو جانوروں کی لید اور اُن کے گوبر کو اُٹھا کر پھینکتا ہے۔ اور اُن کی جگہ صاف رکھتا ہے۔ اور آدمی کو حیوان کی بہر حال حاجت ہے لیکن حیوان آدمی کا چنداں محتاج نہیں۔ بلکہ ابن العربی اس سے بڑھ کر خیالی فضا میں بلند پروازی کرتے اور

اسمٰعیل علیہ السلام کے فدیہ میں ذبح قربان کرنے کو قربان کی جانے والی چیز کی بزرگی کا نشان مانتے ہیں کیونکہ وہ ایک نبی کا فدیہ بنی تھی۔ بہت سے لوگ اور بھی اس بارہ میں اُن کے پیرو اور ہم خیال ہو گئے ہیں۔ مگر ہم اس سے کوئی غرض نہیں رکھتے۔ بلکہ اپنی شریعت کے احکام بیان کرنا ہمارا مقصد ہے اور اسی واسطے جو کچھ شرع نے بتایا۔ اُسی کو ٹھیک اور واجب العمل سمجھتے ہیں۔

ہماری شریعت نے انسان کو اُس کا خاص درجہ ہی عطا کیا ہے۔ یعنے نہ تو اُسے اتنا بڑھا چڑھا دیا کہ وہ (معاذ اللہ) اُلوہیت کے مرتبہ میں پہنچ گیا ہو۔ اور نہ اتنا گرایا ہے۔ کہ عام حیوانات کے صف میں لا ملایا ہو۔ بلکہ اُسے حیوان سے فضیلت دی اور درجۂ اُلوہیت سے نیچے رکھا ہے۔ چنانچہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے۔

"وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا۔"

(۱۷ : ۷۰)

اور البتہ ہم نے بنی آدم کو عزت دی اور خشکی اور تری میں اُن کو (جانوروں اور کشتیوں پر) سوار کیا۔ اور عمدہ (عمدہ) چیزیں اُنھیں کھانے کو دیں اور جتنی مخلوقات ہم نے پیدا کی۔ اُن میں بہتیروں پر اُنکو برتری دی۔

دیکھو کس طریقہ پر سب انسان وسط کے درجہ میں قرار پذیر ہو کر ایک دوسرے کے بھائی بھائی اور دوست و یار ہو گئے۔ اور ایسے ہی باری تعالےٰ کا یہ فرمان بھی اُسی کی واضح برہان نظر آتا ہے۔

"قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ۔"

(۳ : ۶۴)

(اے پیغمبر) کہدو کہ اے اہل کتاب آؤ ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے مابین یکساں رمانی جاتی ہے کہ خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور کسی چیز کو اُسکا شریک ٹھہرائیں اور اللہ کے سوا ہم میں سے کوئی کسی کو (اپنا) مالک سمجھے پھر اگر (ایسی سیدھی اور سچی بات کو) سن کر بھی مونہہ پھیریں۔ تو (مسلمانو تم) کہدو کہ تم اس بات کے گواہ رہو کہ ہم تو (ایک ہی خدا کو) مانتے ہیں۔

خداوند کریم نے اس آیہ میں صاف صاف حکم دیا ہے۔ کہ عبادت اور عاجزی محض خدائے پاک کے لئے کرنی چاہئے۔ جو کہ یکتا ہے۔ اور اُس کا کوئی شریک نہیں۔ اور یہ کہ کسی آدمی کو دوسرے آدمی پر کوئی فوقیت نہیں ہے۔ بلکہ تمام انسان مساوی اور برابر ہونگے۔ اور اُن کا امر (حکومت و سیاست) اُنہی کے

باہمی مشورہ سے چلتا رہیگا۔

اور یہود و نصاریٰ کے بارہ میں قرآن میں یوں آیا ہے :۔

"اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ (۹ : ۳۱)

ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑکر اپنے عالموں اور اپنے مشائخوں اور مریم کے بیٹے مسیح کو خدا بنا ٹھہرا لیا حالانکہ (ہمارے ہاں سے) انکو یہی حکم دیا گیا تھا کہ ایک ہی خدا کی عبادت کرتے رہنا اور اُسکے سوا کوئی (اور) معبود نہیں۔ وہ اُنکے شرک سے پاک ہے۔

اور رسول اللہ صلعم سے دریافت کیا گیا کہ "یہ اہل کتاب اپنے عالموں اور مشائخوں کی کس طرح عبادت کرتے ہیں؟" تو آپ نے فرمایا: "وہ کیا وہ علما وغیرہ ہی اُن کے لئے اپنے حسب دلخواہ طریقے اور مذہبی راستے نہیں مقرر کرتے!!" اب اہل فہم اور غائر نظر رکھنے والوں کو سمجھنا اور حکماء کو اس قول کی تہ تک پہنچنا چاہئے۔ اور انہیں معلوم رہے۔ کہ توحید کو ماننے، بت شکنی کرنے، اور تثلیب کو ترک کر دینے کا حکم صرف اسی غرض سے دیا گیا تھا۔ کہ لوگ غلامی کی بندشوں سے آزاد ہو جائیں۔ اور نوعِ انسان میں باہم ایکدوسرے سے مراتب میں قریب ہونے اور میل ملاپ قائم ہو جانے کی بنیاد پڑے۔

ناظرین! کیا آپ کو معلوم ہے کہ یہ اوپر لکھی گئی آیتیں کس پایہ کی ہیں۔ اور اُن میں کیسا اثر ہے اُن کی فضیلت کا اندازہ یوں دریافت ہو سکتا ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام شاہان روئے زمین کے نام جو ہدایت نامے ارسال فرمائے تھے۔ اُن میں یہی آیتیں درج کی گئی تھیں۔ کسریٰ (شاہ فارس) قیصر (شاہنشاہ روم) اور شاہانِ عرب وغیرہ کو فرمانِ رسالت اِسی خدائی طغرا سے مزین کر کے ارسال ہوا تھا۔ نمونتاً ذیل میں قیصر روم کے نام کا فرمانِ رسالت درج کیا جاتا ہے۔

"من محمد بن عبد اللّٰه الی قیصر عظیم الروم۔ السلام علیك اما بعد فاسلم تسلم یؤتك اللّٰه اجرك مرتین فان تولیت فان علیك اثم الاریسیین۔ و یا اهل الکتاب تعالوا الی کلمة سواء بیننا و بینکم الا نعبد الا

منجانب محمد (صلعم) ابن عبد اللہ۔ بنام قیصر فرمانروائے اعظم روم۔ تجھ پر سلامتی ہو۔ بعد القاب واضح ہو۔ کہ تو اسلام لا اور عذاب آخرت سے سلامتی حاصل کر۔ تجھے اللہ تعالےٰ دگنا اجر دیگا۔ لیکن اگر تو روگردانی کریگا تو یاد رکھ۔ کہ رعایا کا بارِ گناہ بھی تیرے ہی سر رہیگا۔ اور اے اہل کتاب آؤ اس ایک کلمہ کی طرف جو ہمارے اور تمہارے مابین

اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ

یکساں ہے۔ یعنی یہ کہ بندگی کریں ہم صرف خدا کی اور شریک نہ بنائیں اُسکے ساتھ کسی چیز کو۔ اور ہم میں ایک شخص دوسرے آدمی کو خدا کو چھوڑ کر اپنا رب نہ بنائے۔ الخ

یہ ہے قیصر کے نام بھیجے ہوئے فرمان رسالت کی اصل عبارت۔ اور اب اِس کو پڑھ کر تم غور کرو کہ کس طرح یہ توحید ہی کی تعلیم سیاست (پالیٹکس) قرار دی گئی تھی اور یہی آج کل کے شوریدہ سر یورپین فرقوں کا مقصد ہے۔ کہ وہ بنی آدم کے مابین سیاسی طور پر بالکل اور ہر جہت سے مساوات و یکرنگی دیکھنے کے خواہاں ہیں۔ اور اِس اعتبار سے تم دین اسلام کو تمدن اور سیاست کا بہترین سرچشمہ اور مجموعہ پاؤگے۔ کیونکہ توحید خالق کے زبردست عقیدہ نے نوع انسان کو غلبہ و تکبر سے قطعاً محروم کر دیا ہے۔ اور عظمت و بڑائی کا انحصار مُدبّر عالم جل جلالہ کی ذات اطہر کے لئے کر دیا۔ دیکھو ارشاد ہوتا ہے۔

وَلَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۭ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَھُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۔ اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۔ مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ۭ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ۭ اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ (۵: ۷۳ و ۷۴ و ۷۵)

جو لوگ کہتے ہیں کہ خدا تو یہی تین میں کا (ایک) تیسرا ہے (وہ) بیشک کافر ہو گئے۔ حالانکہ خدائے واحد کے سوا اور کوئی معبود نہیں اور (خدا کے بارے میں) جیسی جیسی باتیں یہ لوگ کہتے ہیں اگر اُنسے باز نہیں آئینگے۔ تو جو لوگ اُنمیں سے کفر کرتے ہیں۔ اُنپر عذاب دردناک نازل ہوگا اور یہ تو بیچارا اتنے سمجھانے پر بھی) خدا کے آگے توبہ اور استغفار نہیں کرتے حالانکہ اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔ مریم کے بیٹے مسیح تو صرف ایک رسول ہیں (اور بس) اِن سے پہلے (بھی بہتیرے) رسول ہو گذرے ہیں اور اُنکی والدہ (مریم بھی خدا کی ایک) سچی (بندی) تھیں (دوسرے آدمیوں کی طرح یہ دونوں (ماں بیٹے) کھانا کھاتے تھے۔ دیکھو تو سہی ہم اپنے دلائل کس طرح کھول کھول کر ان لوگوں سے بیان کرتے ہیں پھر دیکھو کہ (شیطان کے بہکانے سے) یہ لوگ کدھر اُلٹے بہکے چلے جا رہے ہیں۔

غرضکہ تثلیث کو پامال اور دور کر دیا تاکہ الوہیت کا درجہ سب سے بالاتر رہے۔ اور بشر اُس کے کمال عظمت کو نہ چھو سکے یا اُس میں اپنا کوئی حق نہ جتلائے۔ کیونکہ ایسا ہونے سے وہ سیاست

جو توحید کی دست پخت ہے۔ ابتر ہو جاتی۔ اور لوگ گمراہی میں پڑ کر راہِ حق سے بھٹک جاتے یورپ میں قسیسوں نے یہی ہڑبونگ مچا بھی رکھی تھی۔ لیکن وہ تو خدائے کریم نے پاک مذہب اسلام کی نوربار شمع روشن کر کے دنیا کی تاریکی دور کر دی اور اس روشنی کی کرنیں مقدس اسلام کی آنکھوں کا پردہ اٹھا گئیں۔ اور اس نے انسانوں کے مابین امتیازات قائم کرنے کی ناواجب بندشوں کو توڑ پھینکا۔ ورنہ کہاں یورپ اور کجا یہ انسانی مُساوات کے دلفریب جلوے۔

نبی اسلام صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد تیس سال تک خلافتِ اسلامی اُسی شان و آن سے قائم رہی۔ وہی ہادئی برحق کی تعلیم تھی۔ اور اُسی اُستاد کے فیض صحبت کے تربیت یافتہ شاگرد اس کی اشاعت پر مستعد تھے۔ ”جبلۃ بن ایہم شاہ غسان کا قصہ پڑھو۔ کس طرح اس نے طواف کعبہ میں ایک معمولی دیہاتی کو طمانچہ مار کر اُس کے چار اگلے دانت توڑ دیئے۔ عمرؓ نے اس کے بادشاہ ہونے کی کچھ بھی پرواہ نہ کر کے غریب و مظلوم اعرابی کا بدلہ اُس سے لینا چاہا۔ اور جبلہؔ سے کہا۔: اسلام نے سب آدمیوں کو برابر کر دیا ہے۔ زور و قوت ہرگز باعث امتیاز نہیں۔ ہاں خدا ترسی اور پرہیزگاری بے شک سرمایۂ عزت ہے۔ اور جو شخص جتنی زیادہ یہ دولت رکھتا ہے۔ وہ اُتنی قدر اعزاز و اکرام کا مستحق ہے۔“ یا دیکھو کہ عمر رضی اللہ تعالے عنہ خلیفۂ اعظم خطبہ پڑھ رہے ہیں۔ اور ایک معمولی مسلمان صحابی اُٹھ کر اُن سے کہتا ہے۔ ”ہاں ہم تم میں ذرا بھی کجی دیکھینگے۔ تو اپنی تلواروں سے تمہیں سیدھا کر دینگے۔“ ایسے ہی عمرو بن العاص رضی اللہ تعالے عنہ امیر مصر کا واقعہ مشاہدہ کرو۔ اُن کے بیٹے نے ایک ماتحت ذمی قبطی کو بلا وجہ مارا تھا عمر رضی اللہ تعالے عنہ نے عمرو بن العاص رضی اللہ تعالے عنہ کے سامنے اُن کے بیٹے کو قبطی کے ہاتھوں پٹوایا۔ اور پھر اُن سے کہا ”تم نے خدا کے بندوں کو غلام کب سے بنایا ہے؟“

البتہ یہ مبارک زمانہ تیس ہی سال تک قائم رہ کر ختم ہو گیا۔ اور اب خلافت نے دنیاوی سلطنت کا رنگ اختیار کیا۔ مخبر صادق صلعم کا ارشاد: الخلافۃ بعدی ثلاثون۔ ثم تصیر ملکاً عضوضاً“ ٹھیک اُترا۔ اس وجہ سے اگر مسلمانوں میں باہمی مشورہ سے حکومت کرنا ترک کر دیا گیا۔ یا اُن میں طبقات کے امتیاز قائم ہو گئے۔ تو اُس کا الزام خود مسلمانوں پر عائد ہوتا ہے۔ نہ کہ اُن کے پاک مذہب پر جس کی تعلیمات سے اُنہوں نے چشم پوشی کر لی تھی۔

علمائے اسلام اپنے مذہب میں شوروی حکومت واجب ہونے کا شاہد محض ایک قول تعالے ”وَاَمْرُھُمْ شُوْرٰی بَیْنَھُمْ“ پیش کرتے ہیں۔ مگر ہم کہتے ہیں۔ کہ ذرا پڑھ کر دیکھو ایک چوتھائی قرآن

انسانوں کے مابین سے امتیاز مراتب دور کر دینے کی ہدایتوں سے بھرا ہوا ہے۔ سلیمان علیہ السلام کے قصہ میں قرآن کریم نے "بلقیس" ملکۂ شہر سبا کا قول یوں بیان کیا ہے:۔ "یٰۤاَیُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِیْ فِیْۤ اَمْرِیْ مَا كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ ٭" اے اہل دربار ہمارے اس معاملہ میں اپنی رائے بیان کرو۔ ہمارا ہمیشہ سے دستور رہا ہے کہ تاوقتیکہ تم ہمارے حضور میں موجود نہ ہو ہم کسی امر میں قطعی حکم نہیں دیا کرتے ٭

اور ایسے ہی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اُس فرمان کی عبارت بھی جو آپ نے قیصر روم کے نام ارسال کیا تھا۔ تمام دنیا کو مساوات حقوق اور امر حق کے ملنے کی طرف بلا رہی ہے۔ پس یقینی ہے۔ کہ اگر کوئی دین بحیثیت دین ہونے کے اس روشنی کے زمانہ میں روئے زمین پر باقی رہ جائیگا۔ تو وہ یہی دین اسلام ہوگا۔ اور یہی دنیا میں حقیقی طرز حکومت و سیاست ہو سکتا ہے اور یہ اور اس کی شہادت خود کتاب کریم سے ملتی ہے۔ دیکھو قولہ تعالےٰ

"هُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ٭ (۹ : ۴۰)

وہی ذات پاک ہے۔ جس نے اپنے رسول (محمدؐ) کو ہدایت اور دین حق دیکر بھیجا۔ تاکہ اُسکو تمام دینوں پر غالب کرے گو مشرکوں کو برا ہی کیوں نہ لگے۔

اور آگے چل کر سیاست کے بیان میں ہم اس کی اور بھی کافی شہادتیں پیش کرینگے۔

بیسواں جوہر۔ قرآن کے نزدیک عُلوم کا مرتبہ

قرآن نے دینی اور دنیاوی فوائد کو باہم ملا کر ایک کر دیا ہے۔ اُس میں توحید اور محبت الٰہی کے بارے میں جو آیتیں وارد ہوئی ہیں۔ وہی کائنات کی حکمت، عالم کی دلفریبی و رونق، اور اُس کے نظام و ترتیب کے اسرار اور بیانات کی بھی جامع ہیں۔ اسی لئے جس حالت میں کہ ایک مبتدی اُن آیات پر معرفت الٰہی حاصل کرنے کے لئے غور کرتا ہے۔ اُسی حالت میں دوسرا تیز طبع طالب اُن سے دنیا کے نظام و عجائبات کا سُراغ لگانے کے شوق میں ڈوبا ہوا پایا جاتا ہے۔ اکثر قرآنی آیتوں نے عجائبات قدرت کی مشکل گتھیاں حل کر دی ہیں۔ عُلوم کائنات (دنیاوی) میں وسعت نظر پیدا کرنے سے باز رہنے والوں کو انجام بد سے خوف دلایا ہے۔ علم فلک، نیچرل سائنس، پہاڑوں، دریاؤں، نباتات، حیوانات، انسان، اور روح کے متعلق اعلےٰ معلومات حاصل کرنے اور ان چیزوں میں

جو قوانین قدرت کے راز پوشیدہ ہیں۔ اُن کا پتا لگانے کا حکم دیا ہے۔

جن لوگوں نے مذکورۂ بالا علوم سے روگردانی کی اُن کو ملامت کرنا اور اُن علوم کی معرفت بہم پہنچانے والوں کی حوصلہ افزائی قرآن کا شیوہ ہے۔ اور اس کے ماسوا بہت کچھ ایسے مسائل بھی اس نے بیان کر دئیے ہیں جن کو موجودہ زمانہ والوں نے دریافت کیا ہے۔ اور اگلے زمانوں کے علماء انہیں مہمل چھوڑ گئے تھے۔ مثلاً اسرار ترقی[1] کے ثبوت میں خداوند کریم اپنے کلام پاک میں فرماتا ہے:-

"أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَالَتْ أَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا ۚ وَمِمَّا يُوقِدُونَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَاءَ حِلْيَةٍ أَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهُ ۚ كَذَٰلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ۚ فَأَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً ۖ وَأَمَّا مَا يَنفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ (۱۳ : ۱۷)

(اسی نے) آسمان سے پانی برسایا۔ پھر اپنی اپنی سمائی کے (قدر) نالے بہ نکلے پھر (نالوں میں جو پانی کا ریلا آیا تو) جھاگ جو (پانی کے) اوپر آگیا تھا اس کو (پانی کے) ریلے نے اُٹھا کر اپنے آگے دھر لیا اور یہ جو لوگ (زیور یا دوسرے ساز و سامان کے لئے دھاتوں کو) آگ میں تپاتے ہیں۔ اس میں (بھی) اسی طرح کا جھاگ (یعنی کھوٹ) ملا ہوتا ہے (اور وہ تپانے سے الگ نکل آتا ہے) یوں اللہ حق اور باطل کی مثال بیان فرماتا ہے (کہ پانی حق کی جگہ ہے) اور جھاگ باطل کی جگہ) سو جھاگ تو رائگان جاتا ہے۔ اور (پانی) جو لوگوں کے کام آتا ہے۔ سو زمین میں ٹھیرا رہتا ہے

دیکھو خدائے پاک نے صاف طور سے ثابت اور بیان فرما دیا کہ غیر مفید چیز اگرچہ وہ ظاہر اور مشہور ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن اُس کی مثال پانی کے اُس جھاگ سے بڑھ کر نہیں۔ جو سیلاب پر، اُبلتی ہوئی ہانڈی پر، اور زیور بنانے کے واسطے پگھلائی جانے والی دھات پر نمایاں ہوتا ہے۔ اور وہ نکال کر پھینک دیا جاتا ہے۔ پھر صرف وہی چیز جو کہ انسان کے لئے فائدہ مند ہے باقی رہ جاتی ہے۔ اسی طرح بعض علم بھی جہل و نادانی کی تاریکی میں پنہاں ہو جاتا ہے۔ اور جیسے خالص پانی، کھرا سونا اور چاندی، اور پکتی ہوئی ہانڈی کا اصل سالن باقی رہ جاتا ہے۔ ایسے ہی وہ علوم جو کہ انسان کی ضرورتوں میں کار آمد اور اُن کے لئے نافع ہیں۔ قوموں اور افراد میں باقی رہتے اور بیکار علوم خود بخود فنا ہو جاتے ہیں۔

[1] ذرات کی اتصال سے تدریجاً اجسام کا وجود ہونے کا قانون قدرت جسکو ڈارون کی تھیوری کہا جاتا ہے۔ مترجم

اور آئندہ باب میں علوم کا بیان کرتے ہوئے ہم اِس بات کو دکھا دینگے۔ کہ اصل وضع کے لحاظ سے خود دنیا اور حیات، مادہ اور روح کے بارہ میں ترقی کرنے ہی کا نام دین ہے۔ دینی اور دنیوی کوشش کی مثال روح وجسم، اور معنے ولفظ سے دی جاسکتی ہے۔ جب تک انسان اِس مشاہدہ میں آنے والے وجود کی روشنی اور چمک دمک سے تنویر نہ ہو۔ اُس وقت تک اُس کی عقل میں حکمت کے ادراک اور سمجھ میں آفتابِ علوم کی شعاعوں سے نور حاصل کرنے کی قابلیت کیونکر پیدا ہوسکتی ہے۔ موجوداتِ عالم انسان کے جسم اور روح دونوں کی غذا ہیں۔ وہ اُن کے ظاہری اجسام کو غذا بنا کر جسم کی پرورش کرتا۔ اور اُنہی اجسام کے اندرونی فوائد کو دماغ وعقل کے وسیلہ سے سوچ سمجھ کر صحیح معلومات حاصل کرتا۔ اور خزانۂ دل ودماغ کو جواہرِ علوم سے بھر لیتا ہے۔

قرآن کریم میں سات آٹھ سو کے بین بین اِس طرح کی آیتیں وارد ہوئی ہیں۔ کہ وہ سب خلقت دُنیا کے اسرار پر احاطہ کرنے کی تاکید کرتی ہیں۔ اور قریب قریب اتنی ہی تعداد کی آیتیں اخلاق، آداب، خوش مزاجی، اور تہذیبِ نفس کے بارہ میں وارد ہوئی ہیں۔ مگر اہل عرب اور یورپین مصنفین کے حال پر سخت تعجب آتا ہے۔ کہ اُنہوں نے قرآن کی تعریف وستائش کرتے ہوئے صرف اُس کے معاملات، عبادات اور تمدنی احکام ہی کو سراہا اور اُسی کی لمبی چوڑی تعریف کی ہے۔ اور اُس کے حقیقی اور قابل قدر علوم و معارف کے قریب بھی نہیں گذرے ہیں۔ البتہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تالیفات میں بعض نادر نکتے اور بہت سے دلچسپ لطیفے اِس طرح کے درج کئے ہیں۔ علمائے اسلام بالعموم معارف قرآنی سے کیوں غافل رہے ہیں؟ اس کی وجہ یہ تھی کہ فلسفۂ یونان کا پردہ اُن کی آنکھوں پر آپڑا اور بحث ومناظرہ میں مبتلا ہو کر اُن کے دماغ حقیقی اور مفید علوم سے دُور اور فضولیات میں مصروفیت کے خوگر ہوگئے۔

اکیسواں جوہر۔ مباحثِ اسلام

اسلام کے مباحث حسب ذیل چھ ہیں:۔ (۱) تمام علوم۔ اور اُس کے بارہ میں سات سو آیتوں کے قریب وارد ہیں۔ (۲) اُن باتوں کا ترک کردینا جو کہ علوم کے زیبا چہرے پر بدنما داغ معلوم ہوتی ہیں اور وہم پرستی، گمراہی، اور بدعتوں میں داخل مانی جاتی ہیں۔ مثلاً بتوں کی پوجا، جھاڑ پھونک اور تعویذ گنڈہ، آگ میں گرم کئے ہوئے لوہے سے جسم کو داغنا یا آگ کے انگاروں پر چلنا اور لوٹنا، اور بدشگونی لینا، وغیرہ، اور اِس بارہ میں ایک ہزار سے زائد آیتیں پائی جاتی ہیں (۳) دنیا کی آبادانی اور قوموں کے حالات

کا بہ نظر اعتبار دیکھنا" اور اُن کی حکومتوں کے انداز اور طریق انتظام سے اپنے مُفید حال سبق لینا قرآن
کریم کے اکثر قصص اسی موضوع پر حاوی ہیں۔ (۴) آداب۔ اُن کے متعلق سات سو سے زائد
آیتیں ہیں (۵) عبادت۔ اور یہ عبادتیں گو بظاہر عبادت و طاعت نظر آتی ہیں۔ لیکن باطنی
اور معنوی طور پر یہ بھی درستئ اخلاق و تہذیب نفس ہی میں داخل ہیں۔ (۶) انسانی جمعیت
(سوسائٹی) کی تشکیل کا نظام اور اُس کی ترتیب کا قانون۔ اُس کے ضمن میں تعزیرات "احکام" اور حدود
(فرائض) الٰہی سب داخل ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ اس سے اصل مقصد دُنیا کا باقاعدہ اور منظم رکھنا
ہے۔ جس کے تابع ہو کر یہ باتیں دین میں شامل ہوتی ہیں۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی خیال
کی تائید کی ہے۔ اور اس قسم میں مع اُس سے اگلی قسم کے بھی تقریباً کُل (۱۵۰) آیتیں ہی پائی
جاتی ہیں۔ مگر یہ کہ دینی عُلوم پر تصنیف کرنے والوں کا بیشتر اہتمام اسی مبحث اور حصّہ کے ساتھ رہا
ہے۔ اور مَیں اس بات کو اچھا نہیں سمجھتا کہ دین کے پچیس حصّوں میں سے صرف ایک ہی حصّہ پر
تمام عُمر خامہ فرسائی کرتا رہوں اور چوبیس حصص کو بالکل چھوڑ رکھوں۔

ایمان صرف انہی عبادات "نماز" روزہ" حج" اور زکات" کا نام نہیں ہے۔ بلکہ یہ عبادتیں محض
نفس اسلام ہیں۔ رہا ایمان۔ تو اس میں شک نہیں کہ وہ اُن ہی عُلوم" و آداب" اور تمدّن
کا نام ہے۔ جو کہ اِن عبادات سے مل جُل کر بالکل ایک ذات بن گئے ہوں۔ اور اُن میں سے ہر ایک کی
مناسب موقع تعریف و تشریح اپنے اپنے مقام پر ہوگی۔ یہی عُلوم طبیعّیات اور معارف دُنیوی حصول
معرفت الٰہی اور اُس کی قدرت کے اسرار بتانے کے ذرائع سمجھ کر اور ان کو دینی تعلیم میں داخل مان کر
پڑھے جائیں۔ تو اُن کا پڑھنا اور پڑھانا عبادت سے کم نہیں ہوتا۔ اور اگر میں اہل نظر کو اس بات کی
طرف متوجّہ بنا سکوں۔ تو اپنی چندروزہ زندگی کو نہایت مبارک تصوّر کرونگا۔

ہمارے علماء خود اس بات کے قائل ہیں کہ دنیا کے تمام وہ کار و بار جن کا مقصد دینی اصول کے
مطابق ہو۔ اُن کے کرنے میں ہر ایک حرکت و سکون پر ایک ایک ثواب ملتا ہے۔ بلکہ حکیم و عالم
سوتا ہے۔ تو اُس کی ہر ایک سانس ایک نیکی شمار کی جاتی ہے۔ اور بیدار رہتا ہے۔ تو اُس کی تمام حرکتیں
نیکیاں بن کر نامۂ اعمال میں درج ہوتی ہیں۔ وہ اس بات کو مانتے ہیں کہ ایک ساعت غور سے کام لینا
ایک سال کی عبادت سے اچھا ہے" اور ایک لحظہ کی سوچ سمجھ غافل کی تمام زندگی سے بدرجہا بڑھی
ہوئی ہے۔ اور یہ بھی کہتے ہیں۔ کہ بے علم عابد بے ثمر درخت کے مانند ہے"۔

اس لئے صرف وہی شخص جو دین کی فہم میں عاجز و قاصر ہے۔ یہ کہہ سکتا ہے کہ علم دین

احکام نماز و روزہ وغیرہ کا جان لینا ہے۔ اور بس۔ لیکن اُس کا یہ کہنا ہرگز درست نہیں۔ کیونکہ یہ تو صرف عملی عبادت کی معرفت ہے۔ ورنہ وہ علم جس کو فی الحقیقت علم کہا گیا ہے۔ عالم کائنات میں قدرت خدا کی نشانیوں کا ڈھونڈھنا، اُس کے جلوے دیکھنا، اور اُس کی حکمت پر وقوف حاصل کرنا ہے۔ اور اس کی سب سے بڑی دلیل وہ آیت ہے جس کو ہم پہلے بیان کر آئے ہیں۔ یعنے خداوند کریم نے پہاڑوں، دریاؤں، مختلف وضع کے پھلوں، اور کئی طرح کی رنگتوں، وغیرہ کے حالات پر غور کرنے کی ہدایت کر کے بعد ازاں ارشاد فرمایا ہے: "اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا" یعنے خدا سے اُس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو عالم ہیں۔ اور اُس سے صاف ثابت ہوتا ہے۔ کہ علوم سے یہی کائنات کے عُلوم مراد ہیں۔ اور انہی کے ذریعے سے قدرت باری کے کرشموں کا انکشاف ہو سکتا ہے۔

بائیسوان جوہر۔ عقل سے کام لینے کی ہدایت

ہم دیکھتے ہیں کہ دین اسلام غور و فکر کرنے اور عقل سے کام لینے کا زور کے ساتھ حکم دیتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالےٰ فرماتا ہے:۔

"اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْھَا مِصْبَاحٌ ط (۲۴: ۳۵)

اللہ (ہی) کے نور سے زمین و آسمان میں روشنی ہے اُسکے نور کی مثال ایسی ہے۔ جیسے ایک طاق ہے (اور) طاق میں ایک چراغ (رکھا ہے)۔

یہاں خداوند کریم عقل کی تعریف کرتا ہوا اُسے "نور" کے نام سے موسوم فرماتا ہے۔ اور اِس طرح اُس کے شرف کو ظاہر کرتا ہے۔ اور وہ علم جو کہ عقل سے حاصل کیا گیا ہو۔ اُس کو "رُوح" "وحی" اور "حیات" کے نام سے نامزد کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:۔

"وَکَذٰلِکَ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا" (۴۲: ۵۲)

اور (اے پیغمبر) اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے (دین کی جان (یعنی یہ کتاب) تمہاری طرف وحی کے ذریعہ سے بھیجی ہے

اور ارشاد کیا: "اَوَمَنْ کَانَ مَیْتًا فَاَحْیَیْنٰہُ وَجَعَلْنَا لَہٗ نُوْرًا یَّمْشِیْ بِہٖ فِی النَّاسِ کَمَنْ مَّثَلُہٗ فِی الظُّلُمٰتِ لَیْسَ

اور کیا ایک شخص جو پہلے مُردہ تھا پھر ہم نے اُسمیں جان ڈالی اور اُسکو ایک نور عطا فرمایا۔ جسکی مدد سے وہ لوگوں میں تماشی طرح چلتا پھرتا ہے (کیا)، وہ اُس

بحار لجیّ ثمنها ط (۱۲۲)

جیسا ہو سکتا ہے۔ جسکا یہ حال ہے کہ اندھیروں میں گھرا پڑا ہے۔ وہاں سے نکل نہیں سکتا۔

بہرحال خدائے پاک علم کی ثنا وصفت "حیاۃ" اور "نور" کے ساتھ فرماتا۔ اور نادانی و جہل کی مذمّت اُسے "ظلمت" (اندھیرے) سے تشبیہ دے کر بیان کرتا ہے۔ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

"یَا اَیُّھَا النَّاسُ اِعْقِلُوْا مِنْ رَبِّکُمْ وَتَوَاصَوْا بِالْعَقْلِ۔ تَعْرِفُوْا مَا اُمِرْتُمْ بِہٖ وَمَا نُھِیْتُمْ عَنْہُ۔ وَاعْلَمُوْا اَنَّہٗ یُنْجِیْکُمْ عِنْدَ رَبِّکُمْ وَاعْلَمُوْا اَنَّ الْعَاقِلَ مَنْ اَطَاعَ اللّٰہَ وَاِنْ کَانَ ذَمِیْمَ الْمَنْظَرِ حَقِیْرَ الْخَطَرِ رَدِیَّ الْمَنْزِلَۃِ رَثَّ الْھَیْئَۃِ۔ وَاِنَّ الْجَاھِلَ مَنْ عَصَی اللّٰہَ تَعَالٰے۔ وَاِنْ کَانَ جَمِیْلَ الْمَنْظَرِ عَظِیْمَ الْخَطَرِ شَرِیْفَ الْمَنْزِلَۃِ حَسَنَ الْھَیْئَۃِ فَصِیْحًا نَطُوْقًا"۔ الحدیث

لوگو! اپنے خدا کو عقل کے ذریعہ سے پہچانو اور ایک دوسرے کو عقل سے کام لینے کی ہدایت کرتے رہو۔ اِس طرح تم پہچان جاؤ گے۔ کہ تمہیں کیا حکم دیا گیا ہے۔ اور کس بات سے تم منع کئے گئے ہو۔ معلوم رہے کہ یہ علم تم کو خدا کی معرفت حاصل کراویگا۔ یاد رکھو کہ عقلمند وہی ہے۔ جو حکم خدا کی اطاعت کرتا ہو۔ اگرچہ وہ بھونڈی شکل کا، کم رُو، ادنیٰ درجہ کا آدمی اور گندہ میلا کچیلا لباس پہنتے ہو۔ اور خدا کی نافرمانی کرنے والا ضرور جاہل ہے۔ گو وہ حسین، وجیہ، ذی عزت عالی مرتبت، خوش لباس اور کیسا ہی خوش بیان آدمی کیوں نہ ہو۔

اور ارشاد ہوا: "اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ الْعَقْلُ فَقَالَ لَہٗ اَقْبِلْ۔ فَاَقْبَلَ۔ ثُمَّ قَالَ لَہٗ اَدْبِرْ فَاَدْبَرَ۔ فَقَالَ: وَعِزَّتِیْ وَجَلَالِیْ مَا خَلَقْتُ خَلْقًا ھُوَ اَکْرَمُ عَلَیَّ مِنْکَ بِکَ اُثِیْبُ وَبِکَ اُعَاقِبُ وَبِکَ اٰخُذُ وَبِکَ اُعْطِیْ"

سب سے پہلے اللہ پاک نے عقل کو پیدا کیا۔ اور اُسے حکم دیا۔ سامنے آ۔ وہ سامنے آگئی۔ پھر اُسے حکم کیا کہ پشت پھیر لے۔ اُس نے پیٹھ پھیر لی۔ اُس وقت اللہ پاک نے فرمایا: مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم ہے میں نے تجھ سے بڑھکر کوئی پیاری مخلوق پیدا نہیں کی۔ تیری ہی وجہ سے ثواب دونگا، عذاب کرونگا، لونگا، اور دونگا"۔

اور سرورِ عالم صلعم نے فرمایا:

"اِنَّ الرَّجُلَ لَیُدْرِکُ بِحُسْنِ خُلُقِہٖ دَرَجَۃَ الصَّائِمِ الْقَائِمِ وَلَا یَتِمُّ لِرَجُلٍ

بیشک آدمی اپنی خوش اخلاقی کے ذریعہ سے دن کو روزہ رکھنے اور رات بھر عبادت کرنے والے شخص کا درجہ پا لیتا ہے

حُسنُ خُلقہٖ حتّٰی یتمّ عقلہٗ - فعند ذالک تمّ ایمانہٗ واطاع ربّہٗ وعصٰے عدوّہٗ ابلیس"

اور خوش اخلاق کا پورا ہونا عقل کے کمال پر موقوف ہے۔ جب عقل بھی پوری ہو گئی۔ تو انسان کا ایمان کامل ہو جاتا ہے اور اُس وقت وہ اپنے خدا کی اطاعت اور اپنے دشمن ابلیس کی مخالفت کرتا ہے۔

اور ارشاد فرمایا ہے:

"لکلّ شیءٍ دعامۃٌ ودعامۃ المؤمن عقلہٗ فبقدر عقلہٖ تکون عبادتہ اما سمعتم قول الفجّار فی النار:- وقالوا لو کنّا نسمع او نعقل ما کنّا فی اصحاب السعیر"

ہر چیز کا ایک سہارا ہوتا ہے اور مردِ مومن کا سہارا اور مددگار اُس کی عقل ہے۔ جبقدر اُسمیں عقل ہوتی ہے۔ اُتنی ہی وہ خدا کی عبادت کرتا ہے۔ کیا تم نے دوزخ میں پڑے ہوئے بدکاروں کا یہ قول نہیں سُنا ہے؟ "اور اُنہوں نے کہا۔ کاش اگر ہم سنتے اور سمجھتے ہوتے تو ہم ہرگز اہل دوزخ میں سے نہ ہوتے"۔

اور "عمر رضی اللہ تعالٰے عنہ" سے مروی ہے۔ کہ اُنہوں نے "تمیم داری رضی اللہ تعالٰے عنہ" سے دریافت کیا۔ "تمہارے گروہ میں سرداری اور بزرگی کس بات کو مانتے ہیں؟" "تمیم داری رضی اللہ تعالٰے عنہ نے جواب دیا۔ "عقل کو" "عمر رضی اللہ تعالٰے عنہ" "تم نے بہت ٹھیک کہا میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا تھا تو آپ نے بھی یہی جواب دیا تھا جو تم نے دیا ہے۔ اور یہ جواب دے کر سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد کیا: "میں نے جبریل علیہ السّلام سے دریافت کیا تھا کہ سرداری اور بزرگی کیا چیز ہے؟ تو اُنہوں نے کہا "عقل"

اور "براء بن عازب رضی اللہ تعالٰے عنہ سے مروی ہے۔ اُنہوں نے کہا: "ایک دن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہت ساری باتیں دریافت کی گئیں۔ تو آپ نے فرمایا:

"یا ایّھا النّاس لکلّ شیءٍ مطیّۃ ومطیّۃ المؤمن العقل، واحسنکم دلالۃ ومعرفۃ بالحجّۃ افضلکم عقلاً"

لوگو! ہر چیز کی ایک سواری ہوتی ہے۔ اور مرد ایمان دار کی سواری عقل ہے۔ تم میں سے سب سے اچھا دلیل وحجّت کا جاننے اور پیش کرنے والا ہی عقل میں بھی افضل ہے"۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰے عنہ سے مروی ہے کہ جس وقت رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم جنگ اُحد سے واپس تشریف لائے۔ آپ نے لوگوں کو یہ کہتے سُنا کہ فلاں آدمی فلاں شخص سے بڑی

میں بڑھا ہوا ہے۔ اور فلاں آدمی جنگ میں بہ نسبت فلاں شخص کے زیادہ ثابت قدم رہا۔ وغیرہ اس وقت آپ نے فرمایا: ”ان لوگوں نے اُسی اندازہ سے جنگ کی جس قدر خدا تعالےٰ نے اُن کو عقل سے حصّہ دیا تھا۔ اُن کی نصرت و کامیابی باندازۂ عقل و فہم تھی۔ اِس لئے اُن میں سے جو لوگ قتل کئے گئے وہ مختلف منزلتوں پر قبول ہوئے ہیں۔ قیامت کا دن آئیگا۔ تو وہ سب اپنی اپنی منزلتوں اور مرتبوں کو اپنی نیتوں اور عقلوں کے موافق حاصل کرلینگے“ یا جیسا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا۔

بُراء بن عازب رضے اللہ تعالےٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم محمد صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد کیا:۔

”جدّ الملائکۃ و اجتہدوا فی طاعۃ اللہ سبحانہ و تعالےٰ بالعقل۔ وجدّ المومنون من بنی آدم علےٰ قدر عقولہم فاعملہم بطاعۃ اللہ اوفرھم عقلاً“	اللہ پاک کی طاعت و عبادت میں فرشتوں نے اپنی عقل سے کوشش کی اور اولاد آدم کے ایمانداروں نے اپنی عقل کے مطابق سعی سے کام لیا۔ لہذا جس شخص کو جتنی ہی زیادہ عقل ہے وہ اُتنا ہی زیادہ خدا تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت کرتا ہے۔

اور بی بی عائشہ صدیقہ رضے اللہ تعالےٰ عنہا سے روایت ہے۔ اُنہوں نے بیان کیا: کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم سے دریافت کیا: ”یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم! دنیا میں آدمیوں کو ایک دوسرے پر بڑائی حاصل کرنے یا پانے کا کیا ذریعہ ہے؟“ رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد کیا ”عقل“۔ میں نے عرض کیا“ اور آخرت میں؟“ آپ نے فرمایا ”عقل“ پھر میں نے کہا“ اور کیا یہ بات درست نہیں کہ آدمیوں کو جزا و سزا محض اُن کے اعمال کے موافق ملیگی؟“ اُسکے جواب میں حضور روحی فداہٗ نے فرمایا:۔

”لکلّ شیءٍ آلۃٌ وعدّۃٌ“ و آلۃُ المومنِ العقلُ۔ ولکلّ شیءٍ مطیّۃٌ و مطیّۃ المرءِ العقلُ۔ ولکلّ شیءٍ دعامۃٌ“ و دعامۃ الدین العقلُ۔ ولکل قومٍ غایۃٌ و غایۃ العباد العقلُ۔ ولکل قومٍ	ہر چیز کا ایک آلہ اور سامان ہوتا ہے۔ اور مؤمن کا آلہ اُسکی عقل ہے۔ ہر شئی کی کوئی نہ کوئی سواری ہوتی ہے۔ آدمی کی سواری عقل ہے۔ ہر چیز کی ایک سند ہوتی ہے۔ اور دین کی سند عقل ہے۔ ہر قوم کی کوئی اصل غرض ہوتی ہے۔ اور عباد کی غرض اصلی عقل ہے ہر قوم کا کوئی نہ کوئی داعی ہوا کرتا ہے۔ اور عبادت گذ

داعٍ وداعي العابدين العقل ولكل تاجرٍ بضاعة وبضاعة المجتهدين العقل۔ ولكل اهل بيتٍ قيّمٌ وقيّم بيوت الصديقين العقل ولكل خرابٍ عمارةٌ وعمارة الآخرة العقلُ۔ ولكلّ امرئٍ عقبٌ ينسب اليه ويذكر به وعقب الصديقين الذي ينسبون اليه ويذكرون به العقلُ۔ ولكلّ سفرٍ فسطاطٌ و فسطاط المؤمنين العقلُ " الحديث"

والوں کا داعی عقل ہے۔ ہر ایک سوداگر کی کوئی پونجی ہوتی ہے۔ اور مجتہدین کی پونجی عقل ہے۔ ہر ایک کنبہ والوں کا کوئی مکھیا ہوتا ہے۔ اور صدیقین کے گھروں کی مکھیا عقل ہے۔ ہر ویرانہ کی کوئی آبادی ہوتی ہے۔ اور آخرت کی آبادی عقل ہے۔ ہر شخص کی کوئی نسل ہوتی ہے جو اُسکی طرف منسوب اور اُسکی یادگار ہوتی ہے۔ اور صدیقین کی اولاد جو اُنکے نام و نسب کو برقرار رکھے عقل ہے۔ اور ہر ایک سفر کرنے والی جماعت کا کوئی محافظ ہوا کرتا ہے اور مومنین کا محافظ عقل ہے۔

پس جبکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک عقل کا یہ مرتبہ اور شرف ہے۔ جو کہ اِن احادیث سے ثابت ہوا۔ اور بغیر از عقل ایمان، دین، علم، دنیا، اور آخرت، کچھ بھی نہیں حاصل ہو سکتا تو چاہئیے کہ یہ دین محمدی صلعم عقل و سمجھ کا دین ہو، نہ کہ تقلید اور اندھی پیروی کا۔ اور یہی وجہ ہے کہ اِس دین کے اصلی عالموں کی نظر میں کوئی آدمی اُس وقت تک سچے دل سے دین کی سُنی ہوئی باتوں پر یقین اور ایمان رکھنے والا نہیں کہلا سکتا۔ جب تک کہ وہ عقل سے اُسکی صداقت کو نہ پہچان لے۔ اور پھر اُس پر دلیل نہ قائم کر سکے۔ اور یہی علماء کہتے ہیں کہ اگر کوئی نقل خلاف عقل ہو تو عقل کو اُس نقل پر مُقدم رکھنا اور نقل کی اُس کے معنے کے مناسب حال تاویل کر لینا چاہئیے لیکن اگر یہ بات درست نہ ہو سکے۔ تو سمجھو کہ وہ امر ایسا ہے۔ جس کا علم اللہ تبارک وتعالےٰ نے اپنی ہی ذات پاک کے لئے مخصوص رکھا ہے " واللہ یہدی من یشاء الی صراط مستقیم ہ"

تئیسواں جوہر۔ اَقسام عُلوم کی کُنجیاں ہیں۔

خداتعالےٰ نے اپنی پیدا کی ہوئی چیزوں کی قسم کھائی ہے۔ اور قسم ایسی چیزوں کی کھائی جن کی شکل حسین ہے، فائدہ بڑا ہے، اور جن کا حساب حیرت انگیز ہے۔ اسی طرح کی چیزیں پروردگار جل شانہ نے اپنی قسموں میں گنوائی ہیں۔

قاعدہ کی بات ہے۔ کہ انسان انھی اشیاء کی قسم کھاتا ہے۔ جن کو اپنے نزدیک عظمت والی پاتا ہے۔ یا اُن کے دباؤ میں رہتا ہے۔ بیٹا جب کہیگا تو "باپ قسم" کہیگا یا قسم کھائیگی۔ تو حاکم کے سر کی۔ مرد سپاہی فوجی اعزاز کی قسم کھائیگا۔ اور روزیر و امیر بادشاہ کی قسم کھائینگے۔ اور اس کے علاوہ ہم آدمی کو اپنی آنکھوں کی قسم کھاتے بھی سُنتے ہیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ وہ آنکھوں کا فائدہ اور اُن کی اس خصوصیّت کو جانتا ہے۔ کہ آنکھیں نہ ہوں تو آدمی کا چہرہ بدزیب ہو جاتا ہے۔ مگر اللہ پاک نے ایسی چیزوں کی قسم کھائی ہے۔ جو اُسی کی آفریدہ اور پیدا کردہ ہیں۔ خلاً سورج، چاند، اور ستارے۔

اِس لئے سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ خدائے پاک کو ذلیل و مطیع مخلوقات کی قسم کھانے کی کیا ضرورت تھی۔ آیا وہ (معاذ اللہ) اِن اشیاء کا دباؤ مانتا ہے؟ نہیں۔ اور ہرگز نہیں۔ کب سمجھ میں آسکتا ہے۔ کہ خالق ہو کر مخلوق کا دباؤ مانے یا اُن کا محتاج رہے۔ پس ضرور ہے۔ کہ خداوند کریم نے اپنی اِن مصنوعات کی قسم کسی بڑی حکمت کی بنا پر کھائی ہو۔ اور وہ حکمت یہ ہے نوع انسان ایسی چیزوں کی قسم کھایا کرتی ہے۔ جن سے اُس کو بہت بڑا نفع پہنچتا ہو۔ اور اِسی بنا پر وہ اُن کی قدر کرتی ہے۔ خداوند کریم نے انسان کے اِسی فطری میلان کی بنا پر اپنی بعض قابل قدر مخلوقات و مصنوعات کے فوائد اُس پر آشکار بنانے کا یہ ڈھنگ اختیار کیا۔ کہ اُن کی قسم کھائی اور اِس طرح انسانوں کو اُن اشیا کی طرف توجہ دلائی تاکہ وہ اُنھیں پہچانیں اور اُن کے فوائد سے خبردار ہو کر نفع اُٹھائیں۔ ارادہ الٰہی یہ نہیں کہ انسان اُن مخلوقات کی عبادت کرنے لگے۔ کیونکہ لائق پرستش معبود تو خدا تعالےٰ کے سوا کوئی نہ ہے۔ اور نہ ہو سکتا ہے۔ ہاں جن اشیاء کی قسم کھائی گئی۔ اُن کی ایک طرح پر عزّت ظاہر ہوتی ہے۔ مگر اِس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ اللہ پاک نے اشیاء کی قسم کھا کر انسان کو اُن کے حاصل کرنے اور تحت و تصرّف میں لانے کا حوصلہ دلایا ہے۔ کیونکہ یہ غیر ممکن بات ہے۔ بلکہ اُن کی قسم کھانے کا مآل صرف یہ ہے۔ کہ انسان اُن کا علم حاصل کرے۔ اور مصنوعات باری تعالےٰ کے عجائب و غرائب پر واقف ہو کر اُس کی عظمت و جلالت کا قائل بنے۔ آسمانوں کی حرکات، روشنی کے علوم اور اُس کا حساب، اور مشرق و مغرب کے تغیرات معلوم کرے۔ اِن اجرام سماوی کی تشریح اور اُن کے حرکات و سکنات سے آگاہ ہو کر سمجھے کہ ایسی اعلےٰ و اشرف چیزوں کا خالق کیسا قادر مطلق اور صاحب حکمت ہے۔ ورنہ انسان دنیا کی ایسی عظیم مخلوقات تو کیا ادنےٰ ترین مخلوق پر بھی قبضہ و اقتدار نہیں رکھتا ہے۔ اور یہ

غلبہ واختیار مختار مطلق خدا کے سوا کسی کا حصہ بھی نہیں ہو سکتا۔

پروردگار عالم [illegible] نے اجرام علوی، اور اُن کے خواص، روشنیوں، اور مواقع کی بہت قسمیں کھائی ہیں۔ دیکھو، خدائے تعالےٰ نے۔ فجر و فلق یعنے صبح۔ شمس، آفتاب۔ ضحیٰ، وقت چاشت۔ نہار، دن۔ عصر، سہ پہر کا وقت۔ اور لیل، یعنے رات کی قسم کھائی۔ اور رات کے اُس وقت کو خاص فرمایا۔ جبکہ وہ اپنی تاریکی کے پردہ میں تمام مخلوقات کو چھپا لیتی ہے۔ گویا کہ وہ ایک کالی کملی ہے۔ جو تمام عالم پر پھیلا دی گئی ہے۔ اِس کے بعد رات کے چلنے کی قسم یوں کھائی "واللیل اذا یسر" یعنے رات کرۂ زمین کے گرد چلتی پھرتی رہتی ہے۔ وہ دن کے پیچھے چلتی ہے۔ اور دن اُس کے پیچھے آتا ہے۔ ہر ایک عربی مہینے کی پہلی دش ابتدائی راتوں کی قسم اِس لئے کھائی کہ اُن میں اندھیرے کا حصّہ روشنی پر غالب رہتا ہے۔ "والنجم اذا ھویٰ" ستارہ کے ڈوبنے کی قسم اُن کے غروب ہونے پر متنبہ بنانے کے لئے کھائی۔ ستاروں کے مواقع اور اُن جگہوں کی قسم کھائی جہاں وہ واقع ہیں۔ اور اُن کے دَور کے دائروں کی بھی قسم کھائی۔ پھر اُس کے بعد فرمایا: وانّہٗ لقسمٌ لو تعلمون عظیمٌ" یعنی اگر تم معلوم کرو تو یہ بڑی قسم ہے۔ اِس سے بجز اِس کے اور کیا سمجھا جا سکتا ہے۔ کہ قسم کھا کر اُس کو بڑا بھی بتانا صرف اُن چیزوں کی طرف لوگوں کو توجہ دلانے کے ہم معنے ہے۔ جن کی قسم کھائی گئی۔ تاکہ اِنسان اُن ستاروں کو موقعوں اُن کے اندازوں، دُوریوں اور حرکات و سکنات کی معرفت و شناخت حاصل کرے۔ اور ارشاد کیا "واقسم بربّ المشارق والمغارب" یعنے آفتاب کے طلوع ہونے اور ڈوبنے کی جگہوں کا تعدّد ظاہر فرمایا۔ شفق۔ صبح و شام کی سُرخی۔ اور لیل۔ رات۔ اور اُس چیز کی جسکو رات نے جمع کر لیا ہے۔ قسم یاد کی۔ چاند، اور بُروج والے آسمان کی قسم کھا کر اُس کی معلومات پر راغب بنایا۔ تاکہ سال و ماہ۔ اور دنوں کا عِلم حاصل کرنا ضروری خیال کیا جائے۔ آسمان کی قسم کھاتے ہوئے اُس کی توصیف میں "ذات الحُبُک" یعنے ستاروں اور چاند کی رفتار کے راستے رکھنے والا۔ فرمایا۔ چاند کے اِتّساق۔ یعنے بدر کامل اور پوری طرح منوّر ہو جانے کے سوگند یاد کی۔ آسمان اور اُس کے بنانے والے کی قسم کھائی۔ "والنازعات غرقاً" فرما کر ستاروں کا اپنے قوس (کمان) نما دائروں سے شہاب کے تیر چلانا بیان کر دیا گویا کہ ستارہ انسان ہے، اُس کا دائرہ کمان ہے، اور گرنے والا شہاب (ٹوٹنے والا تارہ) تیر ہے۔ جو اِس کمان سے چلایا جاتا ہے۔ اور بیان فرمایا کہ ستارے اپنی چال میں مستعدی اور

تیزی قائم رکھتے ہیں۔ تاکہ سال کے اثناء میں سورج کی طرح اور مہینے کے اندر چاند کے مانند اپنا دورہ پورا کرلیں۔ چنانچہ ارشاد کرتا ہے "وَالنَّاشِطَاتِ نَشْطاً وَالسَّابِحَاتِ سَبْحاً۔ فَالسَّابِقَاتِ سَبْقاً" یعنے وہ ستارے جو دوسرے ستاروں سے آگے بڑھ کر تیزی کے ساتھ اپنا دورہ ختم اور پورا کردیتے ہیں۔ "فَالْمُدَبِّرَاتِ أَمْراً" اور وہ یہی ستارے ہیں۔ کیونکہ انتظام وتدبیر عالم اُنہی سے پورا ہوتا ہے۔ اللہ پاک نے ان ستاروں، مخلوقات، اور اُن کے موقعوں کا ذکر فرماکر سامعین کو اُن کے حالات سے بحث کرنے پر مستعد بنایا اور اُکسایا ہے۔ جس کے ذریعہ سے وہ علمِ فلک اور کواکب کے مقررہ اوقات ومقامات اور حساب کو معلوم کرسکیں۔ اُن کی دوریوں کا، اُن کے اَجرام کا، اور اُن کی تحلیل وشمار کا تا امکان پتا لگائیں پھر کائنات عالم میں روشنی کے وجود وغیرہ کی تحقیق وتفتیش کریں۔

پھر اس طرح فلک اور اَجرامِ آسمانی کی قسم کھاکر اور اُن کے فوائد کی طرف توجّہ دلاکر پروردگارِ عالم نے ایسی چیزوں کی بھی سوگند یاد کی جو آسمان کے نیچے اور کرۂ زمین کے گرد محیط ہیں۔ اور اس سلسلہ کو غبار اور ابخرات کی اُٹھانے اور اُڑانے والی ہواؤں کے ذکر سے شروع کیا۔ اور فرمایا "وَالذَّارِيَاتِ ذَرْواً" اُن ہواؤں کی قسم جو ابخرات کو زمین سے جُدا کردیتی ہیں۔ اور اُس کے بعد بادلوں کی قسم کھائی جو پانی برسنے کے وسائل ہیں۔ اور ارشاد کیا "فَالْحَامِلَاتِ وِقْراً"۔ زمین اور اُس کے عُمدہ طور سے مستحکم بنانے اور بچھانے کی سوگند کھائی۔ پہاڑوں کی قسم بھی کھائی۔ اور فرمایا "وَطُورِ سِينِينَ"۔ یعنے طورِ سیناء کی قسم ہے۔ پھر نباتات کو لیا اور "وَالتِّينِ وَالزَّيْتُونِ" انجیر اور زیتوں کی قسم کھائی۔ اُس شہر کو بھی اِسی ضمن میں لے لیا۔ جس سے ہمارے آقا وسردار حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نکلے ہیں۔ اور ارشاد کیا "وَهَذَا الْبَلَدِ الْأَمِينِ"۔ گھوڑوں کی بھی قسم کھائی اور فرمایا "وَالْعَادِيَاتِ ضَبْحاً" اُن گھوڑوں کی قسم ہے جو دوڑنے میں ہانپتے جاتے ہیں۔ اور اتنے ہی پر بس نہیں کیا۔ بلکہ ہر ایک ذی حِس اور محسوس ہونے والی چیز کی سوگند یاد کی۔ گویا کہ خدائے پاک نے ہر ایک محسوس اور ہر ایسی چیز کی قسم کھائی۔ جو کہ اِس اِحساس کو محسوس کرتی ہے۔ یا یوں کہو کہ ناطق اور صامت دونوں کی قسم کھائی اور کہا "وَشَاهِدٍ وَمَشْهُودٍ"۔ روز قیامت، یوم الجزاء، اور یوم المیعاد کی بھی قسم کھائی۔ جس میں لوگوں کو اپنے اعمال کی جزا ملیگی۔ لکھی اور شائع شدہ کتابوں کی قسم کھائی جن کو لوگ بالعموم پڑھا کرتے ہیں۔ دریا کی قسم کھائی۔ اور پھر تمام اپنی پیدا کی ہوئی

چیزوں کے لئے قسم کی تقسیم فرمائی ہے۔ ”فَلَآ اُقۡسِمُ بِمَا تُبۡصِرُوۡنَ وَمَا لَا تُبۡصِرُوۡنَ“۔ اور اس طرح گویا خدائے پاک نے ہر ایک چیز کی قسم کھالی۔ کیونکہ عالم کی دو ہی قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو دکھائی دیتا ہے اور دوسرا وہ جو نظر نہیں آتا۔ اور بعد ازیں ایک اور تقسیم وارد کی اور طاق وجفت کی قسم کھائی۔ اس میں شک نہیں کہ عدد یا جفت ہے اور۔ یا۔ طاق۔ غرضکہ یہ بھی بیس کے قریب قسمیں ہیں۔ جن کے ذریعہ سے زمین، ہوا، ابر، پہاڑوں، نباتات، اور حیوانات، کو احاطہ کرلیا ہے۔ اور پھر ان میں سے انسان کو خاص بنا کر ارشاد کیا ”وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ“ یعنی آدم اور اُن کی اولاد وغیرہ کی قسم ہے اور بعدہ اُس کی مزید تخصیص فرماتے ہوئے ارشاد کیا ”وَنَفۡسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا“، اور اس طرح نفوس اور اُنکے بنانے اور درست کرنے کی قسم کھائی۔

اب تم دیکھو گے کہ پروردگار عالم جل جلالہٗ نے دنیا کی تمام اصل اشیاء کی قسم کھاکر آخر میں اپنی پیدا کی ہوئی اُن سب چیزوں کی بھی قسم کھائی ہے۔ جن کو خواہ ہم آنکھوں سے دیکھتے ہوں یا نہ دیکھتے ہوں۔ الحاصل یہ عُلویات کی بیس قسمیں اور اتنی ہی سفلیات کی قسمیں اس بات کا فائدہ دیتی ہیں کہ خداوند کریم نے اپنے بندوں پر عُلویات اور سفلیات دونوں کے بارہ میں ایکساں غور و تامل سے کام لینے کا حکم فرمایا۔ اور اُن پر حساب، ہندسہ، طبعیات، کیمیا، علم العمران (پولیٹیکل اکانومی)، اور علم النفس وغیرہ تمام علوم وفنون کا جاننا واجب قرار دیا ہے۔ اس لئے کہ مذکورہ بالا قسموں میں جو خدائے قادر مطلق اور خالق برحق نے کھائی ہیں۔ اُنہی چیزوں کی طرف توجہ دلائی ہے جو کہ ان عُلوم وفنون کی ماخذ اور ان کا سرچشمہ ہیں۔ اور گویا کہ جو قوم ان چیزوں سے جاہل رہیگی اور ان کی طرف توجہ نہ کریگی۔ اور جیسا اُن پر غور وخوض کرنا چاہئے۔ اُس کا حق ادا نہ کریگی وہ حکم الٰہی اور ارادۂ خالق سے سرتابی کریگی۔ اور اس نافرمانی وروگردانی کی جو سزا ہو سکتی۔ وہ اُس کو ضرور ملیگی ”سُنَّةَ اللّٰہِ فِیۡ خَلۡقِہٖ“۔

ہم نے ان اقسام کو عُلوم کی کنجیاں کہا ہے۔ اُس کی وجہ یہ ہے۔ کہ ان میں خدائے پاک نے محض علوم کے اصل اور جواہر کو اُن کی طرف توجہ دلانے اور عقول کو اُن پر مائل بنانے کے لئے ذکر فرمایا ہے تاکہ روشن خیال عُلماء اور ہونہار قومیں اُن کی بحث وتحقیق میں سرگرم مصروف ہوں۔ اور خود انہی قسموں کو عُلوم نہ کہنے کا سبب یہ ہے کہ آگے چل کر ہم جن آیات کا ذکر کرینگے۔ اُن کے ذریعہ سے ان جواہر میں سے ہر ایک جوہر کی مناسب اور اُس کے حسب حال پوری تشریح و تفصیل کردی جائیگی۔

ناظرین! کتاب اللہ تعالےٰ سے تحصیل علوم پر ترغیب دلانے والی آیتوں کا بیان سُنکر آپ کو حیرت ہو جائیگی۔ اور آپ یہ معلوم کرلینگے کہ دینِ اسلام۔ دینِ محمدؐ علیہ الصلوٰۃ و السّلام علومِ حکمت، سچے تمدّن، حقیقی نظام و عمران، ترقی نفوس، اور ارتقاءِ نوع انسان کا دین ہے یہ وہ دین ہے جو کنزِ مخفی کی طرح گوشۂ نسیان و خاکِ بے نشانی میں چھپا ہوا ہے۔ موجودہ زمانہ کے آتش دماغ علماء اور فلسفی اُس کا انکشاف نہیں کرسکے اور اُس کے روح پرور فیض سے مستفیض نہیں ہو سکے۔ اور خود اِس دین کے علماء بھی افسوس ہے۔ کہ اُس کی حقیقی خوبیوں سے دور ہو کر اسے محو و معدوم کر چکے ہیں۔ بس صرف تھوڑے سے عبادات و معاملات کے حصّے ضروریات زندگی میں شامل ہونے کے باعث معلوم و معمول بہا پائے جاتے ہیں۔ جو بحرِ عظیم کے سامنے ایک قطرہ اور سر بفلک پہاڑ کے مقابل میں ایک ذرّہ سے بڑھ کر حیثیت نہیں رکھتے مجھے امید ہے کہ میری یہ کتاب دین قویم کے جلال و جمال کی آب و تاب کے جلوے دکھا سکیگی۔ اُس کے کُنہ معانی کو روشنی میں لائیگی، اور اُس کی صاف و واضح شرح و بسط کریگی۔ اور میں اِس اُمید کے حاصل ہونے کی دُعا اُسی مُسبّب الاسباب مُدبّرِ خلائق قادر حکیم سے کرتا ہوں جو ناتوانوں کو توانائی دیتا۔ اور اپنی راہ کے متلاشیوں کو سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔ بارِ الٰہا! مجھے راستی اور دُرستی کی توفیق دے۔ اور جس طرح تو نے یہ بات میرے دل میں ڈالی ہے۔ کہ میں تیرے دینِ مبین کی تجلّیاں لوگوں پر آشکار کروں۔ ویسے ہی اپنی طرف سے مجھے یہ توفیق بھی عنایت فرما کہ میرا قلم اِس بارہ میں جادۂ صواب سے نہ ہٹے۔ اور میں یہ کڑی منزل خوبی و آسانی کے ساتھ طے کر جاؤں۔ بیشک تو اپنے بندوں پر نہایت مہربان، اور رحم کرنے والا ہے۔

دینِ اسلام کے عُلوُم

تمہید: قبل ازیں علوم اسلام کی اجمالی تعداد اور اُس کے موضوع ہم بیان کر چکے تھے۔ لیکن چند فائدوں کے خیال سے پھر یہاں اُنکا ذکر کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں علوم اسلام چھ قسموں پر منقسم ہیں:۔

(۱) علوم کائنات سب سے زیادہ ضروری علوم ہیں۔ اور ان میں ہی توحید باریتعالےٰ داخل ہے۔

(۲) خرافات اور اوہام پرستی کو چھوڑ دینا۔ مثلاً بُت پرستی اور خدائے تعالےٰ کے ساتھ کسی اور کو شریک فی العبادت بنانا۔

(۳) اخلاق، مثلاً سچائی۔ امانت، اور مومن کا مومن سے دوستی و محبت رکھنا۔

(۴) عمران۔ (آبادیٔ دنیا) اور قوموں کے حالات پر غور کرنا۔

(۵) عبادات۔ یہ دنیا میں مذکورہ سابق اجزا کو کامل بناتے اور آخرت میں بندہ کو قرب خدا تک پہنچاتے اور ترقی دے دیتے ہیں۔

(۶) احکام، حدود، اور تعزیرات۔ اِن علوم کا مرجع بالذّات (حقیقتاً) احوال دنیا اور اُس کے نظام کی طرف ہے۔ اور تبعاً یعنے بہ پیرویٔ دُنیا آخرت میں بھی فائدہ دیتے ہیں۔

اب ہم کتاب اِلٰہی سے اِن سب قسموں کا اجمالی ذکر کئے دیتے ہیں۔ تاکہ یہ دین خود اصلی اور مُقدّس خداوندی کتاب ہی کے ذریعہ سے ناظرین کے خیال میں آسکے۔ اور وہ اجمالاً اِس سے واقف ہوجائیں۔ اور پھر دوبارہ ہم اُنہی عُلوم کی تا امکان اختصار کے ساتھ تفصیل بھی کرینگے اور ضروری و مناسب تنبیہیں ناظرین کی یاد دہانی اور فائدہ رسانی کے لئے اُن پر مُستزاد کرینگے۔ اور شاید کہ منظورِ خدا ہو۔ تو ہم کسی اور کتاب میں اِن آیات کی پوری پوری تفسیر بھی کردیں۔

:- چوبیسواں جوہر :-

پہلا باب۔ علوم قرآن کا اجمال :-

(۱) علوم کائنات۔ خدائے تعالےٰ نے کتاب مقدس میں لوگوں پر ان علوم کا جاننا واجب قرار دیا ہے۔ اور فرمایا ہے۔

"قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" ترجمہ۔ جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے ذرا اُسکی طرف نظر تو کرو۔ (۱۰ : ۱۱۱)

یہاں نظر کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور نظر کرنا اِسی بات کا نام نہیں کہ سرسری نگاہ ڈال لو اور بس کیونکہ یہ تو ادنےٰ آدمی بھی کرسکتا ہے۔ اور ایک مرتبہ تاک لینا کچھ مفید نہیں پڑتا۔ لہذا ثابت ہوا کہ اس جگہ نظر کرنے کے معنے کچھ اور ہیں۔ اور وہ یہ معنے ہیں کہ دل کی آنکھ سے دیکھو اور عقل و دماغ سے کام لے کر اُن پر غور کی نظر ڈالو۔ اور جبکہ کسی قوم نے اِس حکم کے ماننے سے روگردانی کی تو

اسکو یوں ملامت کرکے ڈانٹ بھی بتا دی :-

"اَوَلَمْ يَنْظُرُوا فِي مَلَكُوتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ وَاَنْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ"

کیا اُن لوگوں نے زمین و آسمان کے انتظام اور خدا کی پیدا کی ہوئی کسی چیز پر بھی نظر نہیں کی۔ اور اس بات پر کہ عجب نہیں جو اُس کی موت قریب آگئی ہو۔ تو اب اتنا سمجھانے پیچھے اور کونسی بات ہے جسکو سن کر ایمان لے آئینگے۔ (۷: ۱۸۷)

اور قوموں کو یہ تہدید کردی کہ اگر وہ اِس دُنیا اور اس کی کائنات کو چشم بصیرت سے نہ دیکھینگی تو عنقریب وہ سب قومیں نادانی میں مبتلا ہوکر فنا اور جہنم رسید ہوجائینگی۔ فرماتا ہے :-

"اِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ج رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ج سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ" (۳: ۱۸۹ و ۱۹۰)

کچھ شک نہیں کہ آسمان و زمین کی بناوٹ اور رات و دن کے ردّ و بدل میں عقلمندوں (کے سمجھنے) کے لئے (قدرت باری کی) بہتری نشانیاں (موجود) ہیں۔ جو کہ کھڑے اور بیٹھے اور پڑے خدا کو یاد کرتے اور آسمانوں اور زمین کی ساخت پر غور کرتے ہیں (اور بے اختیار بول اُٹھتے ہیں کہ) اے ہمارے پروردگار تو نے اس (کارخانۂ عالم) کو بیفائدہ (تو) نہیں بنایا تیری ذات (ایسے فعل عبث سے) پاک ہے (اور یہ کارخانہ خبر دے رہا ہے کہ آخرت میں نیکی کی جزا اور بدی کی سزا ہونی ہے) تو اے ہمارے پروردگار ہمکو دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھیو۔

اور فرمایا۔ "اِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ

بیشک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات دن کے ادل بدل میں اور جہازوں میں جو لوگوں کے فائدہ کی چیزیں (یعنی مال تجارت) لیکر سمندر میں چلتے ہیں۔ اور مینہ میں جسکو اللہ آسمانوں سے برساتا۔ پھر اُسکے ذریعہ سے زمین کو اُسکے مرے پیچھے پھر زندہ (یعنی شاداب) کر دیتا ہے اور ہر قسم کے جانوروں میں جو خدا تعالٰی نے روئے زمین پر پھیلا رکھے ہیں اور ہواؤں کے ہیر پھیر میں اور بادلوں میں جو (بحکم خدا) آسمان و زمین کے مابین گھرے رہتے ہیں۔ غرضکہ ان سب چیزوں میں

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ○ (۲: ۱۶۴)

اُن لوگوں کے لیے جو عقل رکھتے ہیں (قدرت خدا کی بہتیری ہی) نشانیاں موجود ہیں۔

اور ارشاد کیا: "اِنَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ○ وَفِیْ خَلْقِکُمْ وَمَا یَبُثُّ مِنْ دَآبَّۃٍ اٰیٰتٌ لِّقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ ○ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّھَارِ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ فَاَحْیَا بِہِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِھَا وَتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ اٰیٰتٌ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ○ (۴۵: ۳ و ۴ و ۵)

بیشک ایمان والوں کیلئے آسمانوں میں اور زمین میں (قدرت خدا کی بہتیری ہی) نشانیاں ہیں۔ اور (لوگو!) تمہارے پیدا کرنے میں اور (نیز) جانوروں میں جنکو وہ روئے زمین پر اپھیلاتا رہتا ہے (قدرت خدا کی بہتیری ہی) نشانیاں ہیں۔ مگر اُن ہی لوگوں کے لئے جو یقین لانے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اور نیز رات دن کی آمد و شد میں اور مینہ رزق (یعنے پانی) میں جسکو خدا آسمان سے اتارتا پھر اُسکے ذریعہ سے زمین کو مرے (پڑے) پیچھے زندہ کر دیتا ہے اور ہواؤں کے ردوبدل میں (قدرت خدا کی بہتیری ہی) نشانیاں ہیں (مگر) اُن ہی لوگوں کے لئے جو عقل رکھتے ہیں۔

×××××××××××××××××××

الغرض یہ پانچ آیتیں تمام عُلوم پر غور و نظر کرنے کے حکم کو شامل ہیں۔ آسمان، ابر، پانی، ہوا، حیوان اور اُس کی تشریح، اور جمادات اور اُن کے نظام و قواعد سب کی نسبت معلومات حاصل کرنے کی پرزور ہدایت اِن آیات سے مفہوم ہوتی ہے۔ اور اگر اسکے بعد بھی تم کو کسی ایسی آیت کے سننے کا شوق ہو جو تمام عالم پر شامل ہے تو اللہ پاک کا یہ قول سورۃ النحل میں پڑھو۔

"خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَۃٍ فَاِذَا ھُوَ خَصِیْمٌ مُّبِیْنٌ" تا قولہ تعالیٰ "وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَۃَ اللّٰہِ لَا تُحْصُوْھَا اِنَّ اللّٰہَ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○[1]" (۱۶: ۴-۱۸)

اور اب ہم قسم اوّل کے اتنے ہی بیان پر اکتفا کرکے اُس کی مزید تفصیل اور طوالت کو تیسرے حصہ کے لئے چھوڑے دیتے ہیں۔ جہاں اپنے موقعہ سے اسکی اور بھی تشریح کیجائیگی +

ناظرین! آپ کو تعجب ہوگا کہ میں نے اب تک کیوں تفصیل سے اِس بات کا ذکر نہیں کیا۔ اور مجھے یہ حیرت ہے کہ آپ اتنے ہی مجمل بیان سے تصدیق و تسلیم پر کیوں مائل ہوگئے۔ ہاں خوب یاد آیا۔ آپ کو خدائے تعالےٰ کا اجرام عالمِ عُلوی اور سفلی کی قسم کھانا اور اِس طرح سمجھدار نفوس اور غور سے کام لینے والے دلوں کو بحث و تحقیق کا مشتاق بنانا۔ یاد آگیا ہوگا۔ مگر یہ بھی خیال رہے کہ اُس کے متعلق ہنوز آپ کو (۷۵۰) آیتوں میں سے صرف چھ آیتیں سنائی گئی ہیں۔ جن کی باقی

[1] یہ آیات مع ترجمہ حصہ دوم میں درج ہو چکی ہیں۔ مترجم

تعداد بھی علوم کی ترغیب دلانے اور روحانی، جسمانی، علوی، اور سفلی معارف پر متوجہ کرنیکی ہدایتوں سے بھری ہوئی ہے۔ اور اُن سے پوری واقفیت حاصل کرنے کے بعد آپ کو یہ حیرت و سراسیمگی مبہوت بنائیگی۔ کہ موجودہ زمانہ کے مسلمان ایسے اعلےٰ ہدایت نامہ کے ہاتھ میں رکھتے ہوئے کیوں پسپا اور نکبت زدہ ہوکر کمزور و درماندہ بن گئے۔ اور ذلیل اقوام کے درجہ میں اُتر آئے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں نے بڑی اور اہم چیزوں کو مہمل چھوڑ دیا۔ اور اصل اصول کو ترک کر کے محض ایسی ہی باتوں کی پیروی کی جن میں تھوڑی بہت جسمانی محنت درکار تھی۔ اور آسانی و راحت طلبی کی بُری عادت نے اُنہیں عقلی اور دماغی قوتوں سے کام لینے کا موقعہ نہیں دیا۔ جس سے وہ غور و بحث کا مفید مشغلہ تج بیٹھے اور ترقی و تقدم سے محروم ہوگئے۔

پچیسواں جوہر

(دوسری قسم مُضرِ عقل اور مخالفِ عقیدہ باتوں کا ترک کردینا)

اللہ پاک جاہل انسانوں کو بت پرستی کی مذموم حرکت پر ملامت کرتا ہوا فرماتا ہے:-

(۱) "اَفَرَاَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى وَ مَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى" (۵۳: ۱۹: ۲۰)	(مشرکو! بھلا تم نے لات اور عزیٰ اور وہ جو ایک تیسری (دیوی) اور ہے منات (ان بتوں کے حال) پر بھی نظر کی (کہ اُنہیں کچھ بھی قدرت ہے)

× ×

لات، عُزّےٰ، اور منات، یہ تین بُت تھے۔ جن کو مشرکین عرب پوجتے تھے۔ اللہ پاک مشرکین سے خطاب فرما کر ارشاد کرتا ہے۔ کہ تم نے اِن حقیر و بے حقیقت مورتیوں میں کیا بات دیکھی ہے۔ جو کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچا سکتیں۔ اور پھر ارشاد ہوا:

(۲) "اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ ۝ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ" (۳۷: ۹۵: ۹۶)	کیا تم ایسی ہی چیزوں کو پوجتے ہو۔ جن کو خود آپ تراشتے ہو۔ حالانکہ تم کو اور جن چیزوں کو تم بناتے ہو۔ سب کو اللہ ہی نے پیدا کیا ہے ٭

مشرکین سے فرماتا ہے۔ کہ جن حقیر چیزوں کو تم نے خود ہی اپنے ہاتھوں سے بنا لیا۔ اور تراشا ہے۔ کیا تم انہی کی عبادت بھی کرتے ہو؟؟؟ حالانکہ خدا تمہارا اور اِن تمہارے تراشے ہوئے بتوں۔ دونوں کا پیدا کرنے والا ہے۔ اور تم کو عبادت اُسی کی کرنا چاہیئے۔" اور کہتا ہے:-

"أُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ط اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ه (۲۱:۶۷)

تف ہو تم پر اور اُن چیزوں پر جن کو تم خدا کے سوا پوجتے ہو۔ کیا تم (اتنی بات بھی) نہیں سمجھتے۔

اللہ پاک مشرکین سے بطور ملامت کے کہتا ہے۔ تمہارا بُرا ہو اور تم اور جن کو تم خدا کے سوا پوجتے ہو دونوں رحمت سے دور اور ہلاکت میں گرفتار ہوں۔ کیونکہ معبود کا ایک ہی ہونا ضروری ہے۔ اور اُسکے خلاف کبھی نہیں ہو سکتا۔

(۴) اور اللہ پاک ارشاد کرتا ہے:۔

"وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُنِ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ذَالِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ يُضَاهِئُوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ" (۹:۳۰)

اور یہود کہتے ہیں کہ عزیر اللہ کے بیٹے ہیں۔ اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ مسیح اللہ کے بیٹے ہیں۔ یہ اُنکے مونہہ کی کہن ہے لگے اُن ہی کافروں کی سی باتیں بنانے جو ان سے پہلے ہو گذرے ہیں۔ خدا انکو غارت کرے (دیکھو تو) کدھر کو (شیطان کے بھٹکائے ہوئے) بھٹکے چلے جا رہے ہیں

اُس قوم کی مذمت کرتا ہے۔ جنہوں نے نصاریٰ اور چند یہودیوں کی طرح خدا کے اولاد اقرار دی ہے۔ اور کہا کہ وہ اپنے سے پہلے گذری ہوئی قوموں کے مشابہ ہیں جو کہ اپنے بعض بڑے آدمیوں کو بڑھا چڑھا کر خدا کی اولاد بتایا کرتی تھیں۔ اور اُس کے بعد ایسی لوگوں کو بد دُعا دی ہے۔ اور کہا کہ اللہ اُنہیں قتل کرے۔ یہ اشارہ ہے اُن پر لعنت کرنے اور اُن کو خسارہ میں ڈالنے کی طرف۔ اور یہ فرمایا ہے کہ وہ کہاں بھٹکے چلے جاتے ہیں۔ یعنے عذاب سے کیونکر بچینگے۔

اور ابراہیم خلیل علیہ السلام کا حال بیان کرتے ہیں۔ یوں ارشاد کیا ہے:۔

"وَلَقَدْ اٰتَيْنَا اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عَالِمِيْنَ ه اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عَاكِفُوْنَ ه قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عَابِدِيْنَ ه قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ه قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ

اور ابراہیم علیہ السلام کو ہم نے ابتدا ہی سے فہم سلیم عطا کی تھی اور ہم اُن کی صلاحیت سے واقف تھے۔ جب انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ یہ مورتیں جنکی تم پرستش کرتے ہو۔ اور اُس پر جمے بیٹھے ہو یہ ہیں کیا چیز؟ وہ بولے ہم نے اپنے بڑوں کو انہی کی پرستش کرتے دیکھا ہے۔ ابراہیم نے کہا کہ بے شک تم اور تمہارے بڑے صریح گمراہی میں پڑے رہے۔ وہ بولے

أَمْ أَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ ٥ الآيات" (۲۱: ۵۱ تا ۷۶)

تو ہمارے پاس سچی بات لیکر آیا ہے یا دل لگی کرتا ہے (آخر آیات تک ترجمہ تک از ترجمۃ القرآن حافظ نذیر احمد خانصاحب)

اور ایسے ہی موسےٰ علےٰ نبینا علیہ السلام کا قصہ بھی بیان کیا ہے اور از انجملہ کہا ہے

"قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ آبَائِكُمُ الْأَوَّلِيْنَ ٥ قَالَ إِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِيْ أُرْسِلَ إِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ ٥ قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا إِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ٥ (۲۶: ۲۸ و ۲۹ و ۳۰)

(موسیٰ علیہ السلام نے) کہا وہی تم لوگوں کا پروردگار اور تمہارے اگلے باپ دادوں کا پروردگار۔ (فرعون نے پھر اپنے مصاحبوں سے خطاب کرکے) کہا کہ ہو نہ ہو یہ تمہارا رسول جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے۔ باؤلا ہے (موسیٰ نے کہا وہی، پورب پچھم اور جو کچھ ان دونوں میں ہے۔ سب کا مالک اگر تم کچھ عقل رکھتے ہو۔

قرآن کریم میں ابراہیم علیہ السلام اور اُن کی قوم اور موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے مابین مکالمہ ہونے کا یہ نمونہ کس لئے ذکر کیا گیا؟ اس لئے کہ قوم (اہل اسلام) کو گمراہیاں اور وہم پرستی ترک کرکے حکمت، علم اور توحید الہی کے راستہ پر چلنے کی ہدایت و رہنمائی فرمائے:۔

دین اسلام صرف اُنہی باتوں کو اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے۔ جو کہ عقل و سمجھ میں آسکتی ہیں اور تمام امور میں تقلید ہی کرنا پسند نہیں کرتا۔ دیکھو اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

"فَبَشِّرْ عِبَادِ ۙ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ أَحْسَنَهٗ ط أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَأُولٰٓئِكَ هُمْ أُولُوا الْأَلْبَابِ ٥ (۳۹: ۱۶ و ۱۷)

ہمارے اُن بندوں کو خوشخبری سنا دو۔ جو (ہمارے) کلام کو کان لگا کر سنتے اور اُس کی اچھی اچھی باتوں پر چلتے ہیں یہی تو وہ لوگ ہیں۔ جنکو خدا نے نیک ہدایت دی ہے اور یہی تو عقل (سلیم بھی) رکھتے ہیں

اِس کلام پاک میں انسان کو اچھی بات کی پیروی کا حکم ملا ہے۔ اب تم ہی بتاؤ کہ عقل و ادراک میں آنے والی مفید بات سے بڑھکر اور کیا چیز اچھی ہے؟ پس فائدہ کی معقول بات کا اختیار کرنا اور بُری و مُضر باتوں کو ترک کر دینا ہی دین اسلام کی سچی ہدایت ہے۔ اور خدا تعالےٰ نے ایسے ہی بندوں کو بھلائی کا مژدہ دیا۔ اور اُنھیں اپنا خاص بندہ گردانا ہے پھر اُن کی تعریف یوں کی ہے۔ کہ وہ ہدایت یافتہ ہیں۔ اور عقل سلیم رکھنے والے۔

قرآن کریم میں موسےٰ علیہ السلام، فرعون کے جادوگروں اور بنی اسرائیل کے مابین جو مکالمات ہوئے تھے۔ اُن کا بیان پڑھو پھر تم کو معلوم ہوگا۔ کہ اس تاریخی قصہ اور تذکرہ میں کیا خوبی و حکمت

شامل ہے۔ فرعون کے جادوگروں کو علم سحر کی منزلت و مقدار معلوم تھی۔ اُنہیں اِس بات کا یقین ہوگیا۔ کہ عصائے موسوی علیہ السلام نے اسرارِ سحر کی قوتوں سے ہرگز اُن کی جادو کی رسیوں کو نہیں نگل لیا ہے۔ کیونکہ وہ اِس عِلم کے کامل ماہر اور رمز شناس تھے۔ اور موسیٰ علیہ السلام بھی ساحر ہوتے۔ تو اُن کا حال اُن جادوگروں پر مخفی نہ رہتا۔ پس جب اُنہوں نے اِس کے سوا اور کوئی بات نہیں پائی کہ موسےٰ علیہ السلام کی قوّت علم و ہنر پر مبنی نہیں۔ بلکہ آسمانی اور خدائی تائید کا کرشمہ ہے۔ اور اُن کا دین حق ہے تو وہ اپنے عقل و ذوق کے مناسب برہان و معجزہ کو دیکھ کر فوراً ایمان لے آئے۔ اور موسےٰ علیہ السلام کی صداقت کا یقین اُن کے قلب میں جاگزین ہوگیا۔ فرعون کے جادوگر کون تھے۔؟ موسےٰ علیہ السلام کے دشمن۔ فرعون کے حلقہ بگوش بندے، اُس کے لشکری، اُس کے مددگار، اور اُس کے دین و مذہب کے ارکان۔ اِن ہی جادوگروں پر مصری قوم کا اپنے قدیم دین کی اشاعت اور نئے (موسوی ؑ) دین کی تردید و تخریب میں اعتماد تھا۔

لیکن بنی اسرائیل نہ تو حکیم تھے اور نہ بڑے زبردست عالم۔ اِس واسطے اُن سے جو خطاب کیا گیا وہ اُن کی عقل کے لائق اور اُن کے حِسّی علوم کے مناسبِ حال تھا۔ اُن کے رو برو معجزہ و برہان پیش ہوا۔ جس کو وہ آنکھوں سے دیکھ سکیں اور اُنہوں نے دیکھا کہ ایک لکڑی کی لاٹھی بڑے زبردست جادو کو باطل و نابود کر دیتی ہے۔ اور موسیٰ علیہ السلام کا گندم گون ہاتھ سفید اور چمکدار بن جاتا ہے۔ تو وہ ظاہری معجزات کو دیکھکر ویسا ہی ظاہری اور سطحی ایمان لے آئے۔ حتےٰ کہ جب اِس بات کو کچھ زمانہ گزر گیا۔ اور وہ بحری راستہ طے کر کے حدودِ ایشیا میں پہنچ گئے۔ تو اُنہوں نے موسےٰ ؑ سے یہ فرمائش کی:۔

"قَالُوْا یَا مُوْسَی اجْعَلْ لَنَا اِلٰھًا کَمَا لَھُمْ اٰلِھَةٌ ط قَالَ اِنَّکُمْ قَوْمٌ تَجْھَلُوْنَ ۔ اِنَّ ھٰٓؤُلَاۤءِ مُتَبَّرٌ مَّا ھُمْ فِیْهِ وَبَاطِلٌ مَّا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۔

(۷: ۱۳۸-۱۳۹)

اُنہوں نے کہا اے موسیٰ علیہ السلام ہمیں بھی کوئی ایسا ہی بُت بنا دو۔ جیسے اُن لوگوں کے بُت ہیں موسیٰ علیہ السلام نے کہا تم جاہل لوگ ہو۔ بیشک یہ بت پرست جس دین میں ہیں۔ وہ ہلاک ہونے والا ہے اور جو عمل یہ سب لوگ کرتے رہے ہیں۔ وہ سب لغو ہیں۔

یعنے ان لوگوں کا عمل تباہ ہونے والا اور لغو ہے۔ اور اُس کے بعد موسیٰ علیہ السلام نے کہا۔

"قَالَ اَغَیْرَ اللّٰهِ اَبْغِیْکُمْ اِلٰھًا وَّ

کہا۔ کیا تم چاہتے ہو کہ خدا کے سوا کوئی اور معبود

هُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ ۔ تمہارے لئے بھیج پہنچا دوں۔ حالانکہ اُسی نے تم کو دنیا جہان کے لوگوں پر برتری دی ہے (تو کیا اُسکو احسان کا یہی بدلہ ہے؟) (۱۳۹:۸)

غرضکہ قرآن کا یہ مکالمہ اور ایسے ہی دیگر قصص اور مکالمات لوگوں کے لئے پند و نصیحت، سمجھنے کے ذرائع، اور اعلےٰ درجہ کی حکمتیں ہیں۔ اُن کو ظاہری قصہ سمجھ لینا ٹھیک نہیں۔ بلکہ اُنکی اصلی مراد ان ہی مغز کلام، حکمتوں، اور اسرار کا معلوم کرنا ہے۔ اور یہاں اس مکالمہ میں یہ راز ہے کہ:

جاہل جو ظاہری اور اوپری باتوں کو دیکھکر ایمان لاتا ہے۔ اُس کا ایمان ثابت اور مستقل نہیں ہوتا۔ مگر یہ کہ وقتاً فوقتاً اُسکی استقامت میں اضافہ اور خرابیاں دور کرنے کی کوشش جاری رہے۔

دیکھو! موسیٰ علیہ السلام صرف چالیس روز ہی بنی اسرائیل سے جُدا رہے تھے۔ کہ اُنھوں نے خدا کے ساتھ شرک کر کے بچھڑے کی پرستش شروع کر دی۔ یہ کیوں؟ اس لئے کہ جو شخص عصا کا مشاہدہ ہی میں آنے والا معجزہ دیکھکر اور اُسے جادو کی رسّیاں نگل لیتے معائنہ کر کے سطحی بات پر ایمان لے آیا تھا۔ ضروری تھا کہ وہ ایک سونے کے بچھڑے کی مورت پر بھی جو آواز کرتی ہو ایمان لے آئے۔ وجہ ایمان محسوسات کا مشاہدہ تھا۔ اور یہ بات دونوں صورتوں میں پائی جاتی ہے بس ظاہر پرستوں کے واسطے تھوڑی سی مماثلت اور مشابہت ہی کافی ہوگئی۔

مگر معقولات کی حالت اس سے بالکل جُدا ہے۔ وہ ایک دوسرے سے الگ معلوم ہونے والی اور سچی باتیں ہوتی ہیں۔ اُن میں کوئی التباس نہیں ہوتا۔ فرعون کے جادوگر معقول اور ادراک میں آنے والی بات پر ایمان لائے تھے۔ حق کی صداقت اُن کے دلوں میں اثر کر گئی تھی۔ فرعون نے اُن سے کہا "میں تم کو کھجور کی شاخوں پر سولی چڑھاؤنگا۔ ورنہ ایمان سے باز آجاؤ" تو اُن عاشقانِ حق نے جان کی کچھ بھی پرواہ نہیں کی اور صاف کہدیا "ہم تو اپنے خدا پر اس لئے ایمان لائے ہیں کہ وہ رحم و کرم سے ہماری خطائیں بخش دے"۔ ساحروں کے ایمان پر ثابت قدم رہنے اور جان پر کھیل جانے کی وجہ اُن کا پختہ عقیدہ تھا کہ جس دین کو اُنھوں نے مانا ہے۔ وہ سچا اور واقعی الہی دین ہے۔ اور بنی اسرائیل کا ایک ذرا سی بات پر ایمان ڈانواڈول ہوگیا۔ وہ حیرت انگیز اور عجیب و غریب دستکاری کا بنا ہوا بچھڑا دیکھ کر اُس پر لٹو ہو گئے۔ اور بہت سی قوموں کو مورتیں پوجتے دیکھکر اپنی معمولی بھدی عقل اور محدود سمجھ کی طرف اُلٹے پیروں چلے آئے۔ پھر اُنھوں نے موسیٰ سے پوجا کرنے کے لئے مورتیں بنا دینے کی درخواست کی۔

اس طرح کے مکالمات قرآن میں نہایت کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ اور وہ سب انسانوں پر اس بات کو ضروری اور لازمی قرار دیتے ہیں۔ کہ اپنے دینی، عقلی، اور معاش دُنیا کے کاموں میں عقل کے پیرو رہیں۔ اور قرآن نے عقل سے روگردانی کرنے والوں کی بہت سی آیتوں میں مذمت بھی کی ہے۔ قال اللہ تعالےٰ:۔

"اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْ يَعْقِلُوْنَ ؕ اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ۝ (۲۵: ۴۴)	یا تم خیال کرتے ہو۔ کہ اِن کافروں میں اکثر (باتکو) سُنتے یا سمجھتے ہیں۔ یہ تو بس چوپایوں کی طرح کے ہیں۔ بلکہ یہ (اُن سے بھی) اگئے گذرے ہیں ؏

××××××××××××××××××××××

اور اِس بارہ میں قرآن میں قریب ایک ہزار آیتوں کے پائی جاتی ہیں۔ جن کے علاوہ بیشمار مقاموں پر غور، اور سمجھ، ترک کرنے والوں کو سختی کے ساتھ بُرا بھلا کہا اور بُرے انجام سے ڈرایا ہے۔ اور "اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ"، "اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ"، "اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ"، ہزاروں جگہ قرآن میں آیا ہے۔

خلاصہ یہ ہے۔ کہ تمام کتاب اللہ عقل، فکر، غور، اور تامل ہی سے کام لینے کی ہدایت کرتی ہے تاکہ آدمی جو کام بھی کرے بغیر اُسکی تصدیق کر لینے اور اُسکا بھلا بُرا سوچ سمجھ لینے کے ہرگز نہ کرے اور اُسکی تفصیل آئندہ کسی مفصّل باب میں اپنے موقعہ سے آئیگی۔

تیسری قسم: آداب۔ آداب اور معاملات و اخلاق کی خوبیوں کی بابت قرآن کریم میں آٹھ سَو آیتوں کے قریب پائی جاتی ہیں۔ تم دیکھوگے کہ خداوند کریم سچائی، ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرنے (رشتہ داروں، یتیموں، مسکین و محتاج لوگوں، اور مسافروں) کی مدد اور خاطرداری کا ایماء فرماتا ہے۔ فقیروں کی دستگیری، اور راہِ خدا میں، علم و عمل، اور حکمت کے ساتھ جہاد (کوشش) کرنے کا حکم دیتا ہے۔ چنانچہ اب ہم سابقہ اقسام ہی کی طرح اِس قسم میں بھی خفا اور اجمال سے کام لیکر نمونتاً کچھ آیتیں درج کرتے ہیں۔ قال اللہ تعالےٰ

"قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فَاعِلُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ	ایمان والے اپنی مراد کو پہنچ گئے۔ (اور یہ) وہ لوگ ہیں، جو اپنی نماز میں عاجزی کرتے اور وہ جو نکمی باتوں کی طرف رُخ نہیں کرتے۔ اور جو زکات دیا کرتے اور وہ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے۔ مگر اپنی

لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ ۝ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ۝ فَمَنِ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَوَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ۝ أُولَٰئِكَ هُمُ الْوَارِثُونَ ۝ الَّذِينَ يَرِثُونَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝ (۲۳:۱:۱۱)

بیبیوں یا اپنے ہاتھ کے مال (یعنی لونڈیوں) سے کہ (ان میں) اُنپر کچھ الزام نہیں۔ لیکن جو کہ اس کے علاوہ طلبگار ہوں۔ تو وہی لوگ ہیں جو (شرع) سے باہر نکلے ہوئے ہیں۔ اور وہ جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا پاس ملحوظ رکھتے۔ اور وہ جو اپنی نمازوں کے پابند ہیں۔ یہی لوگ (آدم کے اصلی) وارث ہیں جو بہشت بریں کی میراث پائینگے (اور) اُس میں ہمیشہ (ہمیشہ) رہینگے۔

یہاں نماز میں عاجزی کرنے کا حکم اِس لئے دیا۔ کہ اِس ذریعہ سے نفس انسانی اپنے پاک ومقدس عالم (روح یا آخرت) کی طرف رجوع لائے۔ بُری بات کہنے اور لغو کام کرنے سے منع کیا لہذا انسان پر لازم ہے کہ وہ اپنی تمام حرکات وسکنات کو میزان عقل وراستی پر تول کر اُن کے صیحح ودرست ہونے کا اندازہ کرے۔ زکات کا فرمان صادر کیا۔ زکات نام ہے۔ فقیروں اور مسکینوں کی مدد کے لئے مال کے ایک مقررہ حصّہ کو الگ نکال دینے کا جس کے احکام ومسائل اور دینی ودنیوی فوائد اپنی جگہ پر معلوم ہوگئے ہیں۔ زنا (بدکاری) سے الگ رہنے' اور عورتوں میں سے صرف حلال عورتوں کے سوا اور کسی کے قریب نہ جانے کی ہدایت فرمائی۔ جو لوگ امانت' مال وزر' علوم اور بھیدوں' اور قول وقرار کی پاسداری اور حفاظت ونگرانی کرتے ہیں۔ اُن کی تعریف فرمائی۔ قول وقرار دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جو کہ اللہ تعالےٰ سے کئے گئے ہیں اور دوسرے وہ جو انسانوں کے فیمابین ہوتے ہیں۔ اُن لوگوں کی بھی تعریف کی جو اپنی نمازوں کی حفاظت کیا کرتے ہیں اور اُن کے وقت پر ادا کرنے کا خیال رکھتے ہیں۔ اور پھر ان سب باتوں کے بعد ارشاد کیا کہ یہی لوگ باغ فردوس کے مالک ہیں اور آدم علیہ السلام کا ترکہ پدری ایسے ہی شخصوں کو حاصل ہوگا۔ ان آیات میں جو سلسلہ کے لحاظ سے ایک ہی آیت ہے آٹھ زریں ہدایات شامل ہیں۔ اور اب ایک اور آیت درج کی جاتی ہے۔ جس میں دس ایسی ہدایتیں بترتیب وتشریح ذیل شامل ہیں

مندرجہ تحت آیت میں خدائے پاک دین اسلام کو ماننے والوں کی مدح فرماتا ہے۔ اور اُن کی جو کہ خدا کی تصدیق واطاعت کرتے۔ قول وفعل میں سچائی اور راستی کے پابند رہتے۔ واجب اعمال اور مصائب پر صبر کرتے۔ آپس میں ایک دوسرے سے ہمدردی رکھتے۔ اور حتیٰ قدر مقدرت

ہوتی ہے۔ اُس انداز سے صدقہ و خیرات کیا کرتے۔ سال میں کچھ دن روزے رکھتے اور اس طرح صافی نفوس میں بلند و شریف روح پر چلا کرتے۔ اپنے شرم کے مقاموں کی بُرے اور بیجا استعمال سے نگہبانی کرتے۔ اور خدا کو بہت یاد کرتے رہتے ہیں۔ اور وہ یہ آیت ہے :-

"إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَانِتِينَ وَالْقَانِتَاتِ وَالصَّادِقِينَ وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْخَاشِعِينَ وَالْخَاشِعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّائِمِينَ وَالصَّائِمَاتِ وَالْحَافِظِينَ فُرُوجَهُمْ وَالْحَافِظَاتِ وَالذَّاكِرِينَ اللَّهَ كَثِيرًا وَالذَّاكِرَاتِ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا"

(۳۳:۳۳)

بیشک مسلمان مرد اور عورتیں۔ اور ایمان والے مرد اور ایماندار عورتیں اور فرمانبردار مرد اور فرمانبردار عورتیں اور راست گو مرد اور راست گو عورتیں اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنیوالی عورتیں اور خاکساری کرنیوالے مرد اور خاکساری کرنیوالی عورتیں اور خیرات کرنیوالے مرد اور خیرات کرنیوالی عورتیں اور روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنیوالی عورتیں اور اپنے شرمگاہ کی حفاظت کرنیوالے مرد اور اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرنیوالی عورتیں اور کثرت سے خدا کو یاد کرنیوالے مرد اور کثرت سے خدا کو یاد کرنیوالی عورتیں۔ ان سب کیلئے اللہ نے ان کے کئے کا صلہ (یعنی گناہوں کی معافی تیار کر رکھی ہے۔ اور معافی کے علاوہ بڑے) بڑے اجر۔

. . . .

اور آیات ذیل میں بارہ اعلیٰ درجہ کی اخلاقی وصیتیں درج ہیں۔ قال اللہ تعالےٰ

"وَعِبَادُ الرَّحْمَٰنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا ۝ وَالَّذِينَ يَبِيتُونَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَقِيَامًا ۝ وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ۝ إِنَّهَا سَاءَتْ مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا ۝ وَالَّذِينَ إِذَا أَنْفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَٰلِكَ

اور (خدائے) رحمٰن کے (خالص) بندے تو وہ ہیں جو زمین پر فروتنی کے ساتھ چلیں۔ اور جب جاہل ان سے (جہالت کی) باتیں کرنے لگیں تو (ان کو) سلام کریں (اور الگ ہو جائیں) اور جو راتوں کو اپنے پروردگار کے آگے سجدے کریں اور دست بستہ کھڑے رہیں (یعنی نماز تہجد پڑھیں) اور جو دعائیں مانگا کریں کہ اے ہمارے پروردگار عذاب دوزخ کو ہم سے پرے ہی پرے رکھیو۔ کیونکہ دوزخ کا عذاب (بڑی بھاری) مصیبت ہے۔ تھوڑی دیر ٹھہرنا ہو تو اور ہمیشہ رہنا ہو تو دونوں حالتوں میں (بُری جگہ ہے اور جو خرچ کرنے لگیں۔ تو فضول خرچی نہ کریں اور نہ بہت تنگی کریں بلکہ انکا خرچ افراط و تفریط کے درمیان کی راس کا ہو۔ اور [illegible]

قَوَامًا ۝ وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ
اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ
الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ
وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ۙ
يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ
وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ۖ اِلَّا مَنْ تَابَ
وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا
فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ
حَسَنٰتٍ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا
رَّحِيْمًا ۝ وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا
فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ۝
وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ
وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ۝
وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ
لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا ۝
وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا
مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ
اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ۝
اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا
وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا ۝
خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا
وَّمُقَامًا ۝ " (۲۵: ۶۸-۷۶)

کے ساتھ کسی اور دیگر معبود کو نہیں پکارتے ہیں۔ اور ناحق (ناروا)
کسی شخص کو جان سے نہ ماریں کہ اسکو خدا نے حرام کر رکھا ہے
اور نہ زنا کے مرتکب ہوں اور جو (شرک اور گناہ) مذکورۂ بالا
کریگا وہ اپنے گناہ کا خمیازہ بھگتیگا۔ کہ قیامت کے دن اُسکو
دوہرا عذاب دیا جائیگا (شرک کا الگ اور دیگر گناہوں کا الگ)
اور ذلیل (و خوار) اُسی حالمیں ہمیشہ رہیگا۔ مگر جس نے توبہ کی اور
ایمان لایا اور نیک عمل کئے تو ایسے لوگوں کے گناہوں کو اللہ نیکیوں
سے بدل دیگا۔ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اور جو شخص توبہ
کرے اور (اسکے بعد وہ) نیک عمل (بھی) کرے تو وہ حقیقت
میں خدا کیطرف رجوع کرتا ہے۔ (ہاں خدا کے خاص بندے
وہ ہیں۔ جنکا مذکور ہوا) اور (نیز وہ) جو جھوٹی گواہی نہ دیں اور جب
(اتفاقاً) بیہودہ مشغلوں کے پاس ہو کر گزریں تو وضعداری
کیساتھ گذر جائیں۔ اور (نیز) وہ لوگ کہ جب انکو انکے پروردگار
کی آیتیں سُنا سُنا کر نصیحت کیجائے۔ تو اندھے اور بہرے ہو کر
نہ گریں (بلکہ از راہ تدبر سنیں اور نصیحت پکڑیں) اور جو دعائیں
مانگتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہمکو ہماری بیبیوں (کیطرف سے)
اور ہماری اولاد کیطرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عنایت
فرما۔ اور ہمکو پرہیزگاروں کا پیشوا بنا۔ یہی لوگ ہیں جنکو اُنکے
صبر کے بدلے (بہشت میں رہنے کو) بالاخانے ملینگے اور وہاں
دعا اور سلام کے ساتھ اُنکا استقبال کیا جائیگا (سو اگر
اور یہ لوگ) بہشت میں ہمیشہ (ہمیشہ) رہینگے (بہشت بھی) کیا ہی
اچھی جگہ ہے۔ تھوڑی دیر ٹھہرنے کیلئے بھی اور ہمیشہ رہنے کیلئے بھی

ہَوْنًا۔ معنے ہیں تحمل و وقار۔ اور کمال کے ساتھ چلنا یعنے خدائے رحمٰن کے ان اوصاف سے
متصف ہوا کرتے ہیں۔ اور جاہل و کم فہم اشخاص اُن سے بدزبانی کے ساتھ یا بدسلوکی سے پیش
آتے ہیں۔ تو وہ نیک بندے ان کی خطا سے درگذر کرتے اور چھوٹے اور پیش پا افتادہ امور میں

آسانی و نرمی برتنے سے کام لیا کرتے ہیں۔ رات کو عبادت کرنے سے نماز تہجد مراد ہے۔ بلکہ اسی لفظ
میں ہر ایک عبادت کا عمل شامل ہے۔ اور خدا نے اچھے بندوں کی شناخت دوزخ کے عذاب
سے بچنے کی دعا کرتے رہنا قرار دیا ہے۔ کیونکہ وہ عذاب جان کو چمٹ جانے والا ہے علاوہ ازیں
اس عبارت سے یہ مفہوم بھی عیاں ہوتا ہے کہ اُن بندوں کو اپنی خطاؤں اور اپنے نفوس کو
عذاب کا لازم و ملزوم ہونا معلوم ہے۔ اور وہ جانتے ہیں کہ اگر گناہ کرینگے۔ تو ندامت گناہ کی
تکلیف بھی ان کے دل کو مبتلائے قلق رکھیگی۔ اور یہی حالت عذاب دوزخ کی ہے۔ کہ وہاں
قلبی تکلیف غیر منقطع ہوگی۔ اور عذاب کا تمام اثر روح پر پڑیگا۔ جو نفس ناطقہ بشری اور حس
و ادراک کا مبدا ہے۔ پھر فضول خرچی اور بخل دونوں افراط و تفریط کے پہلوؤں کا ذکر
فرما کر یہ بتا دیا کہ ان کے بین بین حالت پر قائم رہنا اور میانہ روی اختیار کرنا بہتر اور حفظ نظام
مالی کا اچھا ذریعہ ہے۔ بعد ازاں خدا کے ساتھ کسی اور شریک فی العبادت بنانے کی بُرائی
ظاہر کی اور توحید کے حق ہونے کا یوں ثبوت دیا کہ دنیا جس میں انسان زندگی بسر کرتا ہے
ایک ہی چیز ہے۔ ہر ایک ستارہ یا نظام شمسی کا مجموعہ اس عالم کے اعضاء کا قائم مقام ہے
اور یوں گویا تمام عالم بہیئت مجموعی ایک انسان ہے۔ جسکے متعدد اعضاء ظاہری اور باطنی
ہوتے ہیں۔ اور جسطرح ایک انسان کی تدبیر نفس واحد کرتا ہے۔ ویسے ہی دنیا کا مُدبّر بھی
ایک ہی ہو سکتا ہے۔ نہ کہ ایک سے زائد اور کئی ایک جھوٹی گواہی نہیں دیتے۔ بلکہ ہر ایک کام
یا فضول و بے فائدہ بات میں حصہ نہیں لیتے۔ اور اگر اتفاق سے کسی ایسے لغو اور خلاف آداب
عمل پر اُن کا گزر بھی ہو جاتا ہے۔ تو چپ چاپ آنکھیں نیچی کر کے جلد جلد وہاں سے آگے بڑھ
جاتے اور اُس پر نظر نہیں کرتے۔ لغو مجلسوں میں شریک ہونا بُرا جانتے ہیں اور علوم و حکمت
اور معارف الٰہی کی باتیں سننے کے شائق۔ رات دن نہائت عاجزی سے یہ دعا کرتے رہتے ہیں کہ
یا خدایا! ہماری بیویوں اولاد کو بھی ہمارے اتباع کی توفیق دے" اور ان کو اپنا ہمخیال بنانے
کی عملی کوشش بھی کرتے ہیں۔ اور متقین کا پیشوا بننے کی درخواست یہ معنی رکھتی ہے کہ جو اچھی
باتیں اُن کو معلوم ہیں۔ وہی اپنی قوم اور گھر والوں کو بھی بتلاتے اور اس طرح عام اصلاح و تہذیب
کے پھیلانے کی سعی کرتے رہتے ہیں۔ پھر ایماندار اور خدا کے نیک بندوں کے یہ اوصاف بیان
فرما کر آخر میں ان کی اس محنت و مشقت کا اجر بھی بتا دیا تاکہ دوسرے بندوں کو بھی ویسے ہی
عمل کرنے کی ترغیب ہو اور کہا کہ وہ ایسے لوگوں کو خدا کا دیدار نصیب ہوگا۔ اور وہ جنت یعنی

تر و تازہ قدرتی باغوں اور مرغزاروں میں بے فکری اور راحت و آرام کی ابدی زندگی بسر کرینگے۔ انشاء اللہ

سورۂ اسراء (بنی اسرائیل) میں پے در پے ایک ہی سلسلہ میں چوبیس وصیتیں آئی ہیں۔ (۱) عبادت الٰہی۔ (۲) ترک شرک (۳) ماں باپ سے اچھا سلوک کرنے کی ہدایت۔ (۴) انکو کچھ بھی سخت و سست کہنے یا اُن سے ذرا بھی برا سلوک کرنے کی ممانعت۔ (۵) انہیں جھڑکنے یا اُن سے سخت ہو کر کوئی بات کہنے کی شدید تاکیدی نہی۔ (۶ و ۷) ماں باپ کے سامنے عاجزی کرنے اور ان کی پرورش و تربیت کو یاد کر کے اُن کے لئے رحمت کی دُعا کرنے کی ہدایت (۸) قرابتدار غریبوں اور مسافروں کے ساتھ نیکی اور اچھا سلوک کرنے کا حکم (۹) ضروری خرچ اور خیرات میں فضول خرچی کا ترک کر دینا۔ (۱۰) اگر مالی استطاعت اتنی نہ ہو کہ سائل کا سوال پورا کیا جائے تو اُس سے شیریں کلامی کے ساتھ عذر کرنا۔ (۱۱) بخل سے دور رہنا۔ (۱۲) خرچ میں میانہ روی کرنا (۱۳) کسی جان کو ناحق ضائع اور قتل نہ کرنا (۱۴) زنا سے باز رہنا (۱۵) انبیاء علیہم السلام کو قتل کرنے کی ممانعت۔ (۱۶) قتل کا قصاص لینے میں زیادتی کرنے سے ممانعت (۱۷) یتیم کے مال میں دستبرد نہ کرنا (۱۸) خدا و رسول۔ آدمیوں۔ کتاب۔ ذمہ اور علم کے عہد کو پورا کرنا۔ (۱۹) ناپ کے پیمانوں کو پورا کرنا۔ (۲۰) تول پوری تولنا۔ (۲۱ و ۲۲ و ۲۳) فضول بات نہ کہنا۔ اور لغو کام نہ کرنا کیونکہ کان۔ آنکھ اور دل کے بابت قیامت کے دن آدمی سے پرسش ہوگی اور (۲۴) غرور و تکبر سے دور رہنا۔ غرضکہ یہ چوبیس نصیحتیں ہیں جو مسلسل پے در پے آیات میں اسی ترتیب سے بیان ہوئی ہیں جس طرح کہ ہم نے اوپر ان کی تفصیل دی ہے اور وہ آیات حسب ذیل ہیں:۔

"وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰـهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۝ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ

اور تمہارے پروردگار نے حکم قطعی دیدیا ہے کہ (لوگو!) اسکے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا اور والدین کیساتھ حسن سلوک سے پیش آنا (اے مخاطب) اگر والدین میں ایک یا دونوں تیرے سامنے بڑھاپے کو پہنچیں تو انکے آگے ہوں بھی نہ کرنا اور نہ انکو جھڑکنا اور انسے (کچھ کہنا سننا ہو تو) ادب کے ساتھ (کہنا سننا) اور محبت سے عاجزی کا پہلو انکے آگے جھکائے رکھنا اور (انکے حق میں) دعا کرتے رہنا کہ اے میرے پروردگار جس طرح انہوں نے مجھے چھوٹے سے کو پالا پوسا اور مجھ پر رحم کرتے رہے ہیں) اُسی طرح تو بھی ان پر اپنا رحم کیجیو

نُفُوْسِكُمْ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ
كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ۝ وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى
حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ
وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ۝ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ
كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ط وَكَانَ
الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ۝ وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ
عَنْهُمُ ابْتِغَاۗءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا
فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا ۝ وَلَا تَجْعَلْ
يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا
تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا
مَّحْسُوْرًا ۝ اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ
لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيَقْدِرُ ط اِنَّهٗ كَانَ
بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًا بَصِيْرًا ۝ وَلَا تَقْتُلُوْٓا
اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ط نَحْنُ
نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ط اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ
خِطْاً كَبِيْرًا ۝ وَلَا تَقْرَبُوا
الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ط
وَسَاۗءَ سَبِيْلًا ۝ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ
الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ط وَمَنْ
قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ
سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ ط
اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ۝ وَلَا تَقْرَبُوْا
مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِىَ اَحْسَنُ
حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ
اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا ۝ وَاَوْفُوا

(لوگو!) تمھارے دلکی بات کو تمھارا پروردگار خوب جانتا ہے
اگر تم (حقیقت میں) سعادتمند ہو (اور تم سے اپنے ماں باپ کے
حق میں بھول سے کوئی فروگذاشت بھی ہو گئی ہوگی) تو وہ
تم کو معاف کر دیگا کیونکہ وہ توبہ کرنیوالوں (کی خطاؤں) کا بخشنے
والا ہے۔ اور رشتہ دار اور غریب اور مسافر ہر ایک (کو اسکا)
حق پہنچاتے رہو (اور دولت کو) بیجا مت اڑاؤ کیونکہ دولت کے
بیجا اڑانے والے شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے پروردگار
کا بڑا ہی ناشکرا ہے۔ اور اگر تمکو اپنے پروردگار کے فضل کے انتظار
میں جسکی تمکو توقع ہو (مجبوری) ان (غربا) سے منہ پھیرنا پڑے
تو نرمی سے انکو سمجھا دو۔ اور اپنا ہاتھ نہ تو اتنا سکیڑ لو کہ (گویا)
گردن میں بندھا ہے اور نہ بالکل اسکو پھیلا ہی دو (ایسا کرو گے
تو تم ایسے بیٹھے رہ جاؤ گے کہ لوگ تم کو ملامت بھی کرینگے اور
تم تہی دست بھی ہو گے۔ (اے پیغمبر!) تمہارا پروردگار جسکی روزی
چاہتا ہے فراخ کر دیتا ہے اور جسکی روزی چاہتا ہے اپنی تُلی
کر دیتا ہے (اور) وہ اپنے بندوں (کے حال) سے باخبر اور انکی
ضرورتوں کا دیکھنے والا ہے۔ اور (لوگو) افلاس کے ڈر سے اپنی اولاد
کو قتل نہ کرو انکو اور تمکو ہم ہی روزی دیتے ہیں اولاد کا جان
سے مارنا بڑا بھاری گناہ ہے۔ اور زنا کے پاس (ہو کر بھی) نہ نکلنا
کیونکہ وہ بیحیائی ہے اور بہت ہی برا چلن ہے۔ اور کسی کی
جان کو جسکا مارنا اللہ نے حرام کر دیا ہے ناحق قتل نہ کرنا اور جو
شخص ظلم سے مار ڈالا جائے تو ہم نے اسکے والی (وارث) کو (قاتل سے قصاص
لینے کا) اختیار دیا ہے تو اسکو چاہیے کہ خون (کا بدلہ لینے) میں
زیادتی نہ کرے کیونکہ (وہ بھی بدلہ لینے میں بھی) اسکی جیت ہے
اور جب تک یتیم جوانی کو نہ پہنچ لے اسکے مال کے پاس بھی نہ جاؤ
مگر ایسی طرح کہ (یتیم کے حق میں) بہتر ہو۔ اور عہد کو پورا کیا کرو

الْكَيْلَ إِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ۝ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ ۚ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا ۝ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا ۖ إِنَّكَ لَن تَخْرِقَ الْأَرْضَ وَلَن تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُولًا ۝ كُلُّ ذَٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهُ عِندَ رَبِّكَ مَكْرُوهًا ۝ ذَٰلِكَ مِمَّا أَوْحَىٰ إِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ۗ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ فَتُلْقَىٰ فِي جَهَنَّمَ مَلُومًا مَّدْحُورًا ۝ (١٧: ٢٣-٣٩)

کیونکر قیامت میں) عہد کی بازپرس ہوگی۔ اور جب ماپ کر دو تو پیمانے کو پورا بھر کر دیا کرو اور تول کر دینا ہو تو) ڈنڈی سیدھی رکھکر تولا کرو (معاملے کا یہ بہتر طریق) ہے اور (اس کا) انجام بھی اچھا ہے۔ اور (اے مخاطب) جس بات کا تجھکو علم (یقینی) نہیں (اٹکل پچو) اسکے پیچھے نہ ہو لیا کر کیونکر کان اور آنکھ اور دل ان سب سے (قیامت کو دن) پوچھ گچھ ہونی ہے۔ اور زمین میں اکڑ کر نہ چلا کر کیونکر (اس وضع کے کیساتھ چلنے سے) تو زمین کو پھاڑ نہیں سکیگا۔ اور نہ (تن کر چلنے سے) پہاڑوں کی لمبائی کو پہنچ سکیگا (اے پیغمبر) ان سب باتوں میں جو بُری ہیں۔ سب ہی تو تمہارے پروردگار کے نزدیک ناپسند ہیں (اور اے پیغمبر یہ باتیں (بھی) ان (عقل و دانش) کی باتوں میں سے ہیں۔ جنکو تمہارے پروردگار نے تمہاری طرف وحی کیا ہے اور خدا کے ساتھ کوئی معبود نہ بنانا ورنہ تم ملزم (اور) راندۂ (درگاہ) بناکر جہنم میں جھونک دیے جاؤگے

اور اسی اجمال کے سلسلہ میں ہم پارہ ۵ کی ایسی ہی ہدایتوں کی ایک اور آیت درج کئے دیتے ہیں جو یہ ہے:-

"وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا ۖ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَبِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنبِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَن كَانَ مُخْتَالًا فَخُورًا (٤: ٣٦)

اور (لوگو) اللہ ہی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک مت ٹھیراؤ۔ اور ماں باپ اور قرابت والوں اور یتیموں اور محتاجوں اور قرابت والے پڑوسیوں اور اجنبی پڑوسیوں اور پاس کے بیٹھنے والوں اور مسافروں اور (جو لونڈی غلام) تمہارے قبضہ میں ہیں۔ اُن سب کے ساتھ سلوک کرتے رہو کیونکہ اللہ ان لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو اترائیں (اور) بڑائی مارتے پھریں۔

اس میں خدا کی عبادت کا حکم اس کی توحید ماں باپ سے اچھا سلوک کرنے رشتہ داروں اور یتیموں غریبوں، پاس کے پڑوسی اور پڑوسی کے پڑوسی اور دور تک کے پڑوسی سے بھی احسان کا امر کیا۔ اور ہر شخص دوست سے جو کہ گھر یا مدرسہ میں تمہارا ساتھی ہے۔ مثلاً بیوی اور ایسے ہی ہر وقت یا

بعض بعض وقت کے ساتھی اور احباب اور مسافر راہ چلتے سے اچھی طرح پیش آنے اور اُن کی مدد کرنے کا حکم دے کر آخر میں بالاعلان فرمادیا کہ اللہ بڑائی مارنے اور غرور رکھنے والوں کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔ اور نہ اُن سے راضی رہتا ہے۔ جو کہ اپنے قبضہ کے مال و علم میں دوسروں کے لئے کنجوسی کرتے ہیں۔ غرضکہ یہ پوری بلعبد ہدائتیں ہیں اور یہ لو ایک اور آیت جس میں یہ دس نصیحتیں موجود ہیں۔ توبہ۔ عبادت۔ خدا کا شکر۔ سیاحت روئے زمین۔ رکوع۔ سجدہ۔ اچھی باتوں کا حکم دینا اور بری باتوں سے منع کرنا۔ حرام چیزوں کا ترک کرنا اور واضح دلیلوں اور برہانوں کو سچ ماننا۔ آیت یہ ہے:۔

"اَلتَّائِبُوْنَ الْعَابِدُوْنَ الْحَامِدُوْنَ السَّائِحُوْنَ الرَّاكِعُوْنَ السَّاجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحَافِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ" (۹:۱۱۱)

(یہی لوگ ہیں جن میں اتنی صفتیں ہیں) توبہ کرنے والے عبادت گزار (خدا کی) حمد (و ثنا) کرنیوالے (خدا کی راہ میں) سفر کرنیوالے رکوع کرنیوالے سجدہ کرنیوالے (یعنی نماز گذار) لوگوں کو نیک کام کی صلاح دینے والے اور برے کام سے منع کرنیوالے اور اللہ نے جو حدیں باندھی ہیں۔ اُنکی نگاہ رکھنے والے۔ اور (اے پیغمبر) ایسے ایمانداروں کو خوشخبریاں سُنادو۔

غرضکہ یہ جملہ (۷۶) ہدائتیں ہیں۔ جن میں سے کچھ اس اجمال میں جلد تر فائدہ پہنچانے کی غرض مد نظر رکھ کر آیات مذکورہ بالا کے ضمن میں بیان کردی گئیں تاکہ تفصیل کا دروازہ وا کرنے سے پہلے ہی ناظرین کو اس آسمانی کتاب یعنے قرآن مجید اور فرقان حمید کے عجیب و غریب دلنشینی کی چاشنی چکھا دی جائے۔ اور اب ہم عنان قلم روک کر اخلاق و آداب کا زائد بیان تفصیل کے موقع کے لئے اٹھا رکھتے اور دوسرے امور کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

چوتھا باب

چھبیسواں جوہر۔ قرآن میں آبادکاری اور سیاست ملک کی ہدائتیں ہیں

قرآن کریم نے آبادکاری و تمدن، دول کے حالات اور ملکوں کے احوال کا نہایت اہتمام سے ذکر کیا اور کتنے ہی مقاموں پر قوموں کی زندگی اور فنا کے اسباب میں غور کرنے کا ایما فرمایا ہے۔ اس کی تفصیل تو آگے چل کر آئیگی۔ یہاں اجمال کے طور پر ہم چند ایسی آیتیں درج کرتے ہیں جنھیں علم عمران

کے کچھ مجمل اصول بتلائے گئے ہیں۔ اور ہمارا تاں اسی موضوع کے متعلق بعض صحیح حدیثیں بھی نکلیں گی تم دیکھو گے کہ قرآن پاک ہر ایک سورۃ میں نہیں۔ بلکہ ہر ایک چند آیتوں کے ضمن میں توحید اور ترک شرک کا ضرور حکم دیتا ہے۔ اس بارہ میں تاکید تکرار۔ اور عذاب کی دھمکی دھمکی ہیں بہت ہی مبالغہ کیا ہے یہانتک کہ فرمایا ہے:

"اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ" (پ ۵۔ رکوع ۱۴۶)	اللہ یہ گناہ تو معاف نہیں کرتا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک گردانا جائے۔ اور اس سے کم جس کو چاہے معاف کرے۔

یہ کیوں؟ ایک بڑی حکمت کے اقتضاء سے جس کے دو عظیم الشان اور قوی رکن ہیں اور وہ یہ ہیں۔ علم کی تحقیق اور عمران کا دوام وقیام۔ امر اول کی دلیل یہ ہے کہ جسوقت آدمی کو عالم الغیب قادر مطلق مختار کل اور حکیم علی الاطلاق خالق کا ایک ہی ہونا معلوم ہوجائیگا اور وہ سمجھ لیگا کہ اُس معبود یکتا کے سوا کوئی دوسرا معبود قابل پرستش نہیں ہے۔ تو اس کو یہ بھی علم ہوجائیگا کہ اس عالم کائنات میں ہر شخص کی رسائی فہم اس کے محدود علم کی حد سے آگے نہیں ہوئی ہے۔ اور اب وہ اسرار قدرت اور علوم فطرت کی معرفت حاصل کرنے میں تقلید اور روایتی مسلک کو چھوڑ کر دلیل و برہان کے ذرائع سے جد وجہد کریگا۔ اور اُس پر ثابت ہوجائیگا کہ اُس نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد جس پر یہ کتاب یعنے قرآن نازل ہوئی ہے۔ وحی کا سلسلہ قطعاً ٹوٹ گیا ہے۔ اور اسی پیارے نبی (صلعم) کے دین نے خدائے معبود کا کنبہ داری کے علائق سے پاک و منزہ ہونا ثابت کردیا۔ اور اس کا صاحب اولاد ہونا غلط اور باطل بنایا۔ لہذا اب صرف یہ طریقہ باقی رہا کہ اسی دین حنیف کی روشن شاہراہ پر چل کر علوم کو بذریعہ عقل وادراک سمجھنے اور اُن کے پیچ عقدے حل کرنے کی سعی کی جائے۔ ہلاک شدہ قومیں اپنے مذہبی عالموں اور دینی پیشواؤں کو خدا یا خدا کے اوصاف میں شریک مان کر ان کی ایسی گرویدہ ہوگئی تھیں کہ جو کچھ خرافات اور جہالت کی تاریکی میں جھوٹی روشنی دکھلانے والی باطل اور وہم پرستی کی باتیں اُن مقتداؤں نے بتائیں اُنھی کو ماننے لگ گئیں۔ اور اس طرح راہ حق سے دور، انوار علم سے مہجور اور جہالت کی تاریکی میں مستور ہوکر تباہی و بربادی کے گہرے غار میں جاگریں۔ ہاں اس موقعہ پر تم یہ کہوگے کہ اچھا اگر گمراہ کن علما اور مقتدایان دین سے مذہبی اصول کی تعلیم حاصل کرنا موجب خطر ہے۔ تو ہم اپنے نبی صلعم ہی سے کیوں نہ اس کے رموز وحقائق سیکھیں۔ کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہ دونوں ہمارے پاس موجود

ہیں اور ان کے ہوتے ہوئے ہم کو کسی دوسرے علم و حکمت کی کیا ضرورت اور تلاش باقی رہ سکتی ہے۔ مگر یاد رکھو کہ تمہارا یہ خیال بالکل درست نہیں۔ بے شک کتاب اللہ میں تمام علوم موجود ہیں اور اس کی بہ آسانی سمجھ میں نہ آنے والی باریکیاں حدیث نبوی کے ذریعہ سے واضح اور مفہوم ہو جاتی ہیں۔ مگر اول تو قرآن و حدیث میں محض علوم کے کلیات اور اجمالی اصول بتائے گئے ہیں جزئیات اور تفصیلی فروع و اصول کو طالب کی کوشش اور قوت غور و اکتساب کی سعی پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ اور اسی واسطے قرآن کریم اور حدیث شریف میں بکثرت بلکہ ہر جگہ ہمیں یہی ہدایت کی گئی ہے کہ جتنی چیزیں ہمیں نظر آتی ہیں اول سبھوں پر غور کیا کریں۔ اور بغیر تحقیق و تامل کے کسی بات کو مان لینے کا عزم نہ کریں۔ لہذا عالم کائنات میں غور و بحث کرنا اسی دین قویم کے مقتضیات میں سے ہے۔ اور اس کو چھوڑنے والے گناہگار و خطا وار ہوتے ہیں۔ دیکھو اللہ پاک ارشاد فرماتا ہے۔ "وَكَأَيِّن مِّنْ آيَةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ يَمُرُّونَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُونَ"

اور اصل دوم یوں ثابت ہوتی ہے کہ جب قوم کو نوع انسانی کے درحقیقت مساوی المرتبہ ہونے کا احساس ہوگا۔ وہ سمجھیگی کہ الٰہ معبود۔ مادہ سے برتر اور منزہ ہے اور اس کے ماسوا جتنی چیزیں نظر آتی ہیں۔ وہ سب موجود، معدوم، مربوب، مخلوق، اور مقہور ہونے میں برابر ہیں۔ کسی کو دوسرے پر کوئی فضیلت نہیں۔ اور وہ سب اُن ہی قوانین پر چل رہی ہیں جن کو اُن کے خالق اور آفریدگار نے مقرر کر دیا ہے۔ پس ایسی حالت میں بلاشبہ تمام قوم ہر چیز میں حصہ وار بنیگی اور انصاف و راستی کے ساتھ زندگی کو اپنے مابین حصہ رسدی تقسیم کریگی اور جو کام کریگی۔ باہمی مشورہ سے کریگی۔ اور اس طرح وہ سب افراد قوم مجموعی حیثیت سے خلفائے ارض ہونگے۔ اُن ہی کی باہمی مشورت سے قوانین تیار ہوا کرینگے۔ اور جتنی خوبیاں متمدن قوموں میں پائی جاتی ہیں وہ سب اُن میں موجود ہونگی۔ اور اس بنا پر ہم دیکھتے ہیں۔ کہ توحید کا مقصود محض صدق و راستی ہے۔ مگر یوں کہ علم کے بارہ میں تحقیق کے لحاظ سے اور عمران و تمدن کے باب میں راست بازی و صداقت کے انداز سے یہ مدعا پورا ہو سکتا ہے۔ ممکن ہے کہ تم کو ہمارا یہ قول بعید از فہم معلوم ہو اور تم اس کو تفسیر قرآن میں ہماری خود رائی اور ظلم کا نمونہ تصور کرو۔ یا اسے حیلہ سازی پر محمول ٹھیراؤ۔ اس واسطے ہم ایک بار پھر تمہاری توجہ قول باری تعالیٰ "اِتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ

مترجمہ۔ آلا یہ ہا کی طرف منتقل کرانا چاہتے ہیں حالانکہ ہمارے خیال کی صداقت منکشف ہو جاتی ہے۔ اور علاوہ ازیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اس آیۂ کریمہ کی تفسیر یوں ہی مانی ہے آپ سے اس کی نسبت سوال کیا گیا تھا تو آپ نے ارشاد کیا۔" وہ احبار اور رہبان اپنے پیروؤں کے لئے شریعتیں اور دینی طریقے مقرر کرتے ہیں"۔ دیکھو مخبر صادق صلعم نے اسی شریعت سازی کو الوہیت اور دعوائے خدائی فرمایا ہے۔ اور اس سے ہمارے بیان پر بہت کچھ روشنی پڑتی ہے۔ اور ایسے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اُن ہدایت ناموں پر غور کرنا بھی ہمارے بیان کی تائید کردیگا جو کہ حضور روحی فداہ نے شاہان عرب۔ ایران اور روم کے نام ارسال فرمائے تھے۔ اور ان میں آپ نے تحریر کیا تھا۔ قولہ تعالیٰ "يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ"

غور کرو کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیونکر مخلوق کو رب بنانے کی بُری عادت ترک کرنا ہی اپنی دعوت کا خاصہ لازمہ قرار دیا۔ کونسی دعوت اور کیسا پیام؟ کہ اس کا منشا بنی نوع کے حقوق کی مساوات اور یہ بات تھی کہ کوئی دنیاوی قانون اسوقت تک ہرگز نافذ اور واجب العمل نہ قرار دیا جائے۔ جب تک کہ تمام قوم سے اس کے بارہ میں رائے نہ حاصل کر لی جائے اور اُس کی عام رضامندی نہ مل جائے اور اب ہم ذیل میں چند ایسی آیتیں درج کرتے ہیں جو کہ انسانوں کو قوموں کے احوال پر غور کرنے اور اُن سے عبرت حاصل کرنے کی ترغیب دلاتی ہیں:۔

خداوند کریم ایک گروہ کو ملامت اور سرزنش کرتا ہوا ارشاد کرتا ہے:۔

(۱) "أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَتَكُونَ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَا أَوْ آذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا"	کیا یہ لوگ ملک میں چلے پھرے نہیں (چلتے پھرتے) تو ان کے دل ایسے ہوتے کہ انکے ذریعے سے (انجام کار کو) سمجھتے اور (انکے) ایسے کان ہوتے کہ انکے ذریعے سے (نصیحت کی باتیں) سنتے

اور چونکہ اس مقام پر کوئی یہ کہہ سکتا تھا کہ بہت سی قومیں مثلاً مشرقی ممالک کی قومیں ایسی ہیں کہ اُن کے دل اور آنکھ سب کچھ موجود ہے لیکن باوجود اس کے انہیں اپنے ہی ملک کے حالات کا علم نہیں تو دوسرے ممالک کا کیا ذکر۔ اسی لئے خدائے پاک نے سابق آیت کے بعد ارشاد کیا۔

"فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ"

(۲۲:۴۶)

بات یہ ہے کہ کچھ آنکھیں اندھی نہیں ہوا کرتیں۔ بلکہ دل جو سینوں میں ہیں وہ اندھے ہو جایا کرتے ہیں۔

اور ظلم و بدکاری کی وجہ سے قوموں کے ہلاک ہونے کی نسبت ارشاد کیا ہے۔

(۲) وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّاَنْشَاْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ۝ (۲۱:۱۱)

اور ہم نے بہت سی بستیوں کو جہاں کے لوگ (بڑے) سرکش تھے۔ توڑ پھوڑ کر برابر کر دیا اور انکے بعد دوسرے لوگ اٹھا کھڑے کئے۔

ظالم و بدکار قوم اپنی تباہی کی تیاریاں کرتی اور دوسری عادل و نیک چلن قوم کے لئے جگہ خالی کرتی رہتی ہے۔ ایسی قوموں کا معمول ہے کہ انہیں اپنے انجام کار کا احساس ہو جاتا ہے تو وہ ہلاکت اور تباہی سے بچنے اور عذاب کی مار سے چھوٹ جانے کے لئے جد و جہد کرتی ہیں۔ مگر اس مرحلہ پر قادر نہیں ہو سکتیں۔ اور اسکا بیان یوں فرماتا ہے۔

(۳) فَلَمَّآ اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَرْكُضُوْنَ ۝ لَا تَرْكُضُوْا وَارْجِعُوْٓا اِلٰى مَآ اُتْرِفْتُمْ فِيْهِ وَمَسٰكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْـَٔلُوْنَ ۝ قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝ فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ دَعْوٰىهُمْ حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا خٰمِدِيْنَ ۝

(۲۱:۱۲-۱۵)

تو جب ان ہلاک ہونے والوں نے ہمارے عذاب کی آہٹ پائی تو لگے اُس (بستی) سے بھاگنے (ہم نے کہا) بھاگو مت اور اُسی (ساز و سامانِ دنیا) کی طرف لوٹ جاؤ جسمیں تم چین کرتے تھے اور (نیز) اپنے مکانات کی طرف واپس جاؤ جنمیں تم رہا کرتے تھے) شاید تمہارے خیال کے مطابق تمہاری کچھ پوچھ ہو۔ وہ لگے کہنے ہائے ہماری کمبختی بیشک ہم ہی خطاوار تھے۔ بس وہ لوگ برابر یہی پڑے پکارا کئے یہاں تک کہ ہم نے ان کو ایسا برباد کیا۔ کہ اگر انکو ان کی خوش حالی کی وجہ سے کھیت سمجھو تو۔ کٹے ہوئے کھیت تھے اور اگر انکو انکی شرارت کی وجہ سے آگ سمجھو تو) بجھے ہوئے انگارے تھے)۔

وہ برابر اپنے ظلم و بدکاری، اور کذب و جہل کو خود ہی مانتے اور مُلک سے ترک وطن کر کے چلے جانے کی خواہش کرتے رہتے ہیں۔ اُن کی نیت میں یہ بات پائی جاتی ہے کہ بدکرداری اور بُری عادتوں کو چھوڑ دیں لیکن ہنوز وہ اس خیال ہی میں رہتے ہیں کہ جو بُری عادتیں دلوں میں جڑ پکڑ کر انہیں بالکل سیاہ باطن بنا دیتی ہیں۔ اور ان کی بدکاری آخرکار ان کی بستیوں اور گھروں ہی میں ان پر ہلاکت نازل کرا دیتی ہے جیسے شہد پر بیٹھنے والی مکھی کہ جب اسکی ٹانگیں پھنس جاتی

ہیں تو وہ پھندوں کو پھڑ پھڑا کر اس آفت سے نکلنے کی سعی کرتی ہے۔ لیکن نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ یہ بھی شہد میں لتھڑ جاتے اور اسے موت کے منہ میں ڈال دیتے ہیں۔

(۳) قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی:- ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ○ (۳۰: ۴۱)

لوگوں ہی کے کرتوتوں سے (کیا) خشکی اور (کیا) تری میں (یعنی ہر جگہ ہر طرح کی) خرابیاں ظاہر ہو چکی ہیں اور اسکا ضروری نتیجہ یہ ہے کہ لوگ جیسے جیسے عمل کر رہے ہیں خدا انکو انکے بعض اعمال کا مزہ چکھاتا کہ وہ ایسی حرکات سے

اور ایسا کیوں ہوا؟ خشکی اور تری کے راستے بآسانی طے کرنے کے وسائل قطع کر دینے ملکوں کے ویران بنا دینے۔ بری اور بحری تار برقیوں کے سلسلے کاٹ ڈالنے یا اُن کی عدم موجودگی کی وجہ سے۔ اور اس بات کی وجہ یا تو ظلم و شرارت ہے۔ اور یا اُس کے بنانے کی عدم واقفیت کہ ان اسباب سے ایسی کار آمد ایجادیں نابود اور اُن کے صنع فنا ہو جاتے ہیں۔ اور بنی نوع انسان جہاں کے تہاں اپنے اپنے مقاموں پر ایک دوسرے سے بالکل الگ اور ان کے حالات سے بے خبر پڑے رہتے ہیں۔ جیسے کہ عرب کے زمانہ جاہلیت میں وہاں کی قوموں کی حالت تھی۔ عبادت میں خدا کے ساتھ کسی اور کو شریک کرنا ایک خفیہ ذریعہ ہے اس بات کا کہ مشرک لوگ آہستہ آہستہ نامعلوم طور پر اُنہی خود پسند دینی پیشواؤں اور اُن کے نائبوں کے دام ظلم میں آ پھنسیں۔ جن سے بچنے کی قرآن کریم ہدایت کر چکا ہے۔ اور اسی بنا پر تمام مخلوق چیزوں کی عبادت سے منع کیا گیا۔ خواہ وہ انسان کی نوع سے ہوں یا حیوان، درخت، پتھر، پہاڑ، پرند اور حشرات کی نوع سے کیونکہ اُن ظاہری صورتوں اور چیزوں ہی کے بزرگی کا اعتقاد اُن کی نوع کی عظمت دل میں جما دیتا ہے اور محترم مانے جانے والے انسان کا عیوب سے منزہ ہونا قلب میں گھر کر لیتا ہے۔ تو وہی شخص اور اس کے حواشی نشین عام معتقدین پر چیرہ دستی اور خود سری کا دباؤ ڈالکر انہیں تباہ کر دیتے ہیں۔

(۴) قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلُ ۭ كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّشْرِكِيْنَ ○ (۳۰: ۴۲)

کہہ دو اے پیغمبر! کہ ذرا تم لوگ زمین میں چلو پھرو۔ پھر دیکھو کہ اُن اگلے لوگوں کا کیا انجام ہوا جو تم سے پہلے گزر گئے۔ ان میں سے اکثر مشرک تھے۔

یعنی خدا کے ساتھ عبادت میں اوروں کو شریک کیا کرتے تھے۔ اور یہی شرک فی العبادت

سیاست میں بھی شرک کا ذریعہ بن کر ان کے ملکوں کی بربادی کا سبب ہوگیا

(۵) "اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔ الآیۃ"۔ اور اس کی تفسیر پیشتر بیان ہو چکی ہے۔ لہذا ہم مزید طوالت کے خیال سے یہاں کچھ اور درج نہیں کرتے۔

(۶) هُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّیَبْلُوَكُمْ فِیْ مَآ اٰتٰىكُمْ ۭ اِنَّ رَبَّكَ سَرِیْعُ الْعِقَابِ ۡوَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝

(پ۸: ۶: ۱۶۶)

اور وہی خدا ہے جس نے تمکو زمین میں اپنا نائب بنایا ہے اور تم میں سے بعض کو بعض پر درجوں میں فوقیت دی ہے تاکہ جو نعمتیں تمکو دی ہیں اُنمیں تمہاری شکرگذاری اور ناشکری کی آزمائش کرے۔ بیشک تمہارا پروردگار جلد سزا دینے والا ہے اور اسمیں بھی شک نہیں کہ وہ بخشنے والا مہربان بھی ہے

خدا پاک نے تمام انسانوں کو مخاطب بنا کر ان کو زمین میں اپنا نائب مقرر کرنے پر آگاہ فرما دیا ہے۔ اور اس لحاظ سے ہر آدمی اپنی قوم اور جماعت کے بارہ میں جوابدہ ہوگا۔ اسمیں شریف اور وضیع کا کچھ فرق نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ دیکھو خدائے پاک نے بنی آدم کے درجے مختلف پست و بلند رکھے ہیں اور سب کو اُن کی ضرورت کے مطابق عقل وفہم دی ہے۔ اور ہر ایک سے بازپرس بھی اُتنی ہی کی ہے۔ جس قدر اُسے عقل دی گئی اور جیسی خدمت اُس کے سپرد ہوئی۔ اور یہی مفہوم ہے قولہ تعالےٰ "وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّیَبْلُوَكُمْ فِیْ مَآ اٰتٰىكُمْ" کا۔

(۷) وَاِذْ یَتَحَآجُّوْنَ فِی النَّارِ فَیَقُوْلُ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا نَصِیْبًا مِّنَ النَّارِ ۝ قَالَ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُلٌّ فِیْهَآ ۙ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَكَمَ بَیْنَ الْعِبَادِ ۝ وَقَالَ الَّذِیْنَ فِی النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوْا رَبَّكُمْ یُخَفِّفْ عَنَّا یَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ ۝ قَالُوْٓا اَوَلَمْ تَكُ تَاْتِیْكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَیِّنٰتِ ۭ قَالُوْا بَلٰى ۭ قَالُوْا فَادْعُوْا

اور ایکوقت رہیگا کہ (دوزخی) ایک دوسرے سے دوزخ میں جھگڑینگے تو ادنے درجہ کے لوگ بڑے لوگوں سے کہینگے کہ ہم تو تمہارے تابع تھے۔ تو اب تم تھوڑی سی آگ بھی ہم پر سے ہٹا سکتے ہو؟ بڑے لوگ کہینگے کہ (اب تو) ہم (اور تم) سب اسی (آگ) میں پڑے ہیں۔ اللہ (کو اپنے) بندوں کے بارے میں جو کچھ حکم دینا تھا سو دے چکا۔ اور جو لوگ دوزخ میں ہونگے وہ دوزخ کے موکلوں سے درخواست کرینگے کہ تم ہی اپنے پروردگار سے عرض کرو کہ بھلا کسی دن تو ہم سے عذاب ہلکا کر دیا کرے۔ وہ جواب دینگے۔ کہ کیا تمہارے پیغمبر رسول معجزے لیکر نہیں آتے رہے وہ کہینگے کہ ہاں آتے رہے

وَمَا دُعَاءُ الْكَافِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلَالٍ ۝ (۴۰:۴۹-۵۰)	تب دوزخ کے موکل کہینگے۔ کہ پھر تم آپ ہی دعا کرو۔ اور منکروں کا دعا کرنا محض رائگان ہوگا

اور غور سے دیکھو تو اسی دنیا میں جبکہ روح نے بدن سے مفارقت نہیں کی ہے ایسی ہی معاملوں کی مثالیں نظر آجائینگی۔ زبردست اور محکوم اپنے حکام اور فرمانرواؤں سے کہتے ہیں۔ کہ تم ہمارے نیک و بد کے جوابدہ ہو۔ اور ہم تمہارے ماتحت اور پیرو ہیں۔ پس ایسی حالت میں کیا تم ہم کو تباہی اور بربادی سے نہ بچاؤ گے؟ اور وہ بڑے لوگ اور سردار جواب دیتے ہیں۔ اب تو مصیبت ناقابل برداشت ہوگئی اور خدا کا حکم ہوچکا کہ ہم پر تباہی آئے اور وہ آبھی گئی۔ ایسے موقع پر سب لوگوں کو اپنے دلوں اور زبانوں کے ساتھ خدا ہی کی طرف متوجہ ہو کر نجات طلب کرنا چاہیئے۔ دیکھو مظلوم اور ماتحت قوموں کی حالت اس پر شاہد عادل ہے۔ وہ چیختے ہیں کہ ہم کو نجات دو اور ہلاکت سے بچاؤ۔ مگر کوئی اُن کی فریاد سننے والا نہیں۔ تاتاری خونخوار فاتح "ہلاکو" نے دار الخلافہ بغداد کو تاراج و غارت کرنے کے بعد خلیفہ معتصم باللہ عباسی کو زیر تیغ بٹھا کر یہ عبرت خیز کلمات کہے تھے۔ "تم نے انتظام سلطنت اور خبر گیری رعیت میں غفلت کی جس کا انجام یہ ہوا کہ آج تم ہلاک کیے جاتے ہو۔ دیکھو زر و جواہر کا یہ انبار جو تمہاری نگاہ کے روبرو لگا ہے۔ یہ تمہارے ہی محلات کا دفینہ ہے اور تمہارے ہی خزانوں کا گنجینہ۔ مگر اب یہ گنج اور خود تم میرے سامنے موجود ہو"۔ یاد رکھو کہ جب دنیا ہی میں خداوند کریم قوموں اور افراد کو اُن کی بداعمالیوں کا مزہ چکھا دیتا ہے۔ اور کیفر کردار کو پہنچا دیا کرتا ہے۔ تو ضرور ہے کہ آخرت میں بھی اس کا حکم اسی انداز پر نافذ ہوگا۔

مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ؕ (۶۷:۳)	کیا تجھ کو خدائے رحمٰن کی صنعت میں کوئی کسر دکھائی دیتی ہے؟
وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ؕ (۴۸:۲۳)	تم اللہ کے دستور میں کبھی تبدیلی نہ پاؤ گے
وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا ۝ (۳۵:۴۳)	اور تم ہرگز خدا کے قاعدے کو ٹلتا ہوا نہ پاؤ گے۔

غرضکہ اسی ارشاد باری تعالےٰ سے تم کو بخوبی معلوم ہوسکتا ہے۔ کہ حکام اور اُن کے ماتحت کارکن سب ہی اپنی قوموں کی بابت جوابدہ اور ذمہ وار و مسئول قرار دیئے گئے ہیں اور مسئلہ انتخاب و شوریٰ اور مجلس نواب (پارلیمنٹ) کے یہی معنی ہیں پھر اسی انداز پر ایک اور آیت

میں ارشاد ہوتا ہے۔

(۸) وَلَوْ تَرٰۤى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚۖ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضِ نِ الْقَوْلَ ۚ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لَوْلَاۤ اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ ۝

اے پیغمبر کاش تم دیکھو جب قیامت کے دن یہ ظالم اپنے پروردگار کے حضور میں جواب دہی کیلئے کھڑے کئے جائینگے اور ایک کی بات ایک رد کر رہا ہوگا کمزور یعنے ادنیٰ درجہ والے بڑے لوگوں سے کہینگے کہ اگر تم نہ ہوتے تو ہم ضرور ایمان لے آئے ہوتے۔

ایمان کے معنے از روے لغت یہ ہیں کہ خدا تعالےٰ اور اُس کے ماسوا تمام مخلوقات کا بھی خواہ وہ دینی ہو یا دنیوی علم اور اس کی معرفت حاصل ہو جائے۔ اور بڑے لوگ ان ماتحتوں کو یہ جواب دینگے۔ قال اللہ تعالےٰ

" قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْۤا اَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ عَنِ الْهُدٰى بَعْدَ اِذْ جَآءَكُمْ بَلْ كُنْتُمْ مُّجْرِمِيْنَ ۝

بڑے لوگ کمزوروں سے کہینگے کہ جب تمہارے پاس ہدایت آئی۔ تو کیا اس کے آئے پیچھے ہم نے تم کو زبردستی اس پر عمل کرنے سے روکا تھا ایسی بات تو نہیں ہوئی۔ بلکہ تم خود خطاوار تھے

اور اب کمزوروں کیطرف سے بڑے لوگوں کو یہ جواب ملیگا۔ قال اللہ تعالےٰ

" وَقَالَ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ اِذْ تَاْمُرُوْنَنَاۤ اَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ وَنَجْعَلَ لَهٗۤ اَنْدَادًا ؕ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ؕ وَجَعَلْنَا الْاَغْلٰلَ فِيْۤ اَعْنَاقِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

(۳۴ : ۳۲-۳۳)

اور کمزور لوگ بڑے لوگوں سے کہینگے کہ زبردستی تو نہیں مگر ہاں تمہاری رات دن کی تدبیروں نے روکا کہ برابر ہم سے خدا کو نہ ماننے اور اس کے ساتھ شریک ٹھیرانے کو کہتے رہے اور جب یہ لوگ عذاب الٰہی کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔ تو اظہار ندامت کرینگے۔ اور جو لوگ دنیا میں کفر کرتے رہے ہم اُن کی گردنوں میں طوق ڈلوائینگے۔ جیسے جیسے عمل یہ لوگ کرتے رہے اُنہی کا تو بدلہ انکو مل رہا ہے۔

گویا کہ اللہ پاک فرماتا ہے کہ میں نے ان گنہگاروں کی گردنوں میں آخرت کے دن ہی طوق نہیں ڈالا بلکہ دنیا میں بھی اُن کی گردنوں میں غفلت کے طوق پڑچکے تھے۔ اور جہل و نادانی نے ان کے ہاتھ اور ان کی عقلوں کو بیکار بنا دیا تھا۔ اس لئے وہ اپنے سرداروں کی زبردستیوں کے شکار بنے

رہے۔ اور ان کے احکام کی پیروی کرکے اُن کی ظاہری قوت و عظمت کو ظلم و داشتی ہی کا اثر سمجھتے رہے۔ اور اسی بنا پر خدا نے آخرت میں بھی اُن کو ایسا بدلا دیا کہ دنیا میں جاہل بننے کے باعث وہاں بھی ذلیل و حقیر اور عذاب میں گرفتار بنے اور اُن کے سردار عاسن جہالت کر الگ ہونگے۔ اس کی مثال یہاں دنیا میں بھی نظر آتی ہے۔ حاکم محکوموں پر ظلم و جبر کرتے ہیں اور انکو اپنے دباؤ میں رکھ کر ناجائز اصول پر چلاتے ہیں۔ جس کا انجام یہ نکلتا ہے کہ آخر ملک پر تباہی کا عذاب آپڑتا ہے۔ اور ایسی حالت میں حکام اپنے آپ کو بری الذمہ قرار دیتے ہیں۔ اور کمزور لوگ فریاد مچاتے ہیں کہ ہمیں تمہاری چال بازیوں نے خراب کیا۔ تم اپنی ریاست اور سرداری کا اثر قائم رکھنے کے واسطے ہمیں جہل و فریب کی تاریکی میں ڈالے رہے۔ اور اپنا کام نکالتے گئے۔ لیکن اب جو ہم پر آفت آئی تو خود بے قصور اور بے تعلق بنے جاتے ہو۔ حالانکہ سارا قصور تمہاری ظالمانہ نیت کا ہے۔

(۹)۔ وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ ۝ (۱۱: ۱۱۷)

اور تمہارا پروردگار ایسا نہیں ہے کہ بستیوں کو ناحق ہلاک کر مارے بحالیکہ وہاں کے لوگ نیکوکار ہوں۔

(۱۰) اَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ ۭ اَفَلَا يَسْمَعُوْنَ ۝ (۳۲: ۲۶)

کیا لوگوں کو اس سے ہدایت نہ ہوئی کہ اُن سے پہلے ہم نے کتنی امتیں ہلاک کر ماریں۔ اور اب یہ لوگ ان ہی کی رہنے کی جگہوں میں چلتے پھرتے ہیں۔ اسمیں شک نہیں کہ اس انقلاب میں لوگوں کو بڑی عبرتیں ہیں تو کیا یہ لوگ سنتو

اور اس آیت میں ہمکو حکم دیا گیا ہے کہ قوموں کے آثار قدیمہ کو بنظر غور و عبرت دیکھیں۔ اور ان کے کتبوں کو جو پتھروں پر لکھے ہوئے نکلتے ہیں زمین کے اندر سے کھود کھود کر نکالیں اور پڑھیں تاکہ ان سے عبرت انگیز تاریخی سبق حاصل ہو۔ اور اس پر بھی کفایت نہ فرما کر ارشاد کیا کہ اس میں بہت سے علوم، آداب اور اخلاق کے سبق بھی ہیں اور بعد ازاں کہا کہ کیا تم اُن باتوں کو سنتے اور سمجھتے نہیں جنہیں اگلے زمانہ والے لکھ کر زمین کے گڑھوں میں دفن کر گئے ہیں۔ یعنی جو کتابے قدیم آثار میں پیدا ہوتے ہیں۔

(۱۱)۔ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ۝ (۲۱: ۱۰۵)

اور ہم زبور میں پند و نصیحت کے بعد یہ لکھ چکے ہیں۔ کہ ہمارے نیک بندے زمین کی سلطنت کے وارث ہونگے۔

خدائے پاک نے وعدہ فرمایا کہ زمین میں وہی قومیں باقی رہینگی۔ جو دنیا کو نفع پہنچا سکتی اور آبادی عالم کے قابل ہیں۔ اور یونہی یہ بھی فرما دیا کہ جن قوموں کے وجود سے دنیا کی آبادی کو کچھ نفع حاصل نہیں ہوتا وہ ہلاک کر ڈالی جائینگی۔

(۱۲)۔ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔

اور اس آیت کریمہ کے بارہ میں ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شاہان روئے زمین کو جو ہدایت نامے ارسال فرمائے تھے اُن میں یہی آیت درج کی تھی۔ اس کی روایت بخاری شریف میں موجود ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ربوبیت کی تفسیر یوں فرمائی۔ کہ وہی احبار و رہبان یا اپنے مانند انسان احکام اور قوانین دین خود بنائیں اور لوگوں سے اُن پر عمل کرانا چاہیں۔ اس ارشاد سراپا ہدایت کا مدعا یہ تھا۔ کہ حضور انور روحی فداہ نے شاہان دنیا کو نیابتی حکومت کے صیغہ سے مخاطب بنایا۔ اور اُن کو ظالمانہ طرز حکمرانی کے ترک کر دینے کا مشورہ دیا تھا یہیں سے علمائے اسلام نے اجماع امت و عام رائے کو ایک دلیل شرعی مانا ہے۔ مگر افسوس کہ قرآن اترا تو سرزمین مشرق میں لیکن اس کے ثمرات اور فوائد خطۂ مغرب میں عیاں ہو رہے ہیں۔ گویا کہ ملک ایشیا ہنوز اپنے خواب غفلت ہی میں مست و مدہوش ہے۔ سبحان اللہ یہ اسی کی دین ہے۔ جس کو چاہے عقل و نصیب کا حصہ عطا کرے اور جسے چاہے اس نعمت عظمےٰ سے محروم رکھے۔ قرآن کریم کے اکثر قصے علم تمدن کو مفید سبق دینے ہی کے لئے وارد ہوئے ہیں۔ چنانچہ تفصیل کے موقعہ پر فرعون اور موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان کرتے ہوئے ہم دکھائینگے۔ کہ فرعون اور اس کی قوم کا غرور اور گھمنڈ کتنا بڑھ گیا تھا۔ اور اس نے قوم بنی اسرائیل کو کیسا ذلیل و خوار بنا رکھا تھا۔ اور آخرکار اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک شام میں جو براعظم ایشیا کا ایک مختصر حصہ ہے۔ ایک بہت ہی چھوٹی قوم نے جدید سلطنت کی بنیاد ڈال دی یعنے بنی اسرائیل نے اپنی حکومت قائم کرلی۔

(۱۳)۔ وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِى الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ۙ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِى الْاَرْضِ وَنُرِىَ فِرْعَوْنَ ک

اور ہمارا ارادہ یہ تھا۔ کہ جو لوگ (اس کے) ملک میں کمزور سمجھ گئے تھے۔ انپر احسان کریں اور ان (ہی) کو سردار بنائیں اور ان ہی کو سلطنت کا وارث ٹھیرائیں اور ان (ہی) کو ملک میں جمائیں اور فرعون اور ہامان کو اور اس کے لشکر کو

وَكَمَا مَانَ كَخَبُوذَهُمَا مَا كَانُوا يَحْذَرُونَ (۲۸/۵ : ۶۵)	رجی اسرائیل کیطرف سے جس بات کا خطرہ تھا وہ لا ہی بنی اسرائیل کے ہاتھ سے اُن کے آگے لائیں۔

اس میں یہ اشارہ فرمایا ہے کہ کمزور جب اپنے اوپر آنے والی مصیبتوں کو صبر کے ساتھ انگیز کرتا ہے۔ تو اس کے قلب میں استقلال اور برداشت مصائب کی قوت پیدا ہو جاتی اور اس کو بالآخر صاحب شوکت بنا دیتی ہے۔

اور یونہی یوسفؑ، عادؑ اور ثمودؑ، قوم ابراہیمؑ۔ قوم لوطؑ اور قوم نوحؑ کے قصوں اور آدم علیہ السلام کے زمین میں خلیفہ بنائے جانے کے حالات میں بھی ایک سے ایک بڑھ چڑھ کر تمدنی حکمتیں اور مفید سبق موجود ہیں۔ عاد اپنی سرکشی اور نافرمانی کے سبب سے ہلاک کر دیئے گئے۔ ثمود کی بربادی کا سبب ان کی افترا پردازی ہوئی۔ قوم شعیب علیہ السلام کو ناپ تول میں کمی کرنے کا بُرا انجام بھگتنا پڑا۔ قوم لوطؑ خلاف وضع فطری عمل کرنے کے باعث کمی نسل کے مرض میں مبتلا ہوئی اور تباہ ہو گئی۔ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم آب و ہوا زمین کے ناقابل تھی۔ اس واسطے طوفان اسے بہالے گیا۔ اور آدم علیہ السلام کا قصہ یہ پند و نصیحت سناتا ہے۔ کہ وہ اور ان کے فرزند زمین پر خدا کے خلیفہ اور حقوق میں سب مساوی ہیں۔ کتاب اللہ سے اتنی ہی شہادتیں اخذ کرنے پر اکتفا کر کے اب ہم سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے چند مختصر جملے نقل کرتے ہیں۔ اور ان سے قوم کی اجل اور حکومت کی تباہی کے قریب آجانے کی علامتیں تم پر عیاں ہو سکینگی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے۔ کہ "جس وقت ادنے درجہ کے آدمی حکومت کے بلند مرتبوں پر پہنچ جاتے ہیں۔ تو اس وقت قوم بام ترقی سے گر جاتی اور اس کا سایہ حکومت و سلطنت سمٹ کر زائل ہو جاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس مطلب کی تعبیر یوں فرمائی ہے کہ اونٹوں کے چرانے والے عالیشان فلک نما محل بنانے لگیں گے اور ارشاد کیا کہ جب نامی آدمی فضول خرچی اور لونڈیوں کے بکثرت جمع کرنے پر مائل ہونگے۔ تو یہ بات قومی وجود کا زوال نزدیک آجانے کی علامت ہوگی"۔ اور اسکی تعریف آپ نے یوں فرمائی کہ لونڈی اپنے سردار اور آقا کو جنے گی۔ رسول پاک صلعم کا یہ قول دو معنے رکھتا ہے اور یہ دونوں معنے ایک دوسرے کو متلازم ہیں۔ یعنی عورتوں کی حد سے زیادہ کثرت اور جنسوں کا اختلاط مثلاً کسی قوم کے مرد بہت سی لونڈیاں اپنے یہاں رکھنا اختیار کریں۔ اور وہ لونڈیاں غیر اقوام

کی عورتیں ہوں۔ تو اب ان سے جو نسل چلے گی وہ دو غلی ہوگی۔ اور اس طرح دو مختلف جنس کے خون کا میل انھیں بظاہر ایک جنس بنادیگا لیکن درحقیقت اس بات سے قومی قوت کا مستحکم قلعہ ٹوٹ جائیگا اور قوم کی عزت و عظمت ذاتی خصوصیت اور اس کا وقار و جاہ و جلال بالکل زائل ہوجائیگا۔ انگریز فلاسفر ہربرٹ اسپنسر نے ایک جاپانی عالم سے اُس کے اہل ملک کا حال دریافت کرتے ہوئے استفسار کیا کہ آیا اہل جاپان یورپ والوں سے شادیاں اور رشتۂ زوجیت قائم کرنا پسند کرتے ہیں؟ جاپانی فلاسفر نے جواب دیا۔ "ہرگز نہیں۔ کیونکہ اس طریقہ سے ہر دو جنسیں باہم مل جل جائینگی۔ اور قومی وقار کا شیرازہ بکھر جائیگا۔ علاوہ ازیں مرد و عورت کے مزاجوں میں موافقت نہ ہوگی" پھر جاپانی عالم نے اس عدم موافقت کی وجہیں اصول حفظان صحت کے اعتبار اور دلائل سے بیان کیں۔ مگر ہم یہاں حفظان صحت اور اصول معاشرت دونوں کے اعتبار سے اسبات کی علتیں بیان کرینگے۔

حدیث شریف جس کا مفہوم ہم نے پہلے بیان کیا۔ بخاری شریف میں ہے اور حسب ذیل ہے:-

"کان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم بارزاً للناس فاتاه رجل فقال ما الایمان؟ فقال: الایمان أن تؤمن باللّٰه وملائکته وبکتبه ورسله وتؤمن بالبعث۔ قال: ما الاسلام؟ قال: الاسلام ان تعبد اللّٰه ولا تشرک به وتقیم الصلواة وتؤتی الزکوة وتصوم رمضان" قال: ما الاحسان؟ قال: الاحسان ان تعبد اللّٰه کأنک تراه فان لم تکن تراه فانه یراک" قال: ما الساعة؟" قال: ما المسئول عنها

رسول اللہ صلعم لوگوں میں بیٹھے ہوئے تھے۔ کہ ایک شخص آپکے پاس آیا اور اس نے سوال کیا: "ایمان کیا چیز ہے؟ رسول اللہ صلعم نے فرمایا "ایمان اسکا نام ہے کہ تم خدائے تعالیٰ۔ اس کے فرشتوں اس کی کتابوں اور اسکے رسولوں پر ایمان لاؤ۔ اور مرنے کے بعد قیامت میں پھر زندہ کئے جانے کو حق جانو" سائل نے کہا۔ "اسلام کیا ہے؟" آپنے فرمایا۔ "اسلام یہ ہے کہ خدا کی عبادت کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ۔ نماز ادا کرو۔ زکات دو۔ اور رمضان کے روزے رکھو" سائل نے پوچھا "نیکی کیا ہے؟" آنحضرت نے فرمایا۔ "احسان نیکی اسکا نام ہے کہ خدا کی عبادت یوں کرو گویا اسکو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ رہے ہو اور اگر ایسا نہ ہو کہ تم اُسے دیکھ سکو تو

باعلم من السائل- وسأخبرك عن
اشراطها- اذا ولدت الامة ربها
واذا تطاول رعاة الابل البهم في
البنيان- وخمس لا يعلمها الا الله"
ثم تلا النبي صلى الله عليه وسلم
"اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَ
يُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ
(۳۱:۳۴) الاية" ثم ادبر فقال:
"ردوه" فلم يروا شيئا فقال:
هذا جبريل جاء ليعلم الناس دينهم"

وہ ضرور تمکو دیکھتا ہے"۔ سائل نے عرض کیا " اور قیامت کیا
ہے؟" حضرت نے ارشاد کیا "اسکی نسبت جس شخص سے دریافت کیا گیا
ہے۔ اس سے زیادہ اس آدمی کو بھی علم نہیں جس نے سوال کیا ہے
ہے۔ مگر میں تمکو قیامت کی نشانیاں بتاتا ہوں۔ جبکہ لونڈی اپنے
آقا کو جنے۔ اور جو پابرہنہ اونٹوں کے چرواہے اونچی اونچی حویلیاں بنوائیں
اور پانچ باتیں ایسی ہیں جنکو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔
پھر آپنے یہ آیۃ آخر تک تلاوت فرمائی "وبیشک اللہ ہی کو قیامت کا
علم ہے۔ وہ پانی برساتا ہے۔ جو کچھ (ماؤں کے) پیٹ میں ہے اسکو جانتا
ہے۔ اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کریگا۔ اور کوئی
نہیں جانتا۔ کہ وہ کس زمین میں مریگا"۔ اسکے بعد وہ آدمی واپس
ہو چلا گیا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے واپس بلانے کا حکم دیا۔ مگر لوگوں نے تلاش کیا۔ تو انکو کوئی پتہ
نہ لگا۔ یہ حالت دیکھکر حضور روحی فداہ نے فرمایا "یہ جبرئیل تھے۔ لوگوں کو انکے دین کی تعلیم دینے آئے تھے۔

اور اسی اوپر بیان کئے گئے معنے کو ایک اور حدیث میں زیادہ واضح طور سے بیان کیا ہے
حدیث یہ ہے۔ "اذا ضیعت الامانۃ فانتظر الساعۃ" یعنے جس وقت امانداری
نابود ہو جائے۔ اُس وقت قیامت کا انتظار کرنا چاہئے۔ اور ایک دوسری حدیث
میں آیا ہے۔

"ان من اشراط الساعة ان يقل
العلم ويكثر الجهل ويظهر الزنا ويكثر
النساء ويقل الرجال حتى يكون
لخمسين امراة القيم الواحد"

قیامت کی نشانیوں میں سے یہ باتیں ہیں کہ علم
کی کمی اور جہل کی کثرت ہو۔ زنا کھلم کھلا ہونے
لگے عورتیں بافراط ہو جائیں۔ اور مردوں کی کمی ہو یہاں
تک کہ پچاس عورتوں کا ایک شوہر ہو۔

پھر ایک اور حدیث میں آیا ہے:-

"ان الله لا يقبض العلم بقبض العلماء
حتى اذا لم يبق عالما اتخذ الناس
رؤسا جهلاء فسئلوا فافتوا
بغير علم فضلوا واضلوا" الحديث

اللہ پاک عالموں کو دنیا سے اُٹھا کر علم کو اٹھا
لیگا۔ یہانتک کہ جب کوئی عالم نہ رہ جائیگا تو اس وقت
لوگ جاہلوں کو اپنا پیشوا بنا لینگے اور ان سے سوال ہوگا تو وہ
بے جانے بوجھے فتویٰ دے دیا کرینگے اور اسطرح خود گمراہ ہونگے

یہاں پر اشراط الساعۃ سے قیامت صغریٰ مراد ہے اور قیامت صغریٰ کسی قوم یا قبیلہ یا بستی کی تباہی سے مراد ہے۔ اس میں شک کیا ہے کہ زناکاری سے نسل کی کمی پیدا ہوتی ہے اور جہالت کا ظہور بربادی و تباہی کا بڑا موثر ذریعہ ہے کمینے آدمیوں کا بلا استحقاق بڑے عہدوں پر ترقی پا جانا قوم کی تباہی کا سبب ہوتا ہے۔ لڑائیوں میں قتل ہونے سے مردوں کی کمی اور عورتوں کی زیادتی بھی قومی انقلاب و زوال کے ذرائع ہیں جس کا ثبوت آئے دن ملتا رہتا ہے اور یونہی کنبوں اور گھرانوں کا باہم مل جل جانا بھی قوم کی ہستی کو فنا کرنے والا اور ان کے حصار قومیت میں رخنہ ڈالنے والا ہے۔ چنانچہ موجودہ زمانہ کے علمائے تمدن کی بھی یہی رائے ہے۔

ستائیسواں جوہر

فصل اور اس مقام پر دس تہذیب و تمدن کے زرین اصول ایسے ہیں۔ جس میں بنی نوع انسان کے افراد اور اُن کی قومیں سبھی ایکساں تحریک ہوتے ہیں اور وہ حسب ذیل ہیں:۔

(۱)۔ طبیعتوں میں احساس کا پیدا ہونا اور اُن کا ترقی و بلندئ اعزاز حاصل کرنے پر آمادہ بن جانا تاکہ وہ اس ضمیر کی ندا کو سن سکیں جو کہ آسمانی تحریک سے اس میں پیدا ہوتی ہے۔ اللہ پاک فرماتا ہے:۔

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ ط (۳:۱۱۱)	لوگوں کی رہنمائی کے لئے جس قدر امتیں پیدا ہوئیں۔ تم اہل اسلام ان سب سے بہتر ہو کہ اچھے کام کرنے کو کہتے اور بُرے کاموں سے منع کرتے اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو

(۲)۔ امت کے دوام یعنی ہمیشہ قائم رہنے کا احساس:۔

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ ط (۴۸:۲۸)	وہ خدا ہی تو ہے جس نے اپنے رسول (محمد) کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب رکھے۔

اس سے سمجھا جا سکتا ہے کہ جو آدمی اس بات کو جانتا ہو کہ وہ ایک بہترین امت کا فرد ہے۔ اور نہایت عالی مرتبہ۔ اور پھر اس کو یہی احساس ہو کہ اسکی اُمت تاقیام قیامت دائم و قائم رہنے والی ہے۔ تو یہ دونوں باتیں چپکے چپکے اس کو عمل اور عالی حوصلگی کی دعوت دیتی رہینگی۔ اور اس کی اُمید اُسے ایسے شرف کو حاصل کرنے پر آمادہ بناتی رہیگی۔ جو کہ نہایت بلند مرتبہ اور اعلیٰ درجہ کا ہے

(۳) ثابت قدمی: "وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ۔" (۳: ۱۸۵)	اور اگر صبر کو رہو اور پرہیزگاری کو ہاتھ سے نہ جانے دو۔ تو بیشک یہ بڑی ہمت کے کام ہیں۔

یعنے استقلال اور قوت برداشت یہ ایسی باتیں ہیں۔ کہ ہمت ہی سے پوری ہو سکتی ہیں اس کی مثال میں نوح علیہ السلام کا قصہ اور ان کا بے مثل استقلال۔ اور ذی النون علیہ السلام کی تاریخ اور اُن کی جلد بازی کا حال قرآن کریم ہی میں موجود ہے۔ پڑھو اور دیکھو کہ حضرت نوح علیہ السلام کے اظہار پر پامردی پر ان کی کتنی تعریف و تحسین کی گئی ہے۔ کتاب اللہ میں بہت سی آیتیں صبر کی مدح میں وارد ہیں یہاں تک کہ خدائے پاک نے فرمایا ہے۔ "اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ"، بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ یعنے ان کا مددگار ہے اور اس میں شک نہیں کہ اس ثابت قدمی سے وہی ثابت قدمی مراد ہے جو درست خیال اور صحیح عقیدہ کی بناء پر ہو۔

(۴) توکّل۔ یہ ایک روحانی قوت ہے جو عقائد کے ساتھ مل جل کر روح کی شریک کار بنتی اور عقل کو غیبی امداد پہنچاتی ہے۔ تاکہ عقل اس کے اثر سے متاثر ہو کر اعضاء خارجی کو ایسے کاموں میں استعمال کرے۔ جو مفید ہوں۔ مثلاً زراعت تجارت۔ صنعت و حرفت اور حکومت وغیرہ اور ایسی باتوں کو ترک کر دے۔ جس کا نفع قلیل ہو یا وہ کسب معاش اور قیام تندرستی کے ذرائع نہ ہو سکیں۔ جس طرح وہ لوگ کہ علاج دوا کی جگہ گنڈے و تعویذ اور جھاڑ پھونک سے کام لیا کرتے ہیں خلق خدا کو بُرا شگون لینے۔ فال دیکھنے اور وہم پرستی کی ترغیب دیا کرتے ہیں۔ ان لوگوں سے قیامت کے دن باز پرس ہوگی۔ اور اس بات کی شاہد عادل رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و اصحابہ وسلم کی یہ حدیث ہے:۔

"سبعون الفا من اُمتی یدخلون	میری امت کو ستر ہزار آدمی بے حساب و کتاب جنت

الجنۃ بغیر حساب ھم الذین لا یکتوون ولا یتطیرون ولا یسترقون وعلیٰ ربھم یتوکلون"	میں داخل ہونگے۔ یہ وہ لوگ ہونگے جو کہ بدشگونی اور فال نہیں لیتے۔ لوگوں کو بندل اور وہم پرست نہیں بناتے اور جھاڑ پھونک گنڈا تعویذ نہیں کرتے اور اپنے خدا پر بھروسہ کرتے ہیں۔

اور ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ ان ستر ہزار میں سے ہر شخص کو ستر ستر ہزار آدمی دیئے جائینگے یعنے وہ ان کو بلا حساب اپنے ہمراہ بہشت میں لے جائیگا۔ اور پھر اُن لوگوں میں سے بھی ہر شخص ستر ہزار آدمیوں کو بغیر حساب داخل بہشت کریگا۔ اللہ۔ اللہ کیا شان کبریائی ہے کہ نیکوں کو نیک اعمال کا اتنا جلیل القدر معاوضہ دیا گیا ہے۔ اور یہاں غور کے قابل امر یہ ہے کہ بازپرس اعمال اور حساب قیامت انہی لوگوں کے ساتھ خاص کیا گیا جو کہ غیر یقینی نفع بخش کاموں میں مصروف رہتے اور سنت الٰہی کی پیروی نہیں کرتے ہیں۔ اور وہ اشخاص جنہوں نے خدا کی مقرر کردہ راہ پر سلوک اور اُس کے بنائے ہوئے قوانین پر عمل کیا ہے۔ اُنکو حساب وکتاب سے بری فرما دیا ہے +

(۵) نرمی وگرمی۔ اخلاق نبوت میں یہ عادت بہت ہی نمایاں ہے۔ اور کتاب اللہ بھی اس کو واضح کرکے دکھاتی ہے۔ کیونکہ قرآن کریم نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم اور اُن کے اصحاب کی مدح میں کہا ہے:۔

"اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ"	کافروں پر بہت سختی کرنے والے اور اپنے آپس میں نہایت مہربانی اور رحم رکھنے والے ہیں۔

اور اس حالت میں شجاعت بھی اس دین کا ایک رکن ہے۔ اور ایسے ہی شہسواری اور نشانہ بازی بھی کہ یہ اسلامی طریقے بلکہ فرض کفایہ ہیں۔ اور علمائے اسلام نے باتفاق رائے اس بات کو مانا ہے کہ مسلمانوں کو ان فنون سپہ گری میں ضرور مہارت حاصل کرنا چاہیئے۔ اور علاوہ بریں خود اللہ پاک ہمیں اسکا حکم دیتا ہے۔

"وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ۔ الآیۃ (۹ : ۶۰)	اور جہانتک تم سے ہو سکے کافروں کے مقابلہ کے لئے سپاہیانہ قوت اور ساز و سامانِ جنگ فراہم رکھو

اور ساتھ ہی موقعہ ومناسب کے لحاظ سے نرمی کے استعمال کا بھی حکم سُنا دیا ہے۔ اور خود ہی یہ فرمایا ہے:۔

"اِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ	اسمیں شک نہیں کہ تمہارا پروردگار سخت سزا دینے والا اور بھی

لاریب صحیح ہو کہ وہ اعلیٰ درجہ کا مہربان اور درگذر فرمانے والا بھی ہے	وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

غرضکہ کوئی آیت قرآن کریم میں ایسی نہیں مل سکتی۔ جس میں محض سختی کا ذکر آیا ہو۔ بلکہ جہاں ہوگا۔ سختی کے ساتھ ہی نرمی کا ذکر بھی ضرور کیا گیا ہے۔ اور خوف عذاب کے ساتھ ہی ثواب کی امید بھی دلادی ہے۔ تاکہ فطرتِ دنیا اور قانون کائنات و زندگی سے اس کو مشابہت اور مشاکلت ہو جائے۔ اور خدائے پاک کا یہ قول اپنے رسول صلے اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی شان میں صحیح اور موزون بن جائے کہ "اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ" بیشک اپنے پیغمبر (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) تم خلق عظیم کی صاف وسیدھی راہ پر (چل رہے) ہو۔

(۶)۔ دنیاوی حالات میں دشمنوں کے ساتھ برتاؤ کرتے ہوئے وقت اور زمانہ کی ضرورتوں کا لحاظ۔ اسکی نظیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات اور طرز عمل سے ملتی ہے۔ آپ پر تین حالیتں گزریں۔ پہلا دور ابتدائے دعوت کا تھا۔ جس میں خفیہ طور سے لوگوں کو دین حق کی طرف بلانے کی خدمت انجام دی۔ اور رسول کی تبلیغ اور دعوت کے لئے یہی طریقہ سراپا حکمت تھا۔ یہاں تک کہ آپ کے اصحاب ترک وطن کرکے حبش وغیرہ دوسرے ملکوں میں چلے گئے۔ اور آخر کار خود رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے باقی ماندہ اصحاب کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ کو ہجرت فرمائی۔ پھر جب حدیبیہ کا معاملہ پیش آیا۔ تو آپ کے اور اہل مکہ کے مابین اس رضامندی پر صلح ہوئی کہ مکہ کا جو شخص مسلمان ہوکر آپ کے پاس آئے آپ اُسے اہل مکہ کو واپس دے دیں۔ اور اہل مکہ اگر کسی دین اسلام سے سرتابی کرنیوالے کو پناہ دیں۔ تو اُسے رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم واپس نہ لے سکیں۔ دیکھو مصلحت وقت اور مناسبت موقع کے اعتبار سے رسول پاک نے مشرکین کی اتنی سخت شرط قبول کرلی۔ یہاں تک کہ اس معاہدہ کے دو ہی سال بعد جب خداوند کریم نے آپ کو غلبہ دیا۔ اور آپ نے مشرکین پر کامل فتح پائی۔ تو جزیرہ نمائے عرب کے ہر ایک گوشہ میں دین اسلام کا نور پھیل گیا۔ اور اشاعت حق میں کسی طرح کی رکاوٹ ہی باقی نہ رہی۔

(۷) **عقائد میں صلح کل ہونا۔** قرآن نے کسی نبی کی مذمت نہیں کی۔ بلکہ دین میں وارد ہوا ہے۔ کہ نبی کو جھٹلانے والا کافر ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے ہم مسلمان موسیٰؑ۔ عیسیٰ۔ ابراہیم۔ ادریسؑ اور تمام انبیاء علیہم السلام کو سچے نبی اور خداوند تعالےٰ کے فرستادہ پیغامبر مانتے ہیں۔ اور اس سے بھی بڑھکر یہ کہ جب کسی ایسے نبی کا ذکر سنتے ہیں جس سے ہم کو واقفیت نہ

ستی۔ تو اس کے نبی ہونے کو جائز ماننے میں ہمیں کلام نہیں ہوتا کیونکہ اللہ پاک فرماتا ہے:
وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ
(۴۰:۷۸) اور ہم نے تم سے پہلے بھی کتنے رسول بھیجے۔ سو اُن میں سے بعض ایسے ہیں جنکے حالات ہم نے تم کو سنائے ہیں اور ان میں سے بعض ایسے ہیں۔ جن کے حالات ہم نے تم کو نہیں سنائے۔ اور یہ امر بنی نوع انسان میں اتفاق و اتحاد پیدا کرنے کا ذریعہ ہے۔ کیونکہ قوموں کے وہ بزرگ اور پیشوا جن کو عام و خاص ادب و احترام کی نظر سے دیکھتے ہیں اور ان سے دلی محبت رکھتے ہیں۔ ان کی تکذیب کرنا اسلام کا شیوہ نہیں ہو سکتا۔ اسلام نام ہے دنیا میں صلح و مساوات قائم کرنے کا اور اس طرح کی دل آزار حرکت اس کے منافی لہذا اسلام کبھی "برہما" یا "مہاتما گوتم بدھ" کی تکذیب و تضلیل کا مرتکب نہیں ہو سکتا۔ بلکہ انکو نبی ہونے کو جائز قرار دے سکتا ہے۔ کیونکہ اس کے محترم ہادی کی ہدایت اور حکم ربانی یہی ہے اور ذاتی لاعلمی سے کسی امر کی نفی صحیح نہیں ہو سکتی۔ پس لاریب دین اسلام کی یہ زرین تعلیمات اقوام عالم کے مابین اتحاد اور باہمی یگانگت و الفت بڑھانے کا موثر ذریعہ ہے اور مجھ کو دنیا کے تمام ادیان میں کوئی دین اسلام کے سوا ایسا نہیں نظر آتا جو دیگر اقوام کے واجب احترام بزرگوں کی اتنی عظمت ملحوظ رکھتا ہو۔ مسلمان تمام دنیا کے علماء سے نیک اعتقاد رکھتا اور اُن پر ایمان لاتا ہے۔ لیکن مسلمانوں سے قبل کی قومیں دین اسلام کو سچا دین نہیں مانتیں۔ اس اعتبار سے مسلمان صلح جو آزادہ رو اور اتحاد و محبت کی خواہش کرنے والا ہے اور غیر مذاہب والے مخالفت و عداوت کو اپنا دستور العمل بنائے ہیں۔ مومسلمان اگلے زمانہ والوں کے علوم کو عقل و دانش کی کسوٹی پر کستا اور کھرے کھوٹے کو آزما کر مفید باتیں اخذ کر لیتا ہے اور بری اور مضر باتوں کو ترک کر دیتا ہے۔ وہ اپنے معبود پاک اور خالق عالم کے اس قول کا پابند اور نمونہ ہوتا ہے:۔

"فَبَشِّرْ عِبَادِ ۙ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ (۱۶:۱۵:۳۵)

اے پیغمبر ہمارے اُن بندوں کو خوشخبری سنا دو جو کہ ہمارے کلام کو کان لگا کر سنتے اور اس کی اچھی اچھی باتوں پر چلتے ہیں یہی تو وہ لوگ ہیں جنکو خدا نے نیک ہدایت کی ہے اور یہی تو عقل سلیم بھی رکھتے ہیں۔

تم دیکھو گے کہ مسلمان نے ان باتوں پر غور بھی کیا ہے۔ اُس نے عقائد کی مضر باتوں کو ترک کر

کر دیا۔ انبیاء علیہم السلام کی نیک نامی کو بٹا لگانے والے امور کو رد کیا۔ صلیب کی نفی کر کے اس مقدس نبی (عیسےٰ علیہ السلام) کو اہانت سے اور ان کی پاکدامن والدہ کو بد چلنی کے الزام سے بری کر دیا۔ اور خدا کے پاک نبی کو الوہیت کی تہمت سے بری بتا کر اسے ایک نیک بندہ اور نبی ہی ظاہر کیا جس طرح کہ اور تمام انبیاء علیہم السلام خدا کے نیک بندے اور اس کے رسول تھے۔ پھر تورات کے محرف اور غلط مبحث قصوں کی اصلاح کا بیڑا اٹھا کر انہیں ایسی موزوں اور خوشنما سانچہ میں ڈھال دیا کہ شرک و گمراہی کا خرخشہ ان میں باقی ہی نہ رہا یعنے پہلے اُن قصص میں بعض انبیاء علیہم السلام کی نسبت امور حرام کے ارتکاب کی جو تہمتیں شامل تھیں ان کو دور اور خارج کر کے ان کی قطعاً نفی اور انبیاء کی معصومیت ثابت کر دی۔ تورات میں آدم علیہ السلام کا حال بیان کرتے ہوئے خدا کو (معاذ اللہ) ایک ایسے دنیاوی بادشاہ سے تشبیہ دی گئی ہے۔ جو اپنی قوم سے حسد رکھتا اور یہ مقصد پیش نظر رکھکر کہ ان میں سے کوئی اس جیسا صاحب معلومات اور رعب والا نہ ہو سکے۔ ان کے حالات کی خفیہ خبر گیری اور نگرانی کرتا رہے۔ ! توبہ توبہ۔ بھلا خدائے ذوالجلال کو ایسے حیوان صفت دنیاوی بادشاہوں کا مماثل قرار دینا کب درست ہو سکتا ہے۔ قرآن نے اس امر سے خدا تعالےٰ کی نزاہت کر دی اور بیشمار جگہوں پر قرآن کی توصیف یوں ہوئی ہے۔ کہ وہ اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتا اور پرہیزگاروں کے لئے ہدایت اور نیک نصیحت ہے

(۸) **محکوم اقوام کی رعایت خاطر** خدا کے ازلی اور قدیم علم میں یہ بات موجود تھی۔ کہ اہل اسلام سنت الٰہی اور نوامیس کونیہ پر عمل کر کے ترقی و تمدن کے معراج کمال پر پہنچینگے اور زمین میں خلیفۃ اللہ بنینگے لہذا قرآن کریم میں ان کے لئے محکوم اور مطیع اقوام کے ساتھ مراعات اور نیک سلوک کرنے کی ہدائیتیں نازل فرمائیں اور ان کو تاکید کر دی۔ کہ مفتوح اور ماتحت اقوام کے ساتھ معاملات اور برتاؤ میں نرمی اور خوش سلوکی کرتے رہنا۔ اُن کے دینی معاملات میں دست اندازی اور یہود و نصارےٰ کے معبد سے تعرض نہ کرنا۔ احبار یہود و نصاریٰ کی عزت کا حکم دیا۔ اور ان مذاہب کی عورتوں سے عقد نکاح مباح فرمایا۔ اُن کے معاشری امور سے تعرض نہ کرنے کا تاکیدی حکم دیا۔ اور یوسف علیہ السلام کے قصہ میں اولاد یعقوب علیہ السلام کا مصر میں اُن کے قومی قانون کے مطابق سزا پانا بیان کر کے اس اصول کو مسلمانوں کے ذہن نشین کر دیا ہے۔ کہ معاشرت اور سوسائٹی کے عادات اور رسم و رواج میں مداخلت نہ کرنا چاہئے مگر

جبکہ وہ امور دینی اعتبار سے ناقابل عمل ہوں۔

(۹) قوموں کو دین کا پابند بنانے میں حکمت اور تدریج کی رفتار سے کام لیا ہے۔ اور ایکبارگی اُن کو تمام تکالیف کا متحمل بنانے کے لئے زور و قوت سے کام لینا جائز نہیں رکھا ہے۔ اس بارہ میں صرف ایک مثال شراب نوشی کے نقصانات۔ پھر اس کی حرمت کا سبب اور اخیر میں قطعی حکم تحریم کا اظہار و اعلان ہے۔ کہ خداوند کریم نے سب سے اوّل شراب کا نقصان ذکر فرما کر لوگوں کو متنبہ کیا اور فرمایا۔

لوگ تم سے شراب اور جوئے کے بارہ میں دریافت کرتے ہیں کہ دو کہ ان دونوں چیزوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کو کچھ فائدے بھی ہیں۔ مگر ان کے فائدے سے ان کا گناہ اور نقصان بڑھکر ہے	يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا (۲: ۲۱۸)

دیکھو یہاں کس عمدہ پیرایہ میں نفع و نقصان کا بیان کرتے ہوئے حرمت کی وجہ بھی ظاہر کر دی کیونکہ عقل اور فہم کا مسلمہ اصول ہے۔ کہ جس چیز کا نقصان غالب ہو اس کا استعمال ضرور حرام ہے۔ اور اس کے بعد شراب کو نماز کی حالت میں حرام قرار دیا۔ اور فرمایا "لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكَارٰى" تم نشہ کی حالت میں ہرگز نماز کے قریب نہ پھٹکو۔ اور پھر اسکے بعد شراب اور جوئے دونوں کے بارہ میں صاف صاف حرمت کا حکم یوں صادر کر دیا:۔

اے اہل ایمان۔ شراب اور جوا اور بت اور پاسے ران میں کا ہر ایک کام) تو بس ناپاک شیطانی کام ہے۔ تو اس سے بچتے رہو۔ تاکہ تم فلاح پاؤ۔	"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (۵: ۱۰۰)

غرضکہ یہ تدریج جو دین اسلام میں اس کے نزول کے وقت ہی سے ودیعت رکھی گئی۔ مسلمانوں کے واسطے زریں ہدایت تھی۔ اور ان کو بتایا گیا تھا۔ کہ رعایا کے ساتھ کس طرح تدریجی سلوک کرنا اور کیونکر ان کو رفتہ رفتہ اصلاح کا خوگر بنانا چاہئے۔ یہاں تک کہ مقصد پورا ہو جائے۔ مگر تم کو اس موقع پر یہ بات حیران اور متذبذب نہ بنائے۔ کہ پھر بڑی بڑی حکومتیں زور و قوت رکھنے کے باوجود کیوں برباد اور تباہ ہو گئیں؟ سنو اسکی وجہ ان لوگوں کی باطل پرستی ہے۔ وہ درحقیقت بجز نام کے اور کسی طرح پر بھی مسلمان نہ تھے گو وہ بظاہر نام اور بعض رسم و رواج یا عبادات و اقوال کے لحاظ سے کچھ شعائر اسلام برتتے تھے تاہم دین کی روح اور اصلی خوبی ان میں بالکل نہ تھی۔

(۱۰) جوہری اور اصلی احکام میں قوموں کے رسم و رواج کی پاسداری۔ اس کی نسبت اہل عرب میں مقتول کے خونبہا کا دستور قابل غور ہے۔ وہ غلطی سے یا عمداً قتل کرنے کی دیت عاقلہ پر ایک ہی شے مقرر کرتے تھے۔ اور قتل عمد کرنے والے پر بھی عفو کے وقت اتنی ہی مقدار دیت کا ادا کرنا واجب بناتے تھے۔ اسلام نے بھی ان کے اسی دستور کو قائم رکھا۔ مگر اسی کے ساتھ تاوان قتل میں اعتدال کا مسلک اختیار کیا۔ اور اس طرح متمدن قوم کے لئے قانون سازی کا ایک صاف و بے خطر راستہ کھول دیا کہ وہ مقامی رسم و رواج اور ضرورت و مصلحت وقت کا لحاظ کر کے مناسب قوانین تیار کر سکیں

رسول عربی صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کو تمام بنی نوع انسان کے واسطے بشیر و نذیر بنا کر بھیجنے کا اعلےٰ مقصد یہی تھا۔ جو اوپر بیان ہوا۔ یعنی دنیا کی اقوام میں یگانگت و اتحاد پیدا کر کے ان کے دلوں میں مساوات و حفظ حقوق کی روح پھونکنا اور انہیں حقیقی تمدن کی تعلیم دینے کی غرض سے خاتم النبیین و رحمۃ للعالمین مبعوث ہوئے۔ اور آپ نے اپنا فرض نہایت خوبی و مستعدی کے ساتھ انجام دیا۔ آپ نے دیکھا کہ مرد بے شمار عورتوں سے شادیاں کر لیتا ہے۔ اور یہ بات نظام معاشرت میں خلل ڈالتی ہے۔ لہٰذا اس شرط کے ساتھ کہ اگر ظلم و ناواجب زیادتی کا خوف نہ ہو۔ تو ایک شخص چار عورتیں ایک ساتھ عقد میں رکھ سکتا ہے۔ اس تعداد کو حصر کر دیا۔ اور ظلم و عدم انصاف کی صورت میں ایک ہی بیوی پر قانع رہنے کا فرمان نافذ کیا۔ اب حکومتوں کو اختیار ہے کہ وہ قوم کے افراد میں جتنی استعداد پائیں۔ اسی کے مطابق ان کی دستگیری کریں ورنہ خدائے پاک کا حکم "فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَۃً" عدل نہ ہونے کا شائبہ بھی ہو تو ایک سے زائد بیوی رکھنے کا ہرگز موقع نہیں دیتا۔

غلاموں کا رکھنا ایک وحشیانہ طریقہ تھا۔ اسلام نے مصلحت وقت اور اقتضائے حالت کے اصول پر عمل کر کے اس رواج کو کم کر دیا تھا اور اسکو بالکل محو کرنے کے واسطے بہت سے دینی احکام میں غلاموں کی آزادی بھی داخل کر دی ہے۔ بیشمار دینی امور ایسے رکھے کہ ان میں غلام آزاد کرنے کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے "وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ۔ فَكُّ رَقَبَةٍ" (۹۰: ۱۲ و ۱۳) پیغمبر تم کیا سمجھے کہ گھاٹی سے ہماری کیا مراد ہے۔ وہ گھاٹی سے مراد ہے کسی کی گردن کا غلامی یا قرض کے پھندے سے چھڑا دینا۔

اللہ اللہ۔ اس نبی رحمۃ للعالمین کی کیا رحمت و عنایت ہے۔ اور اسی وسط درجہ کی راہ راست پر چل کر اقوام اسلام کے مشاہیر اور سرگروہوں کو دیگر اقوام کے ساتھ دینی اور دنیاوی معاملات قائم کرنے

کا وسیع میدان ہاتھ آتا ہے۔ اور اہل عقل و دانش کے لئے اسپ عقل کو جولان دینے کا موقع ملتا ہے۔ اور اب اسی حد پر اس بیان کے میدان میں اشہب قلم رک جاتا ہے۔ کیونکہ مقام اجمال کا ہے۔ نہ کہ تفصیل کا۔ اور علوم عمران کے بارہ میں اتنا ہی بیان کافی ہے۔

رکن پنجم عبادات

رکن تمدن کے بعد ہی اس رکن کا ذکر یوں کیا جاتا ہے۔ کہ ان دونوں میں گہرا تعلق اور قریب کی قرابت پائی جاتی ہے۔ جسمانی عبادتیں جنکو ارکان اسلام کہا جاتا ہے۔ پانچ ہیں۔ اور وہ اس حدیث خیر البشر میں بیان ہوئی ہیں:۔

"بنی الاسلام علی خمس شہادۃ ان لا الہ الا اللہ وان محمداً رسول اللہ و اقام الصلوۃ وایتاء الزکاۃ وصوم رمضان وحج البیت من استطاع الیہ سبیلاً۔"

اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے۔ اس بات کی گواہی دل اور زبان دونوں سے کہ خدا کے سوا کوئی معبود پرستش کے قابل نہیں اور محمدؐ اسکے رسول ہیں۔ نماز قائم کرنا زکات دینا۔ ماہ رمضان کے روزے رکھنا اور سفر کی طاقت رکھتے ہوئے خانہ کعبہ کا حج کرنا۔

ان پانچوں عبادتوں کے دو رخ ہیں۔ پہلا رخ تمدنی امور سے تعلق رکھتا ہے۔ اور دوسرا رخ مادہ کی سرحد سے گذر کر نفوس کو عالم قدس کی طرف لے اڑتا ہے۔ اگر پہلا رخ عالم مادہ میں اجتماع نظام حیات اور ترقی کا سبب ہے۔ تو دوسرا رخ روحانی عروج۔ صفائی قلب۔ اطمینان خاطر۔ خدا کے ساتھ خلوص۔ اس کا دیدار۔ اور اس کے اولیاء اور دوستوں سے الفت کے فوائد حاصل کراتا ہے۔ اول شجر ہے۔ اور دوم ثمر۔ اول جسم ہے تو دوسرا روح ہے۔ پہلا لفظ ہے تو دوسرا اس کا معنی۔ اور اول صورت ہے۔ تو دوسرا اس کا حسن و جمال اور اس کی رونق و آب و تاب۔ اب اگر تم اسکی تفصیل دریافت کرتے ہو تو سنو!

سب سے پہلے شہادت لا الہ الا اللہ کو دیکھو۔ اس میں توحید باری تعالےٰ بدرجہ کمال موجود ہے اور پہلے ہم یہ بات بیان کر آئے ہیں۔ کہ توحید خالص دل سے خدا کو ماننے اور قلب کو اسکی طرف متوجہ بنا دینے کا نام ہے۔ اور توحید کا دوسرا پہلو ہے تمام انسانوں کا حقوق میں مساوی ہو کر خصوصیتوں

کو ترک کر دینا اور مذہبی پیشواؤں اور پجاریوں وغیرہ کو قرب خدا کی راہ میں وسیلہ بنانا۔ اور چونکہ سابق میں اس کی بابت ہم بہت کچھ تفصیل کے ساتھ لکھ آئے ہیں۔ لہٰذا اس جگہ اتنے ہی بیان پر اکتفا کرتے ہیں۔

نماز اور حج:۔ اس کا اجتماعی (سوشل) رخ دیکھنا چاہو۔ تو دیکھو کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم تمام مسلمانوں کو وہ خاص طبقہ کے لوگ ہوں یا عام فرقہ کے طلوع فجر سے ایک پہر رات گزرنے تک دن میں پانچ مرتبہ خاص اعمال معقول اقوال۔ اور ایسی دعاؤں میں مصروف ہونے کا حکم فرماتے ہیں۔ جن سے دل میں خدا کی عظمت قائم ہوتی ہے۔ اور اسی کے ساتھ نیک چلن راہ راست پر چلنے والوں کی یاد تازہ اور اُن کے واسطے سلامتی کی دعا کرنے کا ایماء فرما کر اُن سے قلبی قرب اور روحانی نزدیکی حاصل کر سکنے کا دروازہ کھول دیا ہے۔ اور یہ تو شخصی فوائد ہیں جو ہر ایک فرد کو الگ الگ حاصل ہوتے اور اپنے پائدار اثر کا اندرونی عکس مجمع اور سوسائٹی کے مجموعہ پر ڈالتے ہیں۔ مگر اسی کے ساتھ مجمع اور افراد کی اجتماعی قوت کو قائم اور مستحکم بنانے کے واسطے نماز جماعت رکھی گئی ہے۔ اس میں ایک امام ہوتا ہے۔ اور وہ سب کو نماز پڑھاتے ہوئے اُنہیں افسر اور سرغنہ کے احکام کی بے چون وچرا تعمیل کرنے کا عمدہ ترین سبق دیتا ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ مبارک میں جماعت کا حکم تمام اسلامی شہروں میں شائع اور نافذ تھا۔ اور حدیث میں نماز جماعت کو تنہا نماز پڑھنے سے ستائیس درجہ افضل بتایا گیا ہے۔ پھر ایک حدیث کے معنے میں وارد ہوا ہے کہ "جو لوگ نماز جماعت کو ترک کرتے ہیں۔ میرا دل چاہتا ہے کہ ان کے گھر پھونک دوں"۔ مسلمانان سلف دوران جنگ میں بھی جماعت نماز ترک نہیں کرتے تھے۔ لڑائی کے میدان میں باجماعت نماز پڑھنے کی تفصیل سترہ کے قریب کیفیتوں سے بیان ہوئی ہے۔ اور اُن کے دیکھنے سے پتا چلتا ہے۔ کہ نماز اور جماعت کا چھوڑنا کسی وقت بھی روا نہیں ہے اور اگلے مسلمان ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ اہل اسلام ہر سال میں دو عیدیں مناتے ہیں۔ اس دن شہر اور مضافات شہر کے لوگ سب اکٹھا ہو کر ایک دوسرے سے ملتے جلتے اور باہمی شناسائی کا دائرہ وسیع بناتے ہیں۔ اسی واسطے عیدگاہ اتنی وسیع ہونی چاہئے کہ شہر کے آدمیوں کے علاوہ باہر سے آنے والے اہل دیہات کی بھی اُس میں گنجائش نکل آئے۔ اور اُن کی تعداد زائد ہو۔ تو فراخ جگہ کا انتظام کرنا چاہئے۔ علاوہ ازیں ہفتہ میں ایک جمعہ کا دن ایسا ہے۔ کہ اس روز شہر کے وضیع وشریف سب اکٹھے ہو کر جامع مسجد میں نماز ادا کرتے ہیں۔ اُس دن

امیر مسلمانان۔ یا ان کا بادشاہ۔ یا ان میں سے کوئی اہل رائے اور معزز ذی علم شخص انہیں مناسب
موقع تقریر سنا تا اور وعظ و نصیحت کرکے کتاب اللہ کے احکام اور سنت رسول اللہ کے اُصول
ان کے ذہن نشین کیا کرتا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ اس زمانہ میں یہ تمام مفید صورتیں مسخ اور محو ہوکر
رہ گئی ہیں۔ اور ان کے حسن و جمال کی آب و تاب زائل ہوکر بجائے اس کے بدشکل اور کریہ المنظر
ڈھانچہ قائم پائے جاتے ہیں۔ نماز اور جمعہ و جماعت کا نام تو اب بھی موجود ہے۔ لیکن ان کے
اصلی فوائد اور ان کی خوبیاں زائل ہو چکی ہیں۔ مسلمانوں کے سوا اور کون قوم روئے زمین پر
ایسی ہے۔ جو اس طرح کے پانچ روزانہ۔ ایک ہفتہ وار۔ اور دو سالانہ عام مجمع دینی حیثیت
اور دنیاوی منفعت کے رکھتی ہو۔؟ اور لطف یہ ہے کہ ان مجمعوں کے علاوہ گھوڑ دوڑ۔ چاندماری
شادی کی دعوتوں اور دیگر مسرت کی جلسوں کی بھی ان میں کمی نہیں۔ اور ان کے بھی وہی فوائد
ہیں جو شرعی مجمعوں کے ہاں فرق اتنا ہے کہ دنیاوی جلسوں میں عظمت الٰہی کا شعور نفوس پر غالب
نہیں ہوتا۔ اور اس لئے روحانیت کی کمی رہ جاتی ہے۔ شرعی مجمعوں میں سے روزانہ کے اجتماعات
ایک محلہ کے رہنے والوں کو۔ ہفتہ وار اجتماع ایک بستی کے باشندوں کو۔ اور سالانہ مجمع شہر اور
اس کے قرب و جوار کی بستیوں کے لوگوں کو اکٹھا کر دیتا ہے۔ مگر اس سے تم یہ نہ سمجھو کہ بس اتنے
ہی پر اسلامی اجتماع کا خاتمہ ہو گیا ہے۔ نہیں۔ اور ہرگز نہیں۔ بلکہ ایک بے نظیر عام اجتماع اور
بھی ہے۔ جس میں مشرق و مغرب ہر گوشۂ زمین کے مسلمان فراہم ہو جاتے ہیں۔ وہ کیا؟ حج بیت اللہ
جو مکہ بلد الحرام میں ہوتا ہے۔ اور یہ شہر ناف زمین میں واقع ہے۔ زمین کے مشرق و مغرب دونوں
کناروں سے برابر فاصلہ پر اور وسط میں پڑتا ہے۔ مگر سیاسی دنیا سے الگ تھلگ اور ایسے خطہ
میں واقع ہے جہاں عمران و سرسبزی کے اسباب قطعاً مفقود ہیں اور اسی وجہ سے وہاں پولیٹیکل
چپقلش ہو بھی تو بے سود ثابت ہوتی ہے۔ پس وہ خطہ خاص ایسے ہی دینی معبد کے لئے موزوں
ہے۔ جن مسلمانوں کو توفیق اور استطاعت ہو وہاں سال میں ایکبار جا کر سب سے قدیم عبادتخانہ
اور بیت اللہ کی زیارت کریں۔ خواہ عمر بھر میں ایک دفعہ ہی انکو اس بات کا موقع ملے۔ یہاں اہل اسلام
ایک دوسرے سے اُن کی بادشاہتوں۔ ایجاد و اختراع۔ ملکی حالات۔ حکام کے سلوک نظام
حکومت اور طرز معاشرت کی بابت ذکر اذکار کرکے مفید معلومات بہم پہنچائیں اور اپنے دینی بھائیوں
سے تبادلۂ خیالات کریں۔ اس طرح جب وہ ایک دینی فرض اور روحانی عمل انجام دے کر اپنے
گھروں کو واپس آئینگے۔ تو بہت سے عمرانی اور سوشیل فوائد کا ذخیرہ بھی اپنے ہمراہ لائینگے اور یہ

ہیں۔ چاروں عمرانی مرتبے جو اسلام میں موجود ہیں۔ جس قوم نے ان کو بخوبی استعمال کیا۔ اور اپنے وجود اور حلقہ اقتدار کو محفوظ بنایا۔ وہی قوم اپنی طاقت مستحکم اور اپنے خیالات متحد رکھ سکیگی۔ اور ویسی ہی طاقتور اور سربلند قوم ہوگی جیسی کہ ابتدائی اسلام کے دور میں عرب کی حکومتیں ہو گذری ہیں اور ہم نے جس بات کا اوپر بیان کیا یہ ایک اجتماعی رسو خل عمل ہے۔ اور جیسا کہ امام غزالی نے اپنی کتاب "احیاء العلوم الدین" میں بوضاحت بیان کیا ہے۔ اسی اعتبار سے ملکوں کا انتظام درست امن وامان قائم۔ راستے بے خطر اور شہر آباد رہ سکتے ہیں۔

اٹھائیسواں جوہر

نماز اور حج کا دوسرا پہلو

نماز اور حج کے یہ اعمال بندہ کو قرب خداوندی کے اعلےٰ مرتبہ پر پہنچانے کے زینے ہیں۔ جب آدمی خداوند تعالےٰ کی طرف متوجہ ہو کر اُس سے بعاجزی اپنی حاجتیں عرض کرتا۔ مدد مانگتا اور خضوع وخشوع کے ساتھ اس سے مناجات کرتا ہے۔ اُسے اپنا پروردگار۔ بلکہ دونوں جہاں کا پالن ہار۔ اور انسان حیوان۔ نباتات اور جمادات۔ سب کا شفیق مربی پاتا۔ اور رحمٰن ورحیم کی صفت سے اسے متصف دیکھتا ہے۔ تو بندہ کے دل میں اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ خداوند کریم نے اپنی مہربانی اور لطف سے مخلوق کو پیدا فرمایا۔ اپنی رحمت سے ہر چیز کو اس کی مکمل خلقت وپیدائش عطا کی۔ اور پھر ان مخلوقات کی تربیت اور پرورش میں کیسی تدریجی رفتار ترقی قائم کی ہے جس کو دیکھکر عقل دنگ رہ جاتی اور اسکے بے مثل صانع اور خالق مختار ہونے کی قائل بنجاتی ہے۔ پھر وہ تصور کرتا ہے کہ میں ایسے قادر مطلق خدا کے سامنے کھڑا ہوں اور اس سے مناجات کر رہا ہوں تو وہ عرض کرتا ہے۔ "اے پاک خدا میں تیری ہی بندگی کرتا اور تجھ سے ہی مدد مانگتا ہوں" بعد ازاں وہ دعا کرتا اور کہتا ہے۔ "اے رب! میں تجھ سے ملتجی ہوں کہ مجھے اپنی معرفت رکھنے والوں کا راستہ دکھا اور اُس گروہ کے راستہ پر نہ چلا جو راستے نہ جاننے کی وجہ سے بھولے بھٹکے پھر رہے ہیں۔ اور نہ اُن لوگوں کا راستہ دکھا جو بباعث نافرمانی وسرکشی تیرے غضب میں مبتلا ہیں۔ اور جب اس طرح حضور قلب کی تکرار ہو تو قلب پر نور الٰہی کی تجلی پڑتی ہے۔ خصوصاً اُس

حالت میں جبکہ کوئی مخلص بندہ رات کو نماز پڑھتا ہو اور دیگر لوگ سوتے ہوں۔ لیکن اگر یہ نماز دلی توجہ سے خالی ہے۔ تو پھر قرب الٰہی کے حصول میں اس سے کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا۔ بلکہ یہ محض ایک اجتماعی کام اور دنیاکی زندگی کا ایک عمل ہوگا۔ پھر اگر نمازی اپنی مناجات کے معنے بھی سمجھتا ہو۔ تو وہ مناجات اُسے علوم کے حاصل کرنے پر مستعد بنائیگی۔ اور اس کا قدم راہ طلب میں اٹھائیگی چنانچہ میری طالب علمی کی سرگذشت جو اسی کتاب کے آغاز میں بیان ہوئی ہے۔ اس دعوے کا سچا ثبوت بہم پہنچاتی ہے:۔

حج کی بھی یہی کیفیت ہے۔ اگر ایک غافل اور حالات زمانہ سے بے خبر شخص حج ادا کریگا تو اس کو صرف اسلام کا درجہ حاصل ہو کر رہ جائیگا۔ یعنے وہ ظاہری اطاعت شعاری میں کامل ہوگا۔ جس سے نظام معاشرت اور قومی اقتدار کی حفاظت کے سوا اور کوئی نفع نہیں ہو سکتا بس اتنا معلوم ہوگا۔ کہ مسلمانوں کی قوم بھی اجتماعی طاقت کے وسائل رکھتی ہے۔ مگر آخرت اور عقل کے دائرہ اثر میں اُس کو کچھ بھی حصہ نہ ملیگا۔ لیکن اگر کوئی حج کے مقصد سے واقف ہو کر یہ سمجھ لیگا۔ کہ وہ اپنے گھر بار۔ زن و فرزند اور مال و دولت کو چھوڑ کر محض رضائے الٰہی حاصل کرنے کے واسطے ایک ایسے مقام کو جا رہا ہے۔ جسے اللہ پاک نے اپنے نشانات میں قرار دیا ہے۔ اور یہ تصور کر کے وہ خدا کے لئے ترک وطن کریگا۔ تو میدان عرفات کی سخت اور جلجلاتی ہوئی دہوپ اور گرمی میں استادہ ہو کر اور اپنے گردوپیش انسانوں کا انبوہ کثیر دیکھکر میدان حشر کو یاد کریگا۔ اور دل میں سوچیگا۔ کہ جس طرح آج یہاں بامر الٰہی لوگ حج کے واسطے جمع ہوئے ہیں۔ ایسے ہی روزِ حساب کو بھی تمام آدمی اکٹھے ہونگے۔ اور اُسی خیال آئیگا کہ جیسے وہ دنیا کی اکثر محبوب چیزیں چھوڑ کر تعمیل امر ربانی کرتا ہوا اس میدان میں چلا آیا ہے۔ ایسے ہی ایک دن وہ حکم خدا آتے ہی دنیا کے نیک و بد سے الگ ہو کر دوسرے عالم کو چلا جائیگا اور بجز اعمال نیک یا کفن کے کچھ بھی ساتھ نہ لے جا سکیگا۔ تو اس خیال کو دل میں جما کر وہ گناہوں اور عیوب سے یوں پاک ہو جائیگا۔ جیسا کہ ماں کے شکم سے پیدا ہوتے وقت معصوم اور لوث دنیا سے بری تھا۔ اس طہارت اور گناہوں سے بری ہو جانے کے معنے یہی ہیں کہ اُس کا نفس مذکورۂ بالا خیالات کے آنے سے بالکل خدا کی طرف متوجہ اور یکسو ہو جائیگا اور سفر کی تکلیفوں نے یوں بھی اُسے مہذب طبیعت کا جفاکش آدمی بنا دیا ہوگا۔ جس پر نیک خیالی اور نظرہ ہو گی۔ اور وہ گناہوں سے یوں تائب ہو جائیگا کہ پھر اُن کے پاس بھی نہ پھٹکیگا۔

اور اس صورت کے ماسوا دوسری قسم کا حج ایک رُخا حج رہ جاتا ہے۔ کامل اور دونو پہلوؤں سے اچھا حج ہرگز نہیں ہوتا۔

انتیسواں جوہر

زکات

شریعت اسلامیہ میں سب سے عجیب چیز زکات ہے۔ تمام حکومتیں خواہ وہ مشرقی ممالک کی ہوں۔ یا مغربی۔ اپنی رعایا پر ٹکس اور محصول مقرر کیا کرتی ہیں۔ اور رعایا کو وہ ٹکس چار و ناچار ادا ہی کرتے پڑتے ہیں۔ کیونکہ ہر شخص ٹکس کو رضا و رغبت ہی سے ادا کرنے والا نہیں ہوتا۔ بلکہ بہتیرے آدمی مجبوراً اور بُرے دل سے گورنمنٹ کے اس حکم کی تعمیل کرتے ہیں۔ اسی بنا پر اسلام نے زراعت کے پیداوار۔ سونے۔ چاندی جمع رکھی ہوئی دولت اور تجارت کے مال پر ایسی تفصیل کے ساتھ زکات مقرر کی ہے۔ کہ یہ مقام اس کی تشریح کا نہیں۔ مگر یہ حکم ہے کہ جس شخص پر کچھ بھی زکات واجب ہو وہ ضرور خلیفہ اور حاکم کے مقرر کردہ محصّل کے حوالہ کردے اور اس طرح قرب الٰہی حاصل کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:۔

"صدقۃ تؤخذ من اغنیائھم فترد علی فقرائھم" یہ مال صدقہ کا ہے۔ جو مالدار مسلمانوں سے لیکر ان کے ناداروں کے درمیان تقسیم کر دیا جائیگا۔ ہادی برحق صلعم نے اس مال کو صدقہ فرمایا۔ اور زکات کے نام سے موسوم کیا۔ جس کے معنے ہیں پاکیزگی۔ اور زکات کا عمرانی (ایکانومک economic) پہلو یہ ہے کہ ہر ایک مالدار اپنی دولت کا چالیسواں حصہ ہر سال۔ غریبوں مسکینوں۔ زکات کے محصّلوں، مولفۃ القلوب۔ یعنے ان لوگوں کو جن کے دل اسلام کیطرف مائل بناتے ہوں۔ قرضداروں، فوجوں۔ اور لڑائیوں کے مصارف اور مسافروں وغیرہ پر خرچ کرنے کے لئے حاکم وقت کو دے۔ علماء نے اس کی تمام فروعات کو خود ہی ذکر فرمایا ہے۔ اور انہوں نے مدرسے اور طب وغیرہ عام نفع رساں علوم کو بھی اس میں داخل کیا ہے۔ اسلام کے رُکن زکات کا اقتصادی اور عمرانی فائدہ یہ ہے کہ دولت مندوں کی دشمن جماعتیں باقی نہیں رہ سکتیں کیونکہ مفلسوں اور تنگدستوں کے اہل دولت پر حسد کرنے کی علت اُنکی تکلیف ناداری ہے اور جب

زکات کے ذریعہ سے اُن کی یہ تکلیف دور ہوگئی۔ تو رشک وعناد کی وجہ بھی رفع ہوجائیگی۔

اور زکات کا دوسرا پہلو وہ روحانی اور اخلاقی نفع ہے۔ جس سے انسان کو قرب الہیٰ حاصل ہوتا ہے۔ معلوم رہے۔ کہ انسانی طبیعت میں بخل کا پایا جانا ایک فطری امر ہے۔ دین اسلام نے اخلاقی زور ڈال کر مال کا یہ حصہ بطور صدقہ نکلوایا۔ جو بظاہر فقیروں پر احسان کرنے اور تمدن کی شیرازہ بندی میں مفید ہے۔ اور بباطن طبیعتوں کو بخل کی قبیح عادت سے نجات دلانے والا۔ اسی کنجی سے صفت بخشش کا دروازہ کھلتا ہے۔ اور پہلے زکات جوادنیٰ درجہ کی بخشش ہے۔ اس سے کرم کا آغاز ہوتا ہے۔ پھر انسان صدقات ادا کرنے کے وسط مرکز پر بھی آجاتا ہے اور انتہائی مرتبہ یہ ہوتا ہے۔ کہ تمام نیک کاموں میں عام خیرات اور عطیات کرتا ہے۔ مثلاً مدرسے بنوائے۔ سرائیں تعمیر کرے خیراتی انجمنوں اور ملکی حکومتوں کی اُن کے مفید کاموں میں مدد کرے مہمان نوازی۔ دوست پروری اور ہمچشموں کی خاطر ومدارات اس کا طریقہ ہو۔ کمینے بدگویوں کی زبان مذمت بند کردے۔ اور یہ سب باتیں درستیٔ اخلاق اور اصلاح نفس کی مدد ومعاون ہوتی ہیں۔ ورنہ بغیر ان کے طبیعت میں زر دوستی کا زور ہوتا اور دنیاوی زندگی اور مادی تعلقات کی کشش نفس انسانی کو اپنی طرف کھینچ کر رذیل عادات کا پابند بنادیتی ہے۔ مگر جس وقت آدمی ان خسیس تعلقات کی گرد اپنے دامن سے جھاڑدے تو اسکی روح اپنے خالق کی جانب خالص وپاک ہوکر متوجہ بن جاتی اور کائنات سفلی یعنی دنیا کے الجھیڑوں سے بری ہوجاتی ہے۔

تیسواں جوہر

روزہ

زکات کے بعد روحانی اور مادی فوائد کا بڑا ذریعہ روزہ ہے۔ روزے سے نفس کو فقر کی مصیبتوں کا احساس کرنے کی عادت پیدا ہوتی ہے۔ اور یہ احساس اس کی مدد اور خبرگیری کرنے کا خیال دلاتا ہے۔ خصوصاً جبکہ برابر ایک ماہ تک اس کی مزاولت کی جائے یہ تو روزہ کا اجتماعی رسوشیل، فائدہ ہے۔ جس کے ساتھ ہی پاکدامنی کی عادت حاصل ہوتی ہے۔

اور خلو شکم کی حالت میں بسبب تمام دن کھانا اور پانی استعمال نہ کرنے کی ریاضت کے روح کو اپنے نورانی عالم کی طرف عروج ہوتا ہے۔ اور وہ اس پاک عالم کی صفائی اور پاکیزگی کے انوار سے منور بن جاتی ہے۔ اور یہ روزہ کا روحانی اور دینی پہلو ہے۔

یہاں تک عبادات کا بیان کر چکنے کے بعد اب ہم معاملات۔ فرائض اور احکام کی قسم کا بیان شروع کرتے ہیں۔ جو حسب ذیل ہے۔

چھٹی قسم

اکتیسواں جوہر۔ معاملات۔ احکام۔ حدود اور تعزیرات

اسلام میں یہ قسم (حصہ) سیاست مدن اور نظم مملکت کے لئے مخصوص ہے۔ علماء رحمہم اللہ کا قول ہے کہ انسان ایک مسافر ہے۔ جو ایک راہ میں سفر کرتا رہتا ہے۔ اس کا ابتدائی کنارہ ولادت ہے۔ اور زندگی اس کی سڑک ہے۔ اور سال و ماہ اس کی منزلیں پھر یہ سفر موت پر ختم ہو جاتا ہے اور اس کا مقصد اصلی دیدار الہی ہوتا ہے۔ اس سفر میں جو سواری کام دیتی ہے۔ وہ جسم ہے۔ اور انسان کا باقی رہنا غذا پر اور اس کی نسل کا بقا شادی۔ بیاہ پر موقوف ہے۔ بدیں لحاظ زندگی کا معاملہ صرف مال اور ازدواج (تاہل۔ اور شادی کرنا) کے دو اہم رکنوں کی طرف راجع ہوتا ہے۔ دین اسلام کی قسموں میں یہ قسم آیات قرآنی میں بہت کم بیان ہوئی ہے۔ مگر علمائے اسلام نے سب سے بڑھکر توجہ اسی پر مبذول رکھی۔ علم فقہ کے اماموں نے ان معاملات کو عبادات کے پہلو بہ پہلو رکھا ہے اور دونوں میں چولی دامن کا ساتھ کیا ہے۔ فقہاء نے لوگوں پر اچھی حکمرانی کرنے۔ آباد شہروں کے نظم و نسق اور محکوم قوموں میں عدل و مساوات اور نظام امن قائم رکھنے کے واسطے جس قدر محنت سے قوانین تیار کئے وہ قابل تحسین امر ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ دنیاوی معاملات اور جھگڑوں کے احکام باوجود دنیا کے ظاہری کام ہونے کے بلحاظ اپنی غرض و غایت اور انجام کے یہ بھی دین ہی کی طرف راجع ہوتے ہیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ زندگی میں انسان پر غذا کی مدد سے اپنا وجود شخصی قائم رکھنا اور زوجیت کے ذریعہ اپنی نسل باقی رکھنے کا سامان کرنا لازم ہے

اور جب یہ دونوں کام ہو چکیں۔ تو ان کے بعد اُسے اپنے نفس کی تہذیب اور اپنی روح کو علوم و عرفان کے نور سے منور بنانے پر توجہ کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ علم و معرفت کے نور سے روشنی حاصل کرکے وہ غور و فکر اور تامل و سمجھ سے نظام کائنات اور اسرار مخلوقات کی جستجو کریگا۔ اور یوں معرفت خالق کے رتبہ پر پہنچ کر ہر طرح کی پاکیزہ عبادتوں کے وسیلہ سے عالم روحانی کی جانب مائل اور قرب الٰہی حاصل کرنے کا شائق و عامل ہوگا۔ ہمارے علماء کو جب کبھی یہ ضرورت محسوس ہوئی۔ وہ فوراً اور ہر زمانہ میں اس طرف متوجہ ہوتے رہے ہے۔ کہ نظام تمدن اور نظم و نسق ممالک کو درست رکھیں کیونکہ دنیا اسی کی محتاج ہے۔ اور بغیر اس کے عبادتِ الٰہی کرنے یا علوم و معرفت کے اکتساب کا موقع نہیں مل سکتا۔ مگر اکثر آدمیوں پر یہ گمان غالب آگیا ہے۔ کہ دنیا ہی کی خوبی اور خوشحالی سعادتِ آخرت کا بھی موجب ہو سکتی ہے۔ یہ خیال ہرگز درست نہیں۔ یہ صرف دنیا کی خوشحالی کا ذریعہ ہے۔ بلکہ اُس کی ایک شرط۔ ورنہ آخرت کی خوشحالی اور آسائش کا مرجع اس کے معاملہ میں غور کرنا ہے۔ اور ایسی عقلیں جو اسپارہ میں نفع بخش۔ زیور تہذیب سے آراستہ۔ نور علم سے منور اور دنیا اور اس کے نظام میں غور و فکر کرنے والی ہوں اور وہ اِن امور کے وسیلہ سے صفائی قلب حاصل کرکے قرب الٰہی کی طرف بھی مائل ہوتی ہیں۔ بدیں اعتبار ان چھٹوں قسموں میں سب سے اعلیٰ اور برتر قسم جو دیگر اقسام سے بیش بہا۔ خوشنما۔ بارونق اور دلچسپ ہونے کے علاوہ ان میں اول و آخر بھی ہے۔ وہ یہی علوم کائنات کی قسم ہے۔ جس سے ہم نے اپنی اس کتاب کے مباحث کو شروع کیا ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ کتاب کریم بار بار ان علوم کی طرف توجہ دلاتی ہے۔ اور اس پر مائل بناتی ہے۔ اور خوب یاد رکھو کہ زندگی کی خوشحالی اور رغدا کا نظام بغیر علوم کائنات سے واقف ہونے کے ہرگز درست اور مکمل نہیں ہو سکتا۔ اور بلا اس کی روشنی اور جمال کے ذہن و فکر کو زیور معرفت و آگاہی سے آراستہ ہونے کا موقع نہیں ملتا۔ پھر اس کے بعد اہم ہونے کے لحاظ سے اُن علوم کا مرتبہ ہے۔ جو کہ بدعت کو ترک کرا دیتے ہیں۔ ازاں بعد سیاسات کی قسم پھر آداب کا حصہ اور اس سے بعد عبادات کا حصہ ہے۔

معاملات کی قسم بجنسہ ایسی ہے۔ جس طرح بیماریوں کی دوا۔ اس لئے کہ عقلی علوم قوموں کے لئے بمنزلہ غذا کے ہیں۔ تو شرعی احکام بجائے دوا کے۔ میراث۔ ہبہ اور بیع وغیرہ کے احکام ان باہمی جھگڑوں اور خصومتوں کو طے کرنے کے لئے موضوع ہوئے ہیں۔ جو کہ دنیاوی تعلقات اور مالی امور میں پیش کیا کرتے ہیں۔ علماء نے بیع کی قسموں۔ ہبہ۔ ٹھیکہ۔ عاریت۔ گری پڑی چیز۔ میراث۔ اور

وصیتوں کے احکام اور وقف معاملات، دعووں اور فیصلوں کے قوانین۔ قاضیوں کے قواعد ان کے مقرر ہونے کی شرطیں۔ جرائم کی سزائیں۔ چوری اور غصب۔ ہر ایک مالی امر کے متعلق علیحدہ علیحدہ مسائل و احکام کی تشریح کردی۔ اور ان تمام چیزوں کا علاقہ براہ راست مال سے ہے۔ اب مال کے بعد نسل و نسب کا درجہ اہم تھا۔ اس میں زنا اور خلاف وضع فطری فعل کرنے کی سزائے تازیانہ۔ بیاہ۔ طلاق۔ خلع۔ ظہار اور ملاعنت کے احکام بشرح و بسط تمام بیان کردیئے۔ اور یہ سب نظامی قسمیں ان پانچ کلموں میں جمع ہوجاتی ہیں۔ مرتد کو قتل کرکے دین کی حفاظت کرنا شراب نوشی کی سزائے تازیانہ دے کر عقل کو محفوظ بنانا۔ زنا کی جسمانی سزا کے وسیلہ سے نسب کی حفاظت۔ مال کے تحفظ کے لئے چوری کی شرعی سزا۔ اور جان کی حفاظت کا وسیلہ قصاص بالمثل بنایا کہ عضو کے بدلہ میں عضو اور جان کے بدلہ میں جان لی جائے۔ اور کوئی دوسرے پر زیادتی نہ کرے۔ غرضکہ یہ سزائیں اور احکام وہ ہیں۔ جن کو دین اسلام بخصوصیت تمام دنیا میں لایا ہے۔ اور ان کے علاوہ اور بھی سزائیں ہیں۔ جو رہزنوں کے لئے مقرر ہیں۔ مثلاً اُن کا جلاوطن کیا جانا یا انکے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالنا اور قاذف کی سزا اسی تازیانے رکھی ہے۔

بتیسواں جوہر

شرع میزان ہے

دین اسلام میں سزاؤں کی دو قسمیں ہیں۔ اول حدود مثلاً قوم کی اجتماعی طاقت کو خلل اور پراگندگی سے محفوظ رکھنے کے لئے دین سے برگشتہ ہونے والے کو قتل کردینا۔ مگر اس کے واسطے بہت سی خاص شرطین بھی مقرر ہیں۔ اور ایسے ہی شادی شدہ زناکار کو سنگسار کرنا اور بن بیاہے زانی کو سزائے تازیانہ دینا یا ملک سے ایکسال کے لئے نکال دینا۔ شراب پینے والے کی سزا چالیس کوڑے۔ قاتل کی سزا قتل۔ اور عضو کو تلف کرنے والے کی سزا اسی کے مثل عضو کا قصاص میں کاٹا جانا مقرر ہوا۔ اور چور کے ہاتھ کاٹ دینے کا حکم رکھا گیا۔ علی ہذا القیاس اور دوم تعزیرات ہیں۔ جیسے قید سزائے تازیانہ۔ جلاوطنی۔ سرزنش اور مجرم سے میل ملاپ کا ترک کردینا۔ مگر یہ خفیف سزائیں ایسے حرام کاموں کے بارہ میں دی جاتی ہیں۔ کہ اُنکی بابت کوئی

حد شارع کی مقرر کردہ سزا نہیں پائی جاتی۔ پس اس قسم کے جرائم کی سزائیں قاضی کے اجتہاد کی تابع ہیں وہ اپنی رائے اور دانائی سے جس قدر اور جس قسم کی سزا دینا چاہے۔ دیگا۔ اور اس بات کا بھی لحاظ کریگا۔ کہ لوگوں کے طبقات اور درجات مختلف ہیں۔ کوئی شریف ہے۔ اور کوئی ذلیل۔ اور بعض متوسط درجہ کے آدمی ہوتے ہیں۔ تو چند بازاری لہذا اُن کے رسم و رواج اور اخلاق و عادات کے اعتبار سے اُن کو کم وبیش مصلحت و موقعہ دیکھکر تنبیہ کی جائیگی۔ یہ تو وہ حکم ہے۔ جس کو ہم نے مذہب شافعی رحمتہ اللہ علیہ میں پایا ہے۔ لیکن امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ اس سے کہیں بڑھ کر قاضی کی رائے پر اعتماد کرتے اور اُسے بہت کچھ وسیع اختیارات عطا کرتے ہیں۔ وہ تعزیر میں قتل کو بھی مباح ٹھیراتے ہیں۔ مثلاً اگر کوئی آدمی دوسرے آدمی پر تلوار کھینچ کر دوڑے۔ تو امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک ایسے شخص کا قتل کر دینا روا ہے۔ یا اگر حاکم کو ثبوت کافی مل جائے کہ ایک بدطینت شخص مخلوقِ خدا کو بہت ستاتا رہتا ہے۔ تو سیاست کے لحاظ سے ایسے آدمی کو بھی قتل کر دینا جائز ہے۔

تینتیسواں جوہر

شرع کا مقصود۔ اور علم میں قوموں کے درجے

رسول اللہ صلعم فرماتے ہیں۔ ”ادرا والحدود بالشبہات“ جرائم کی سخت سزاؤں کو شبہوں کی وجہ سے باطل کر دو۔ اور خداوند کریم ارشاد کرتا ہے۔

وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ۝	اور اسی نے آسمان کو اونچا کیا ہے۔ اور ترازو بنا دی
اَلَّا تَطْغَوْا فِى الْمِيْزَانِ ۝ وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ	ہے۔ تاکہ تم لوگ تولنے میں حد اعتدال سے تجاوز نہ کرو اور
بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ ۝ (الرحمٰن)	انصاف کے ساتھ سیدھی تول تولو اور کم نہ تولو۔

دیکھو ابتدا میں شارع سے حدود اور تعزیرات کا ورود تحدید کے ساتھ ہوا ہے۔ اور دوسرے حکم میں قاضی کے اجتہاد پر دارومدار رکھا گیا ہے۔ پھر حدود یعنے سخت اور دوسری نرم سزاؤں کی غرض اور غایت کو ایک دوسرے سے کم درجہ رکھنے کے لحاظ سے الگ الگ صاف بیان کر دیا ہے۔ اللہ پاک نے

اپنے بندوں کو مستعدی، بیدار مغزی اور شمار و اعداد پر غور و خوض کرنے۔ قوموں کے درجوں کی نگرانی رکھنے اور ان کو عقل کے ترازو میں تول کر اُن کا وزن جانچ لینے کا حکم دیا۔ اور بتایا ہو کہ ان کے مرتبہ اور اندازہ کے مطابق اُن سے برتاؤ کرو۔ اور مناسب حال قوانین شریعت کے اصلی مقصد و مدعا کی مدد سے اور قومی قائم مقاموں کا مشورہ لے کر تیار کرو۔ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ قول "لا تجتمع امتی علی ضلالۃ" کہ میری امت ہرگز کسی گمراہی پر متفق نہ ہوگی۔ سوشیل (اجتماعی) زندگی کا ایک زبردست اصول نہیں۔؟ ذرا گذشتہ قوموں کی کتب تواریخ اور علوم کا معاینہ کرو اور دیکھو کہ یکے بعد دیگرے صدیوں اور زمانوں میں ہندوستان فارس۔ ترکستان چین۔ ایشیا اور افریقہ و مصر وغیرہ میں جتنی قومیں ہو گزری ہیں۔ ان کے طریقے اور اصول کیسے تھے۔ اور اس وقت تم پر منکشف ہو جائیگا۔ کہ وہ سب اپنی اپنی استعداد کے مناسب حال طریقوں پر چلی ہیں۔ اور اپنے مذاق و مشرب کے موافق راستوں کو اختیار کرتی رہی ہیں۔ "قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَشْرَبَهُمْ" اس کی روشن دلیل ہے۔ کہ جاہل قوم ہرگز اس بات کو نہیں سمجھ سکتی جسکو عالم قوم سمجھتی ہے۔ ملک مغرب کی بربری قوموں نے مشرف باسلام ہو کر امام مالک رضی اللہ عنہ کا مذہب اختیار کیا۔ تو کیوں؟ صرف اس وجہ سے کہ یہ مذہب تاویل سے بہت دور اور فطرت سے نہایت قریب ہے۔ شہری زندگی اور تمدن کی بو باس اُن میں اثر نہیں کر سکی۔ اور اس راستہ میں ان کا قدم بھی نہیں پڑا۔ مگر سرزمین عراق کو دیکھو تو وہاں امام ابی حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مذہب شائع پاؤ گے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ فرمانروایان بنی عباس کا دارالملک وہیں تھا۔ اور یہی سرزمین اسلامی تہذیب و تمدن کا گہوارہ بنی تھی۔ بنی عباس کا دور حکومت ختم ہونے کے بعد ترکان سلجوقی اور عثمانی وغیرہ کی زبردست اسلامی حکومتیں بھی اسی خطہ میں برپا ہوئیں۔ اور ان مہذب اور متمدن قوموں کے علماء نے جہاں تک ان کی عقلوں کی رسائی ہوئی۔ احکام اور ان کی فروعات کو مرتب اور مکمل بنایا۔ الغرض اسنے بیان کا ماحصل یہ ہے۔ کہ جب زندہ قومیں دائرہ اسلام میں داخل ہونگی۔ تو وہ اپنی عالی دماغی تیزی ذہن اور قوت نظر سے کام لے کر ہر ایک مفید امر سے فائدہ اُٹھائینگی اور میزان شرع کو درست رکھنے کے ساتھ شاہراہ ترقی پر قدم ڈالینگی۔ اور یہ بات وحشی اور تہذیب و تمدن سے دور رہنے والی قوموں کو حاصل نہیں ہو سکتی۔

چونتیسواں جوہر

عقل اور شرع

عقل اور شرع دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ نہ عقل بغیر شرع کے مکمل ہو سکتی ہے۔ اور نہ شرع عقل سے مستغنی رہ سکتی ہے۔ اس سے پہلے جو کچھ بیان ہو چکا ہے۔ اس سے یہ تو ضرور ہی معلوم ہو گیا ہو گا کہ اسلام کے عام قوانین دین سے روشنی عقل سے امداد اور سمجھ سے رفاقت حاصل کرتے ہیں۔ اور ان کی اصلی غرض و غایت عدل و مساوات قائم کرنا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فرماتے ہیں "ادرءوا الحُدُودَ بِالشُّبُهَاتِ" شبہ پیدا ہونے سے جرائم کی سخت سزاؤں کو باطل کر دو۔ سبحان اللہ! کیا عجیب و مختصر قاعدہ ہے۔ جس نے قانون بنانے والے روشن دماغ عالم کے سامنے ایک نیا علم کا دروازہ کھول دیا ہے۔ مروی ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پاس ایک شخص نے آکر کہا کہ "یا رسول اللہ میں نے زنا کیا ہے" حضور انور صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اس سے فرمایا "شائد تو نے عورت کو چھو لیا ہو گا؟" وہ کہنے لگا "نہیں میں نے زنا کیا ہے" حضور نے ارشاد کیا "تو شائد تو نے بوسہ لے لیا ہو گا؟" اس آدمی نے پھر کہا "نہیں میں نے زنا کیا ہے۔" اور یونہی ہر مرتبہ رسول اللہ صلعم اُس شخص کے روبرو داہنے بائیں۔ آگے اور پیچھے مڑ مڑ کر مونھ پھیر لیا کرتے تھے۔ مگر جب اس نے اصرار کے ساتھ اقرار ہی کیا۔ تو آپ نے اسے سنگسار کرنے کا حکم نافذ فرمایا۔ اور خبر دی کہ یہ شخص داخل جنت ہو گیا۔ فروعی مسئلوں میں فقہاء کی رائے ہے کہ ذرا سا شبہ بھی سخت سزاؤں کو دفع اور انہیں ہلکی سزاؤں سے تبدیل کر دیتا ہے۔ بلکہ چوری اور زنا میں محض انکار ہی جرم کو دور کر دینے کا سبب بن جاتا ہے۔ زنا کا ثابت کر سکنا ایک غیر ممکن بات ہے۔ زبانی اقرار کے سوا اور کسی طرح اس کا ثبوت بہم نہیں پہنچ سکتا۔ اور چوری اگرچہ ثابت ہو جاتی ہے۔ لیکن اس کا بھی قطعی طور پر ظاہر ہو جانا دشوار ہے کیونکہ ہاتھ کاٹنا شبہ کی بالکل نفی چاہتا ہے۔ اور یہ ہو نہیں سکتا۔ اسلئے اگر چور یہ کہدے کہ میں نے جو چیز چرائی ہے۔ اس میں کچھ حصہ میرا بھی ہے۔ یا میں اس پر کچھ حق رکھتا ہوں۔ یا ایسی ہی کوئی بات کہے۔ تو ہاتھ کبھی نہ کاٹا جائیگا۔ اور صرف ہلکی سزا یا گوشمالی دینے کی گنجائش رہجائیگی

یہ قاعدہ اپنی وضع میں قومی پنچ اور قاضی کے مقرر کردہ قاعدۂ شفعہ سے مشابہ ہوگیا۔ اور اس لحاظ سے سزائے قتل کو حبس دوام یا میعادی قید با مشقت سے بدل دیا جائیگا۔ اور یہ حدیث حد کو زائل اور ہلکی سزا کو ثابت کرتی ہے۔ اب یہ بات قوم کے ہاتھ میں ہے کہ وہ قومی پستی اور عروج کے مناسب حال مجالس شوریٰ میں سزاؤں کی کمی بیشی کا فیصلہ کرلے۔ سخت سے سخت سزا اور ہلکی سے ہلکی گوشمالی دونوں اس کے سامنے موجود ہیں۔ وقت و ضرورت کے لحاظ سے جو مناسب خیال میں آئے۔ اُس کی پیروی کرے۔ مگر یہ بات از روے شبہ کے ہونا چاہئے۔ جیسا کہ قرآن میں آیا ہے۔

"اِنَّ فِی ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِیْنَ" (۱۵ : ۷۵)	بیشک اسمیں ان لوگونکے لئے جو بات کی اصلیت تاڑ جاتے ہیں (قدرت خدا کی بہتیری) نشانیاں ہیں۔

اور "اَلَّا تَطْغَوْا فِی الْمِیْزَانِ"۔ یعنی انصاف میں کمی بیشی نہ کرو۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "معاذ بن جبل رضؓ" کو ملک یمن کا قاضی بنا کر ارسال فرمایا۔ تو رخصت کرتے وقت اُن سے دریافت کیا "تم معاملات کا فیصلہ کس طرح کروگے۔؟" معاذؓ نے جواب دیا "کتاب اللہ تعالے میں غور و تلاش کرونگا"۔ حضور انور صلعم نے فرمایا۔ "اور اگر کتاب اللہ میں کوئی صورت ایسی نہ ملے؟" معاذ رضی اللہ تعالے عنہ نے کہا "پھر رسول خدا صلعم کی بتائی ہوئی بات کے مطابق فیصلہ کرونگا"۔ رسول پاک صلعم نے دریافت کیا کہ "اگر یہ بھی تم کو نہ ملے؟" معاذ رضی اللہ تعالے عنہ نے عرض کیا "پھر یا رسول اللہ صلعم! سمجھ سے کام لونگا۔ اذ صحیح حدیث وارد ہوئی اس کے معنے یہی ہیں۔ دیکھو فہم کو بھی ایک درجہ دیا گیا ہے۔ اور کیسا درجہ جو کہ درحقیقت نظام شرع کا ہاتھ ہے۔ بعض لوگ یہاں یہ کہدینگے کہ سمجھنے والے تو گذر گئے۔ اور اب فہم سے کام لینے کا دروازہ بند ہوگیا۔ اہل علم میں سے کوئی اس قابل باقی نہیں کہ فہم سے کام لینا اس کے واسطے موزوں ہو۔ بلکہ پہلے زمانوں کے مجتہدین عظام اپنے بعد آنے والوں کو محنت اجتہاد سے مستغنی بنا گئے ہیں۔ ہمارے پاس اس بات کا جواب یہ ہے۔ کہ نہ تو ایسا حکم نقل میں وارد ہوا ہے اور نہ عقل اس کو ٹھیک مانتی ہے۔ بلکہ شارع علیہ السلام سے تو یوں منقول ہے۔ کہ بعض وہ لوگ جن کو میری ہدایتیں بعد میں پہنچینگی۔ وہ اس وقت کے سننے والوں سے اچھے ہونگے۔ ابی بکرہ رضی اللہ تعالے عنہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا۔

"فان دماءکم و اموالکم و اعراضکم | پس بیشک تمہارے خون مال اور عزت و آبرو یہ سب تم

عليكم حرام كحرمة يومكم هذا في شهركم هذا في بلدكم هذا وستلقون ربكم فيسألكم عن أعمالكم۔ ألا فلا ترجعوا بعدي ضلالاً يضرب بعضكم رقاب بعض ألا ليبلغ الشاهد منكم الغائب فلعل بعض من يبلغه أن يكون أوعى له من بعض من سمعه ألا هل بلغت۔ ألا هل بلغت۔ (رہ)"
بروایت بخاری رح

پر ایسی ہی حرام ہیں جیسا کہ آجکا اور اس مہینہ کا یہ دن تمہارے اس شہر میں قابل ادب و محترم ہے۔ اور تم عنقریب اپنے خدا کے حضور میں جاؤ گے اور وہ تم سے تمہارے اعمال کی پرسش کریگا خبردار تم میرے بعد ہرگز کسی گمراہی کیطرف نہ پلٹ جانا۔ کہ اسکی وجہ سے تم ایکدوسری کی گردنیں مارنے لگو۔ ہوشیار۔ جو کچھ میں نے کہا ہے تم میں سے حاضر اسکو غائب تک بھی ضرور پہنچادے شاید کہ وہ بعد میں سننے والا بعض اوقات اسکو زیادہ اثر پذیر ہو جنہوں نے خود سنا ہے۔ کیوں کیا میں نے اپنا پیام پہنچا نہیں دیا۔ کیوں کیا میں نے حق تبلیغ ادا نہیں کر دیا ہے۔ (تا آخر حدیث)

اور یہ ثابت ہے۔ کہ جس حج کے موقعہ پر حضور انور نے یہ نصیحت اور ہدایت فرمائی تھی وہ آپ کی مبارک زندگی کا آخری سال تھا۔ یہ ارشاد واضح دلیل ہے۔ اس بات کی کہ بعد میں آنیوالی قوموں کو غور و نظر کرنے کا حق حاصل ہوگا۔ اور ممکن ہے کہ انکی نظر زیادہ دقیق ہو۔

بہر حال ہم نے جو قاعدہ مقرر کیا ہے یہ ایک کلیہ اور عام اصول ہے۔ کیونکہ ہمارے نزدیک دین نام ہے۔ ایسے ہی کلی قاعدوں کا جو اقوام دنیا پر باندازہ اُن کی عقل و فہم کے نازل ہوتے اور انہیں اپنے سمجھداری کے درجوں کے مطابق نفع پہنچاتے ہیں۔ ان کے بارہ میں یہ کبھی نہ ہوگا کہ اگلے پچھلوں سے یا پچھلے اگلوں سے مستغنی پائے جا سکیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ دین کے اکثر نصوص مثلاً آیات قرآنی اور احادیث نبوی متعارض اور ایک دوسرے کے خلاف دکھائی دیتے ہیں۔ اور جو شخص سرسری نگاہ سے اُنکو دیکھے۔ وہ بظاہر انہیں دشوار اور سمجھ میں نہ آنے والا پاکر بعض اوقات گمراہ۔ مشکوک۔ اور دین سے منحرف ہو جاتا اور گناہ کے پھندے میں پھنس جاتا ہے۔ مگر راجح عقلیں۔ نیک باتوں کا اثر قبول کرنے والے دل۔ ترقی یافتہ طبیعتیں اور صاف و شفاف ذہن تمام معانی کی پوری تفصیل اور ہر ایک قابل تاویل آیت کی مناسب اور صحیح تاویل کر لیتے ہیں۔ اور بہت سے لوگ ایسے ہوئے ہیں۔ کہ انہوں نے محض سطحی نظر کرکے جب اسرار شرع کو اپنی سمجھ میں آتے نہ دیکھا۔ تو گمراہ اور کفر و الحاد کیطرف مائل ہو گئے۔

دین کیا ہے؟ ابر رحمت ہے۔ اسکی مثال بالکل ویسی ہی ہے جیسے کہ مینہ آسمان سے برس کر زمین کو زندہ کر دیتا ہے۔ مگر زمین کے حصے مختلف ہوتے ہیں۔ اور ان میں باختلاف طبائع

بارش کا اثر جدا گانہ ہوا کرتا ہے ؎

باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست

درباغ لالہ روید و در شورہ بوم خس

سیر حاصل اور عمدہ زمین میں غلے ترکاریاں پھل دار درخت اور گل و سبزہ وغیرہ اگتے ہیں اور اسی مضمون کی حدیث بخاری نے بروایت ابن موسیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے۔ کہ آپ نے فرمایا۔

مثل ما بعثنی اللہ بہ من الھدی والعلم کمثل الغیث الکثیر اصاب ارضاً فکان منھا نقیۃ قبلت الماء فانبتت الکلاء والعشب الکثیر و کان منھا اجادب امسکت الماء فنفع اللہ بہ الناس فشربوا وسقوا وزرعوا واصاب منھا طائفۃ اخری انما ھی قیعان لا تمسک ماءً ولا تنبت کلاً فذالک مثل من فقہ فی دین اللہ ونفعہ ما بعثنی اللہ بہ فعلم وعلم ومثل من لم یرفع بذالک رأساً ولم یقبل ھدی اللہ الذی ارسلت بہ۔ الحدیث"

خدائے پاک نے جو ہدایت اور علم دیکر مجھو دنیا میں بھیجا۔ اسکی مثال موسلادھار مینہ کی ہے جو پاک اور صاف زمین پر پڑا تو اسنے پانی کو قبول کرلیا۔ اور جڑی بوٹیاں اور بافراط گھاس چارہ اگا دیا۔ اور کچھ زمین خشک اور قحط زدہ تھی اُسنے پانی کو روک کر بھر لیا۔ جس سے خدا نے آدمیوں کو فائدہ پہنچایا کہ اُنہوں نے وہی پانی پیا۔ اور اُسی سے اپنے کھیت سینچے اور بوئے۔ اور کچھ پانی اسی بارش کا زمین کے ایسے ٹکڑے پر پڑا جو بے آب میدان ہے نہ اسمیں جھیلیں اور تالاب ہیں کہ انمیں پانی رکے رہے اور نہ وہ زمین سیر حاصل ہے۔ کہ وہاں سبزہ اُگے ان دونو صورتوں کی مثال یہ ہے کہ شکل اول کی نظیر وہ عالم علم دین ہوگا جو میری لائی ہوئی ہدایت سے نفع اٹھائے خود بھی جانے اور دوسروں کو بھی بتلائے اور شکل دوم کی مثال وہ کور باطن ہے جو اس نعمت سے سرفراز نہ ہوا اور خداوند کریم کی اُس ہدایت کو قبول نہ کرے جسکو

اور اس میں شک نہیں کہ یہ بات قوموں کے حلقہ میں صاف ظاہر ہوتی ہے۔ کیونکہ کسی قوم میں عقل و فہم اور خداوند کریم کی عطا کردہ قوتوں کی کمی ہوتی ہے۔ اور کسی میں زیادتی۔ پس جسکو جن قوتوں سے جتنا حصہ ملا ہے۔ اُسی کے اندازہ سے وہ ہدایت و گمراہی کو قبول کرتی ہے۔ پھر ایک حدیث میں آیا ہے

"امتی کالمطر لا یدری اولھا خیر ام اخرھا"

میری امت ایسی ہے جیسی بارش کی فصل کسی کو معلوم نہیں ہوتا کہ موسم برسات کا اول اچھا ہوگا یا آخری حصہ

اور یہ فرق محض عقل اور فہم کے اختلاف سے نمایاں ہوتا ہے۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام اور حضرت داؤد علیہ السلام کا قصہ حکمت اور نصیحت کے طالب کو اس بارہ میں بالکل مستغنی بنا سکتا ہے۔ جو حسب ذیل ہے۔ ایک کھیت کے مالک نے بکریوں کے ریوڑ کے مالک پر دعویٰ کیا۔ کہ اُس کی بکریوں نے میرے کھیت کی زراعت برباد کر دی ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے حکم صادر کیا کہ بکریوں کا مالک اِس نقصان کے بدلہ میں اپنی تمام بکریاں کھیت والے کو بطور ملک کے دیدے۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ فیصلہ کیا کہ کھیت والا بکریوں کو اپنے قبضہ میں لے کر اُن کے دودھ اور نسل سے فائدہ اُٹھائے۔ اور بکریوں والا کھیت کو جوت بو کر اس کی خدمت کرے۔ یہاں تک کہ زراعت اتنی ہی تیار ہو جائے۔ جس قدر بکریوں کے نقصان پہنچانے کے وقت تھی۔ اور اس وقت بکریوں والا اپنی بکریاں واپس لے لے۔ اور کھیت کا مالک اپنی کھیتی پر قابض ہو جائے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا فیصلہ کیسا برجستہ اور منصفانہ تھا۔ مگر اس سے یہ نہیں ہو سکتا کہ داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام میں سے کسی پر فیصلہ میں غور نہ کرنے کا الزام لگایا جائے۔ بلکہ دونوں صاحب فہم اور سوچ سمجھ کر کام کرنے والے کہلائے۔ اللہ پاک اسی امر کو اپنے اس قول میں بیان فرماتا ہے۔

وَدَاوُدَ وَسُلَيْمٰنَ اِذْ يَحْكُمٰنِ فِى الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا (۲۱: ۷۷ و ۷۸)	اور (اے پیغمبر) داؤد اور سلیمان (کا واقعہ بھی لوگوں کو یاد دلاؤ) جبکہ وہ دونوں ایک کھیتی کے بارہ میں جسمیں کچھ لوگوں کی بکریاں (رات کے وقت) جا پڑی تھیں فیصلہ کرنے لگے۔ اور ہم انکے فیصلہ کو دیکھ رہے تھے۔ تو (باپ بیٹوں کی رائیں مختلف ہوئیں اور) ہم نے (صحیح) فیصلہ سلیمان کو سمجھا دیا۔ اور (یوں تو) ہم نے دونوں کو

دیکھو پروردگار عالم نے سلیمان علیہ السلام کو سمجھدار بتایا ہے۔ اور علم و حکمت کے اعتبار سے دونوں کو اچھا کہا ہے۔ اس قول سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ جو قومیں دین اسلام دین قرآن اور دین محمدی صلعم پر غور و خوض کرنا چاہتی ہوں۔ ان کے لئے مناسب ہے کہ اپنی استعداد اور ادراک کا لحاظ کر کے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلعم کو سمجھیں۔ اور اماموں کے کلام پر نظر ڈالیں۔ کہ وہ کیا کہہ گئے ہیں۔ اور پھر خود بھی بہ پیروی کتاب و سنت اور اقوال سلف کے اپنی رائے ظاہر کریں۔ اُن کے اس طرز عمل میں سلف صالحین کی کوئی حق تلفی یا بے حرمتی نہ ہوگی۔ کیونکہ ہر حالت کا ایک نہ ایک جداگانہ مقتضی اور عمل ہوا کرتا ہے۔ جو اُس کے مناسب

ہو اور عام قاعدہ ہمیشہ ایک ہی رہتا ہے۔ منقول ہے کہ جس وقت قولہ تعالےٰ

"یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْکُمْ عَنْ دِیْنِہٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰہُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗٓ اَذِلَّۃٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّۃٍ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ" (۵: ۴۴)

مسلمانو! تم میں سے کوئی اپنے دین (اسلام) سے پھر جائیگا تو خدا (کو اسکی ذرا بھی پرواہ نہیں وہ) ایسے لوگ (لا) موجود کریگا جن کو وہ دوست رکھتا ہوگا اور وہ اسکو دوست رکھتے ہونگے۔ مسلمانوں کیساتھ نرم۔ کافروں کیساتھ کڑے

نازل ہوا تو اس وقت رسول خدا صلعم نے سلمان فارسیؓ کی طرف اشارہ فرماکر کہا: "وہ اس شخص کے ہمقوم ہونگے"۔ اور دین اسلام کی عادت یہی ہے۔ کہ ایک قوم کے بعد دوسری قوم اسکی حامل بنتی چلی آتی ہے پہلے اہل عرب اس کے حامل بنے اور انہوں نے یہ امانت اہل فارس کو پہنچا کر ان کے سپرد کردی تو اہل فارس اسلام کے حامل ہوئے۔ یہ دونوں حکومتیں کمزور ہو گئیں۔ تو قوم تاتار نے ظاہر ہو کر اسلام کو سنبھالا اور ہندوستان و چین میں اسے نہایت وسیع پیمانہ پر شائع کیا۔ غرضکہ ماننے اور حق کو تسلیم کرنے والے کے لئے اتنا ہی بیان کافی ہے۔ اس واسطے حدود اور احکام کی اجمالی تشریح اسی حد پر ختم کئے دیتے ہیں۔ اور یہاں تک حسب وعدہ ہم اسلام کے چھیٹوں قواعد کے مجمل تذکرہ پر اکتفا کرتے ہیں۔ اب اس سے آگے بامداد الٰہی جس طرح اجمال میں ترتیب رکھی ہے۔ ویسے ہی ترتیب سے ان اقسام کی تفصیل بھی کرتے ہیں۔ جس میں علوم۔ عمران اور اخلاق کی قسموں پر زیادہ توجہ کی جائیگی۔ کیونکہ یہی چیزیں شرح و بسط سے بیان کرنیکی محتاج ہیں۔

مقامات اسلام کی تفصیل

پہلی قسم علوم

اس قسم پر بحث آغاز کرنے سے قبل ہم اسکو آٹھ حسب ذیل مباحث میں تقسیم کرتے ہیں اول دین اور عقل۔ دوم دین اور طبع سوم خوارق عادات چہارم وہ شخص جس نے بلا غور و فکر دین سے علوم کو اخذ کیا۔ پنجم دین میں غلو (حد سے بڑھ جانا) ششم امت پر عقلی علوم کا واجب ہونا۔ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا ہفتم صناعات (فن) ہشتم وجوب

کفائی اور دین کی عنایت علوم پر

پینتیسواں جوہر

(۱) دین اور عقل

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کتاب احیاء العلوم میں دین اور علم کے متعلق چند جملے وارد کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ کہ قوموں کے لئے علوم عقلیہ بجائے غذا کے ہیں۔ تو علوم نقلیہ بمنزلہ دوا۔ یہ ظاہر ہے کہ اگر قوم محض دوا ہی کے استعمال پر جھک پڑے۔ اور غذا کا خیال مطلقاً چھوڑ دے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے۔ کہ اُس کے جسم لاغر اور کمزور اسکی روح مریض اور اس کے مزاج کا اعتدال غارت ہو کر آخر وہ تباہی اور بربادی کے کنارے آلگیگی۔ اسواسطے دین کو عقل سے کبھی استغنا نہیں ہوسکتا۔ اور جب یہ مقدمہ ممہد ہوچکا تو ثابت ہوا کہ تمدن اور ترقی کے واسطے تمام علوم طبیعیات کی بہرحال ضرورت ہے۔ طب۔ تشریح۔ سائنس۔ کیمیا۔ علم نباتات۔ علم حیوانات علم الانسان اور علم الاجتماع کوئی علم ایسا نہیں جو ممد تمدن نہ ہو۔ بلکہ یہی علوم اُسکی خوبی کے کفیل ہیں۔ انسان پر ان کی تحصیل واجب ہے۔ اور جو قوم حدود و احکام کو قائم کرے مگر رزق کے وسائل سے غافل رہے۔ اسکا انجام کبھی اچھا نہ ہوگا۔ حدود الہی اور قوانین دنیاوی کا معدوم اور نابود شئی پر قائم کرنا کس طرح ممکن ہے۔ کیونکہ جب ان علوم کی مزاولت ہی نہ کرینگے۔ اور ان کو استعمال میں لاکر زندہ قوم نہ بنینگے تو ان کی زندگی کا کیا سہارا۔ بلکہ وہ فی الحقیقت مردہ ہونگے اور جب اُن میں جان ہی نہیں تو حدود کا قیام کن پر ہوسکیگا۔

اور جس طرح آدمیوں کے عام حالات میں عقلیات کا شریک ہونا واجب ہے۔ ایسے ہی آدمی کے نفس اور خاص اُسکی ذات میں بھی عقلی علوم کا دخل ہونا ضروری ہے۔ کیا ہم یہ نہیں دیکھتے کہ کبھی ہماری طبیعتیں حد درجہ کی سخت اور گاہے پرلے سرے کی نرم ہوجاتی ہیں اور بسا اوقات ہم ان دونوں کناروں میں سے کسی ایک کنارہ کی حد سے بھی آگے بڑھ جاتے ہیں؛ پس ایسی ہی حالتوں میں وہ پند و نصائح جو ان دونوں پہلوؤں کے بارہ میں وارد ہیں۔ ہمارے زبردست کُمکی

سچے ناصح اور روحانی امراض کے طبیب کا فائدہ دیتے ہیں۔ دیکھو اگر ہمارے کسی عضو پر حرارت کا اثر بڑھ جاتا اور اس وجہ سے اُس کی بیماری میں زیادتی ہونے لگتی ہے۔ تو ہم اسکا علاج سرد دوا سے کر لیتے ہیں اور ایسے ہی اگر مرض کی علّت برودت کا غلبہ ہو تو اس کا معالجہ گرم دواؤں سے کر کے اسکی اصلاح کر لیتے ہیں۔ مگر حرارت و برودت کا امتیاز اور فرق عقل کے سوا کسی اور ذریعہ سے ممکن نہیں ہوتا۔ پھر جب عقل کی امداد سے ہم وجہ مرض معلوم کر لیتے ہیں تو سبب علالت کے ضد اور مخالف چیز سے اس کا معالجہ کرنا ممکن ہوتا ہے۔ اور یہی حالت ہماری اخلاقی اور نفسانی بیماریوں کی بھی ہے۔ اگر ہمارے اخلاق حد اعتدال سے تجاوز کر جلیں اور ہمارے نفس صراطِ مستقیم کی بے خطر راہ سے الگ ہونے لگیں۔ تو دینی نصیحتوں اور ہدایتوں ہی کا یہ کام ہے کہ وہ ہمارے سُقم کی اصلاح کریں اور ہم کو پھر اعتدال پر لائیں۔ ہمارے نفوس میں مال و دولت کی ہوس حد سے بڑھ چلے اور ہمارے دل سخت ہو کر ہمیں شہوانی خواہشوں پر آمادہ بنائیں اور ہماری آنکھیں دنیاوی زندگی کے ساز و سامان کی طرف لگ جائیں۔ تو ایسے وقت اور حال میں ہم خداوند کریم کا یہ قول پڑھینگے:۔

"اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا"	مال اور اولاد دنیاوی زندگی کی آراستگی کے سامان ہیں"

اور جب ہم مال سے نفرت رکھنے لگیں۔ کاروبار سے دوری اختیار کر لیں سستی اور کاہلی ہمارا شیوہ ہو جائے۔ اور مفید و نفع بخش کاموں کے کرنے میں ہم سے تاخیر واقع ہونے لگے تو اس وقت ہم رسول اللہ صلعم کے اس قول کو روایت کرینگے:۔

"لاحسد الا فی اثنتین رجل آتاہ اللہ علما فھو یعمل بہ و یعلمھا الناس و رجل آتاہ اللہ مالاً فسلط علی نفقتہ فی الخیر"	دو ہی شخصوں کے بارہ میں حسد جائز ہے۔ ایک وہ آدمی جسے خدا نے علم دیا۔ اور وہ اُسپر خود عمل کرتا اور دوسروں کو بھی سکھاتا ہے اور دوسرا وہ آدمی کہ خدا نے اُسے مال بخشا ہے اور وہ اس مال کو نیک کاموں میں خرچ کرنے پر قدرت دیا گیا ہے

بُخل کی مذموم صفت ہماری دامنگیر ہو۔ تو ہم اللہ پاک کا یہ ارشاد پڑھیں۔

"وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ" (۱۶:۶۴)	اور جو شخص اپنے بخل طبعی سے محفوظ رکھا جائے تو (آخرت میں) ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

اگر ہم فضول خرچی اور دولت کو بیجا اڑانے میں مبتلا ہو جائیں تو اللہ پاک کا قول۔

"وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِیْرًا اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ وَكَانَ الشَّیْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا" (۱۷: ۲۶، ۲۷)	اور دولت کو بیجا مت اڑاؤ۔ کیونکہ فضول خرچ لوگ شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے پروردگار کا بڑا ہی ناشکرا ہے۔

ہمیں مشعل ہدایت دکھلائے۔ اور ان باتوں سے تم بخوبی سمجھ سکتے ہو کہ دین کے احکام دوا کا حکم رکھتے ہیں وہ غذا ہرگز نہیں۔ غذا ہے عقل اور دین دوا ہے۔ پس غذا اور دوا کے مابین جو فرق ہے وہی ان میں بھی ہوگا۔ جسم کا قیام و بقا غذا پر منحصر ہے۔ اور دوائیں جسمانی صحت کو قائم رکھنے میں مدد دیتی ہیں۔ مگر بوقت ضرورت نہ کہ ہر حالت میں کیونکہ بسا اوقات کچھ دوائیں ازالہ مرض کرکے جسم کو تندرست بناتی ہیں۔ تو بعض ادویات مریض کو صحیح کرنے کی جگہ ایک دن یا اس سے بھی کم ہی عرصہ میں عدم آباد پہنچا دیتی ہیں۔

چھتیسواں جوہر

دین اور طبع

خلقتاً انسانوں کی طبیعتیں دنیاوی لذتوں اور خواہشوں کی مطیع اور انکے قید و بند میں گرفتار ہیں۔ گویا کہ ہوائے نفسانی ہی اُن کا معبود ہے۔ کھانے پینے۔ لباس و مکان اور عورتوں سے ان کو دلی انس ہے۔ دنیاوی آرائش کے سامان اور اسباب جاہ و جلال کی خواہش انکے دل و دماغ پر بُری طرح حاوی رہتی ہے۔ اور بات بھی یہ ہے کہ ان چیزوں کا ہونا انسانی زندگی کا لازمہ ہے۔ اگر یہ نہ ہوتیں تو روئے زمین پر آبادی کا نام و نشان تک نہ ملتا تمام مخلوقات فنا ہو جاتی اس واسطے بقدر ضرورت ان اشیاء کا انسان کو ملنا لازمی ہے۔ مگر انسان کی عادت یہ واقع ہوئی ہے۔ کہ وہ قدر کفایت پر بس نہ کرے۔ بلکہ زیادہ طلبی پر کمر باندھے اور لذات کے جال میں بُری طرح پھنس کر حد اعتدال سے آگے بڑھ جائے۔ بدیں سبب اُس کے نفس میں امراض پیدا ہوں اور اسکی روح علیل بنے۔ اس علت سے نجات دینے کیلئے شریعتیں اور دینی قوانین نازل ہوئے۔ یہ احکام حرص و ہوا کی دلدادہ طبیعتوں کو قابو میں لانے اور معتدل بنانے کے ذرائع ہیں۔ نفس امارہ کا زور انہی سے ٹوٹتا ہے۔ اور قوت حیوانی ان ہی کے وسیلے سے حد اعتدال پر آتی ہے۔ انسان

مال وزر کا عشق حد سے بڑھا ہوا رکھتا ہے۔ اسی واسطے مال کی مذمت مذہب نے بار بار کی۔ اسکا یہ مطلب نہیں کہ آدمی بالکل مال سے ترک تعلق ہی کر لے۔ بلکہ اس کا بیجا اور حد سے بڑھے ہوئے عشق کا زور توڑنا مقصود ہے۔ اور یہ مدعا ہے کہ مال جائز ضروریات زندگی میں مناسب طور سے خرچ کرنے کے لئے ہے نہ کہ جمع رکھنے اور اس پر مار گنج بن کر بیٹھنے کے واسطے پس مال کی مذمت سنکر دل سے اس کی محبت کم ہوگی۔ اور اسے اپنی ذاتی ضرورتوں اور نفع رسانی خلائق کے کاموں میں خرچ کرنے کا خیال پیدا ہوگا۔ نہ یہ کہ اس کو قطعاً چھوڑ دیا جائے۔ دیکھو یہاں قابل غور امر یہ ہے کہ طبیعت مال کے جمع کرنے کا حد سے بڑھا ہوا پہلو لئے ہے۔ اور دین مال سے بے تعلقی رکھنے کی ہدایت کرتا ہے۔ اب افراط و تفریط کے دونوں پہلوؤں کا وسطیہ اعتدال ہے۔ کہ مال کو حاصل کر کے اس کے اصلی مصارف میں خرچ کیا جائے۔ اور اس طرح انسان وسط کے درجہ میں آجائے۔ جو اخلاق کا درجہ اور محمود ہے۔ اور اگر ہم یہ دیکھیں کہ شرع میں مال کی مذمت دیکھکر کوئی شخص اسکو قطعاً ترک کر دیتا۔ اور اس کے فکر حصول سے ہاتھ اُٹھا لیتا ہے۔ تو ہم اسی لعنت ملامت کر کے کسب معاش کی رغبت دلائینگے۔ تاکہ وہ تفریط کے کنارہ سے ہٹ کر اعتدال کے مرکز پر آجائے۔ اور اسی قاعدہ پر ہم اپنی اس کتاب میں قوم کو علوم دنیا کی طرف سے بے پرواہ پاکر اور انہیں مخالف دین سمجھ کے ترک کرتے ہوئے دیکھ کر ان علوم کا وجوب ثابت کر چکے ہیں اور کرینگے تاکہ منکرین علوم کی دلیلیں توڑ دیں اور قوم کو تحصیل علوم و فنون پر مائل بنائیں۔

سینتیسواں جوہر

معجزات کا دین سے تعلق

مذاہب کا ایک دستور یہ بھی ہے کہ ان کی بنیاد ایسے خارق عادت امور پر قائم ہو۔ کہ فلسفہ اور علم کے ساتھ ان کی موافقت نہ ہو سکے۔ اور اس وجہ سے علم اور دین میں سخت اختلاف اور دوری پڑی رہے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ عام مسلمانوں کے اعتقاد و خیال کے برعکس قرآن کریم نے اپنے مقصد کی خود ہی تصریح کر دی ہے۔ اور اللہ پاک ارشاد کرتا ہے۔

اور ہمکو [illegible] معجزوں کو بھیجنے سے [illegible] اور وجہ مانع	" وَمَا مَنَعَنَا اَنْ نُرْسِلَ بِالْاٰیٰتِ

إِلَّا أَنْ كَذَّبَ بِهَا الْأَوَّلُونَ وَ
آتَيْنَا ثَمُودَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً
فَظَلَمُوا بِهَا وَمَا نُرْسِلُ بِالْآيَاتِ
إِلَّا تَخْوِيفًا ۔ وَإِذْ قُلْنَا لَكَ إِنَّ
رَبَّكَ أَحَاطَ بِالنَّاسِ وَمَا جَعَلْنَا
الرُّؤْيَا الَّتِي أَرَيْنَاكَ إِلَّا فِتْنَةً
لِلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُونَةَ
فِي الْقُرْآنِ وَنُخَوِّفُهُمْ فَمَا
يَزِيدُهُمْ إِلَّا طُغْيَانًا كَبِيرًا ؏

(۱۷: ۵۹و۶۰)

نہیں رہو ئی اگر یہی کہ اگلو لوگوں نے انکو جھٹلایا۔ چنانچہ ہم نے
(قوم) ثمود کو اونٹنی (کا کھلا ہوا) معجزہ دیا تھا پھر بھی لوگوں نے
انہوں نے اُسکو ستایا (یہاں تک کہ اسکو ہلاک کر دیا) اور یہ جو ہم معجزے
بھیجا کرتے ہیں تو صرف ڈرانے کی غرض سے بھیجا کرتے ہیں۔ اور اس وقت
کو یاد کرو جب ہم نے تمسے فرمایا کہ تمہارے پروردگار (یعنی ہم) نے لوگوں
کو ہر طرف سے روک رکھا ہے (کہ تم پر ہاتھ نہ ڈال سکیں) اور خواب جو
ہم نے تمکو دکھایا تو بس ان لوگوں کے ایمان کی آزمائش کا ذریعہ ٹھہرایا اور
(اسی طرح تھوہر کی) درخت کو جسپر قرآن میں لعنت کی گئی ہے غرض ہم
ان لوگوں کو ہم (طرح طرح پر) ڈراتے ہیں لیکن ہمارا ڈرانا انکی سرکشی
کو اور کئی درجے زیادہ کرتا ہے۔

قرآن کریم نے اس مقام پر صاف طور سے کہدیا ہے کہ شب معراج کا مسئلہ۔ بیت المقدس کا دیکھنا اور لوگوں
کو اس کی خبر دینا حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی مسجد قدس کو نہیں دیکھا تھا۔
اور ایسے ہی لعنت کئے گئے درخت "تھوہر" کا دوسرے مقام پر ذکر آنا اور بیان ہونا کہ ان معجزات
کے اظہار سے بھی کچھ لوگ ایمان لائے۔ اور کچھ کفر ہی کی تاریکی میں پڑے رہے۔ ان سب امور
کا ذکر خوف اور ڈر دلانے کے واسطے کیا گیا تھا۔ اور اگلے زمانہ والوں پر اُن آیات اور معجزات
کا الٹا ہی اثر پڑا کہ وہ کفر اور سرکشی میں ہر روز بڑھتے چلے گئے۔ یہ مدعا رکھتا ہے۔ کہ سینکڑوں
برس کی تباہ شدہ قوموں کا بُرا حال سُنکر موجودہ انسانوں کو خوف دلایا جائے۔ اور ان پر ظاہر
کیا جائے کہ قوم ثمود جس کو دھونس و دھڑکا دینے کے واسطے خداوند کریم نے اپنے قدرتی
نشان کے طور پر ایک ایسی اونٹنی عطا کی تھی۔ جسکا با فراط دودھ تمام قوم کے گھرانوں کو آسودہ
بنا دینے کے لئے کافی ہوتا تھا۔ مگر اُن کمبختوں نے انعام ایزدی کا شکریہ ادا کرنے کی جگہ الٹے اُسکی
ناشکری کی اور "قدار بن سالف" نامی ایک آدمی نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں۔ اس واسطے
اللہ پاک نے قوم ثمود کو ہلاک کر ڈالا۔ بہرحال اس سے ثابت ہوا کہ معجزات اور خوارق عادات
قومی عمارت کا سنگ بنیاد نہیں رکھا کرتے۔ بلکہ اُس کے انہدام کے آلات ہوتے ہیں۔ اسی واسطے
دین اسلام کا مستحکم ستون دندان شکن دلیلیں اور عقلی براہین قرار پائیں اور مختلف علوم و
فنون کی تحقیقات و تحصیل کو اس دین کے حقائق معلوم کر سکنے کا آلہ بنایا گیا۔ بس گویا کہ خداوند

یہ فرماتا ہے کہ جب قوموں کا زمانہ طفولیت تھا۔ اور انسانوں کی جماعتیں جہل و تاریکی میں پڑی تھیں اسوقت ہم قدرتی نشانات کے عجائب و غرائب دکھا کر انہیں ڈراتے اور بیدار کرتے تھے۔ مگر پھر بھی اس دھمکی کا اثر ان پر کچھ نہیں ہوا۔ اور وہ دریائے کفر و جہل ہی میں غرق ہوتے چلے گئے۔

معجزات اور خارق عادت باتیں ایسی ہیں جیسے بچوں کے لئے استاد کی چھڑی ادھر استاد نے چھڑی اٹھائی اور اُدھر بچوں نے فوراً سیدھی طرح اپنے فرائض کو انجام دینا شروع کیا اور جب تک یہ خوف کا اثر دل میں قائم رہا کام کرتے گئے۔ مگر جیوں ہی وہ اثر زائل ہوا کہ پھر بدستور سابق غافل ہو کر کھیل میں مصروف ہو گئے۔ یہی حالت ان جاہل اور کم فہم قوموں کی ہے۔ جو معجزات دیکھ کر ایمان لاتی ہیں۔ جب تک معجزات کا اثر دلوں میں موجود رہا۔ ہر ایک رکن ایمان پر عمل کرتی رہیں اور جیسے ہی وہ اثر دل سے دور ہوا۔ ان کا ایمان و اعتقاد بھی کافور کی طرح اڑ گیا۔ لیکن جو قومیں مذہب کی پاک تعلیمات سمجھنے کی عقل رکھتی ہیں۔ اُن کو اسی وقت ایمان پر استحکام ہو سکتا ہے جبکہ وہ علوم و معارف کے وسائل سے آگاہ بنائی جائیں۔ اور غور و فہم سے کام لینے کی تعلیم پائیں۔ جیساکہ اس امت محمدیہ صلعم کے واسطے قرآن نازل کیا گیا تاکہ وہ علوم میں نظر کریں اور آسمان و زمین کی خلقت پر غور و خوض فرمائیں۔

اور چونکہ خرق عادات ہمیشہ ایک ڈراونے عصا کی شکل میں ہر وقت اُن تباہ شدہ سابقہ قوموں کو ڈراتی اور پریشان کرتی رہی ہیں۔ اس واسطے خداوند کریم فرماتا ہے کہ ہم نے اُس تازیانہ عذاب کو اس امت کے لئے ایسے اسباب رحمت سے بدل دیا۔ جو دمبدم عقل پر جلا چڑھاتے جانے والے ہیں کیونکہ اس امت کا دین کشادہ دلی اور شگفتہ روئی کے ساتھ علوم کا استقبال کرتا ہے۔ اور اس نے کیا بھی۔ اور پھر اس بات کے بعد کہ وہ علوم حاصل کرلے۔ اس کو علوم کے پھل بھی ملینگے۔ جو اعلیٰ درجہ کی نئی باتوں کا دریافت ہونا ہے۔ اور اُسی کے متعلق خداوند کریم ارشاد فرماتا ہے۔

"سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ" (۴۱: ۵۳)

اور عنقریب ہم اُنکو دنیا کے اطراف میں اور خود اُن کے درمیان میں بھی اپنی قدرت کی نشانیاں دکھائینگے یہاں تک کہ اُن پر کھلجائے کہ حق ہے یہ قرآن۔

اور دوسری آیت میں ارشاد کیا ہے:۔

"قُلْ لَا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِي خَزَائِنُ اللَّهِ

اے پیغمبر لوگوں سے کہدو کہ میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس

وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّىْ مَلَكٌ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰىٓ اِلَىَّ قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ٥ (۶ : ۴۹)	۔ خدا کی سرکار کے خزانے ہیں۔ اور نہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ تم سے کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں میں تو بس اسی حکم پر چلتا ہوں جو میری طرف وحی کیا جاتا ہے۔ اے پیغمبر ان لوگوں سے پوچھو کہ کیا اندھا اور جسکو سوجھ پڑتا ہو دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ کیا تم لوگ اتنی بات بھی نہیں سمجھتے

یہاں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت صاف کہہ دیا گیا کہ تم لوگوں سے بیان کردو کہ حکم الٰہی میرے ہاتھ میں ہرگز نہیں جسکی وجہ سے میں اُس کے خزانوں میں تصرف کرسکوں نہ مجھے کوئی ایسا علم آتا ہے۔ کہ غیب کی باتیں بتادوں اور نہ میں مادہ سے پاک فرشتہ ہوں بلکہ میری جو کچھ بھی حالت ہے وہ یہ ہے کہ جو حکم خدا کی طرف سے مجھے ملتا ہے۔ وہ تم کو سنادیا کروں اور بس۔ اور تمہارا یہ حال ہے کہ تم دو قسموں میں منقسم ہو۔ عاقل اور غیر عاقل۔ لہذا جو تم میں سے سمجھے اور میری تعلیم کو ذہن نشین کرے وہ ہدایت پائیگا۔ اور جو گمراہ ہوجائے۔ میں اس کے لئے کیا کرسکتا ہوں۔

نادان نہ بنو۔ اور سوچو کہ جب اہل مکہ نے رسول خدا صلعم سے خواہش کی کہ اگر آپ نبی ہیں تو اپنے خدا سے دعا کیجئے وہ سرزمین مکہ میں جو خشک اور بے آب و گیاہ ہے۔ ہمارے واسطے چشمے رواں کردے اور سرسبز درختوں اور پر ثمر پودوں کے ایسے باغ یہاں اُگائے۔ جنکے مابین نہریں بہ رہی ہوں۔ اور یہ انعام نہ فرمائے۔ تو ہماری سرکشی کی سزا کے طور پر آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے ہماری سر پر گرادے۔ یا یہ بھی نہ ہی تو ہم اپنی آنکھوں سے تمہارے خدا اور اس کے فرشتوں کو دیکھہ لیں۔ یا یہ کہ تمہارا کوئی اعلیٰ درجہ کا سونے سے بنا ہوا گھر ہمیں نظر آئے۔ یا تم ہم کو آسمان پر چڑھتے دکھائی دو اور پھر وہاں سے ہمارے واسطے ایک خداوندی کتاب (تحریر) لے آؤ۔ جسے ہم پڑھیں"۔ کفار مکہ یہ باتیں کہہ کر چپ ہوئے تو رسول خدا صلعم نے فرمایا "سُبْحَانَ رَبِّىْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا"

سبحان اللہ!! کیا میں ایک رسول سے جو بشر ہے۔ کچھہ اور زیادہ ہوں!!! یعنی میں انسان ہوں اور شرف رسالت کے سوا کوئی امتیاز نہیں رکھتا۔ پھر کیونکر تمہاری یہ بے سروپا خواہشیں پوری کردوں۔ اور ایسا ہی سابق کی آیت میں فرمایا تھا کہ نہ میرے پاس خدا کی سرکار کے خزانے ہیں نہ میں غیب دان ہوں اور نہ فرشتوں میں سے ہوں تو اب بجز اس کے اور کوئی بات باقی نہ رہی۔ کہ میں منجانب اللہ رسول ہوں۔ اور جو حکم خدا کی طرف سے آتا ہے۔ وہ تم تک پہنچادیتا ہوں

اب اُس حکم میں غور و خوض کرنا تمہارا کام ہے۔ دیکھو یہاں رسول کریم کی دندان شکن دلیل اور
پختہ حجت بھی تعقل ہے۔ لیکن جو بات ہم اوپر بیان کر چکے۔ یہ رسول عربی صلعم کے ہاتھوں پر
معجزات اور خوارق عادات بھی ظاہر ہونے کے منافی نہیں۔ آپ نے معجزات دکھائے مگر نہ صرف
اس قصد سے کہ وہ معجزات ہی ہوں۔ بلکہ اس لئے کہ لوگ ان نشانیوں پر بھی غور کریں اور یہاں
بھی عقل سے ہی کام لیں۔ کیونکہ آپ کا سب سے بڑا اور حقیقی معجزہ قرآن ہے اور اس میں غور
کرنا ہی موجب پختگی ایمان ہے۔ جیسا کہ اللہ پاک نے ایک دوسری آیتہ میں اپنے رسول
صلعم سے یوں کہلایا:۔

"وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ وَنُقَلِّبُ اَفْئِدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ" (۶: ۱۱۰-۱۱۲)	اور کفار مکہ اللہ کی بڑی سخت قسمیں کھا کھا کر مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ اگر انکو کہنے کے مطابق کوئی معجزہ انکے سامنے آئے تو وہ ضرور اسپر ایمان لے آئینگے۔ اے پیغمبر تم مسلمانوں کو سمجھا دو کہ معجزے تو اللہ ہی کے پاس ہیں (یعنی اُسکے اختیار میں ہیں) اور مسلمانو تم لوگ کیا جانو یہ لوگ جیسے پہلی دفعہ قرآن پر ایمان نہیں لائے معجزے آنے پر بھی ایمان نہیں لائینگے۔ اور ہم انکے دلوں اور انکی آنکھوں کو الٹ دینگے۔ اور ہم انکو ان کی سرکشی کی حالت میں پڑا رہنے دینگے۔ کہ پڑے بھٹکا کریں۔ اور اگر ہم آسمان سے انکیلئے فرشتوں کو اتارتے اور مردے بھی انسے باتیں چیتیں کرتے اور جتنی چیزیں ان کی نظر سے بالفعل مخفی ہیں جیسے دوزخ و جنت وغیرہ اُن سب کو بھی انکے سامنے لا موجود کرتے تب بھی تو یہ بے مشیت الہی ایمان نہ لاتے۔ لیکن انمیں اکثر مشیت الہی کو نہیں سمجھتے۔

مقصود یہ ہے کہ اگر خوارق عادت ظاہر بھی ہوں تو اُنکا وہ فائدہ نہ حاصل ہوگا جو قصد کیا جائے
اور ان کے دل اور انکی آنکھیں پلٹ دی جائینگی جس سے یہ ایسے ہو جائینگے۔ کہ گویا یہ ایمان ہی نہیں
لائے ہیں۔ بلکہ اگر یہ فرشتوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں اور قبروں کے مردے زندہ ہو کر ان سے
بات چیت کریں۔ تو یہ بات بھی ان کو کچھ فائدہ نہ دیگی۔ یہ جاہل ہی رہینگے۔ غرضکہ خدائے پاک نے
بوضاحت بیان کر دیا کہ ایمان کا مدار قرآن کی سمجھ پر ہے۔ ایسی سمجھ جسکی آیہ کریمہ:۔

"اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ	کیا ان لوگوں کے لئے یہ معجزہ کافی نہیں کہ ہم نے تم پر قرآن اتارا جو ان کو پڑھکر سنایا جاتا ہے۔ جو لوگ ایمان لانے

لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ○ (۲۹: ۵۱)	والے ہیں۔ اُن کے لئے تو اس میں خدا کی بڑی مہربانی اور نصیحت ہے۔

میں تصریح کردی گئی ہے۔ اور پھر ایک دوسری آیت میں یوں ارشاد کیا:۔

"وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۚ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ ۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ" (۷: ۱۸۷)	اور اگر میں غیب جانتا ہوتا۔ تو اپنا بہت سا فائدہ کر لیتا اور مجھ کو کسی طرح کا گزند ہی نہ پہنچتا۔ میں تو ان لوگوں کو جو ایمان لانا چاہتے ہیں۔ دوزخ کا ڈر اور بہشت کی خوشخبری سنانے والا ہوں اور بس۔

دیکھو خدا کا رسول صاف صاف کہہ رہا ہے کہ مصائب اور درد دکھ مجھ گھیرے رہتے۔ اور تکلیفیں مجھ کو پیسے ڈالتی ہیں تو کیا اگر مجھ کو غیب کا علم ہوتا تو میں زمانہ کی آفتوں سے بچ نہ سکتا۔ ضرور بچتا اور ہر طرح اپنے بچاؤ کا سامان کر لیتا۔ مگر چونکہ یہ بات نہیں۔ اس واسطے مجھے تکلیفیں برداشت اور مصائب کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ پس اب میں محض اُنہی لوگوں کو عذاب سے ڈرانے اور ثواب کی خوشخبری سنانے والا رہا۔ جو اپنی عقل کے ذریعے نیک و بد کو سمجھ کر اچھی باتوں اور سچے اقوال کی تصدیق کرتے ہیں"۔

یہ بیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ کی حالت کو روز روشن کی طرح صاف کرکے دکھا دیتا ہے اور بتا رہا ہے۔ کہ آپ کا کیا مرتبہ تھا۔ اور اب تم کو انسؓ کی اس روایت سے خوف زدہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔ کہ اُنہوں نے بیان کیا ہے۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و اصحابہ وسلم ایک گروہ کی طرف تشریف لائے۔ وہ لوگ اپنے کھجور کے درختوں کو گابھہ دے رہے تھے یعنی نر درختوں کا شگوفہ مادہ درختوں کے شگوفہ میں ڈال رہے تھے۔ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ و اصحابہ وسلم نے فرمایا "اگر تم ایسا نہ کرو جب بھی کام بن جائیگا"۔ لوگوں نے آپ کے حکم کی تعمیل کی اور گابھہ دینا ترک کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کھجور کے پھل سوکھے اور مردہ پیدا ہوئے۔ اس حالت میں پھر رسول پاک صلعم کا اسی جانب گذر ہوا اور آپ نے یہ حال ملاحظہ فرما کر پوچھا "تمہارے درختوں کا کیا حال ہو گیا ہے۔"؟ لوگوں نے عرض کیا "آپ نے یوں حکم دیا تھا۔ اس کی تعمیل کی گئی اور نتیجہ یہ ہے جسے حضور ملاحظہ فرماتے ہیں"۔ آپ نے ارشاد کیا "اپنے دنیاوی معاملات کو تم خود ہی اچھا جانتے ہو"۔ اور مسلمؒ کی روایت میں آیا ہے کہ آپ نے فرمایا "میں آخر بشر ہوں۔ اگر تم کو دین کے بارہ میں کوئی حکم دوں تو اس پر عمل کرو۔ لیکن اگر

اپنی رائے سے کچھ کہوں۔ تو اس میں کلام نہیں ہو سکتا ہے کہ میں بشر ہوں۔ یعنی غلطی کا احتمال ہے"۔ پھر ایک اور روایت میں یوں آیا ہے کہ " اگر ان کو اس عمل سے فائدہ تھا تو اس کو کرتے رہیں۔ کیونکہ میں نے ایک خیال کیا تھا۔ اور ظن پر میرا مواخذہ نہ کرو۔ ہاں اگر خدا کی طرف سے تم کو کوئی بات بتاؤں۔ تو اسے مضبوطی کے ساتھ پکڑ لو۔ اس لئے کہ میں نے کبھی خدائے عزوجل پر غلط بہتان نہیں باندھا ہے"۔

غرضکہ اس روایت سے دین اسلام کا حال واضح ہوتا اور معلوم ہو جاتا ہے۔ کہ اس کا مدار محض عقل، علم اور غور و فکر پر ہے۔ اور اسی واسطے علوم کے بارہ میں قرآن کی ۷۰۰ کے قریب آیتیں پائی جاتی ہیں۔ اور عبادات۔ معاملات اور حدود میں کل (۱۵۰) آیتوں سے زائد نہیں ملتیں۔ اور اس طرح اشارہ کیا گیا ہے کہ قرآن کا مقصد وہی پہلی قسم یعنی علوم ہیں۔

اڑتیسواں جوہر

دین سے بے سوچے سمجھے علوم کا اخذ کرنا

نادان و جاہل کے سوا کوئی سمجھدار آدمی دینی اصول سے علوم کو اخذ کرتے ہوئے غور و فکر کو ترک نہ کریگا۔ امام غزالی کتاب احیاء العلوم کی جلد چہارم باب التفکر میں فرماتے ہیں "اگر کوئی مجھ پر یہ اعتراض کرے کہ " تم نے مال و جاہ۔ نام و نسب اور اولاد اور بیویوں کو نعمت کے شمار میں داخل کیا ہے۔ اور اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سلف صالحین نے ان چیزوں کو برا بتایا ہے۔ تو ان کے مذمت کرنے کی کیا وجہ ہے؟ مثلاً دیکھو اللہ پاک فرماتا ہے۔ " اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ "۔ بیشک تمہاری بیبیوں اور بچوں میں بعض تمہارے دشمن ہیں۔ ان سے ڈرتے اور بچتے رہو۔ اور ارشاد کرتا ہے " اِنَّمَا اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ "۔ تمہارے مال اور تمہاری اولاد فتنہ ہے۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں۔ الناس ابناء ما یحسنون وقیمة المرء ما یحسنه "۔ یعنے لوگ اپنی طرف سے اچھوں کی اولاد بننا چاہتے ہیں۔ حالانکہ آدمی کی قدر و قیمت اس چیز میں ہے جو اسے خود اچھا بنادے"۔ گویا حسب و نسب

کی مذمت کی گئی ہے۔ اور پھر مشہور مقولہ ہے کہ "آدمی کی خوبی ذاتی جوہر سے ہوتی ہے نہ کہ اسکے باپ کی خوبی سے"۔

لہٰذا اگر کوئی شخص تاویل کئے گئے منقول الفاظ یا تخصیص کی گئی عام باتوں سے علم دین حاصل کرنا اختیار کرے تو ایسے آدمی پر گمراہی غالب رہیگی اور جب تک نور الٰہی اس کا مشعل رہ بن کر اسے علوم کی حقیقت و ماہیت سے آگاہ نہ بنا دے اسوقت تک وہ کبھی علوم کا صحیح ادراک نہ کرسکیگا البتہ ہدایت ایزدی کے بعد وہ اپنے نزدیک ظاہر ہونے والی تاویل و تخصیص کی بنیاد پر نقل کے معنی لگا سکیگا۔ اس میں شک نہیں کہ جاہ و مالِ دنیا قابل قدر نعمت اور امر آخرت پر انسان کی مددگار ہے اور اس کے نعمت ہونے کا انکار نہیں ہوسکتا مگر چونکہ اس میں فتنے اور خوف کے موقعے بھی ہیں۔ اسی واسطے اُن مضرت رساں امور پر مطلع کرنے اور ان سے محترز رکھنے کی نیت سے ان نعمتوں کی مذمت بھی کی گئی۔ امام غزالیؒ نے مال و دولت کو حیلہ سے اور دینی فوائد کو تریاق سے تشبیہ دی ہے۔ دنیا کے گھمنڈ اور اس کی خواہشات کو زہر قاتل بتایا ہے اور علماء و انبیاء علیہ السلام کو معزم یعنے تریاق سمیات کا ماہر اور زہر کے اثر کا باطل کن قرار دیا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ تریاق کو معزم کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ غرضکہ امام نے اس موضوع پر جو کچھ لکھا ہے۔ اس کا کچھ خلاصہ یہ تھا۔ جو ہم نے یہاں درج کردیا۔ جس کے بعد اُن کے تمام اقوال کا ماحصل چند لفظوں میں بتائے دیتے ہیں اور وہ یہ ہے۔ کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے خیال میں علوم کا دار و مدار عقل، برہان، اور تحقیق پر ہے۔ باقی رہیں قرآن کریم کی آیتیں تو اُن کی کچھ ظاہری اغراض ہیں جو عام اور وہ جمہور کے مذاق سے مناسبت رکھتی ہیں۔ لیکن خاص خاص لوگ اُن پر غور کرنے کے محتاج ہیں تاکہ باریکیوں کا پتہ لگا سکیں اور اُن کے مخفی اسرار سے بھی کچھ بہرہ پائیں۔

انتالیسواں جوہر

دین میں غلو کرنا

دین میں غلو کرنا زبون ہے۔ اس کے بارہ میں اللہ پاک ارشاد کرتا ہے۔

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ	اے اہل کتاب اپنے دین میں حد اعتدال سے تجاوز یعنی افراط

لَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ط اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ج اَلْقٰهَآ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ ز فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ قف وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ط اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ط اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ج سُبْحٰنَهٗٓ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ م لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ط (۴: ۱۷۱)

تو زیادتی نہ کرو اور خدا کی نسبت حق بات کے سوا ایک لفظ بھی منہ سے نہ نکالو۔ حق بات تو اتنی ہی ہے کہ مریم کے بیٹے عیسیٰ مسیح بس اللہ کے ایک رسول ہیں اور خدا کا حکم جو اس نے مریمؑ کی طرف کہلا بھیجا تاکہ بے شوہر حاملہ ہو جاؤ اور وہ ہو گئیں اور وہ ایک روح تھی جو خاص خدا کی طرف سے دنیا میں آئی تو اللہ اور اسکے رسولوں پر ایمان لاؤ اور تین خدا کہنے سے باز آؤ کہ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔ بس اللہ ہی اکیلا معبود ہے وہ اس سے بری ہے کہ اسکے کوئی اولاد ہو۔ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور

نص صریح میں خدا نے غلو فی الدین سے منع فرما دیا اور اسکی تعمیل یوں ہو سکتی ہے۔ کہ ہم نہ تو انبیا علیہم السلام کو درجہ الوہیت پر چڑھا دیں اور نہ انہیں غیر معصوم کے ادنیٰ درجہ پر گرا دیں۔ بلکہ انکا وہ مناسب مرتبہ جو تبلیغ کے شایان شان ہے۔ ان کو حاصل رہنا چاہیئے۔ اور ایسے ہی اولیا اللہ اور خدا کے نیک و پاک سیرت بندوں کے حق میں بھی ہمارا یہ اعتقاد ہونا چاہئے۔ کہ جس انداز سے انہوں نے نیکیاں اور عبادت الٰہی کی ہے۔ اس قدر ان کو قرب خداوندی حاصل ہے۔ ان سے جو کچھ فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے یا اگر ان سے کچھ ضرر پہنچ سکتا ہے۔ تو اسی طرح کہ انکی پیروی کی جائے۔ یا اُن کے طرز عمل سے اختلاف کیا جائے۔ کیونکہ وہ ہمارے واسطے بمنزلہ نمونہ اور رہبر کے ہیں۔ اور ہمیں ان کی تقلید کرنے کی کوشش کرنی چاہئیے۔ کہ نیک کاموں میں پسندیدہ سستی سے کام لیں۔ اور اس کے سوا کوئی صورت ان سے نفع اٹھانے یا ضرر پانے کی نہیں ہے۔ اور قبروں کی تعلیم میں حد اعتدال سے بڑھ جانا یا ایسی ہی دوسری باتیں مثلاً پیر پرستی وغیرہ یہ سب دین میں غلو کرنے اور شرک و بت پرستی کی جانب راجع ہونے کی علامتیں ہیں۔

چالیسواں جوہر

امت پر عقلی علوم اور دستکاریوں کا وجوب

مذکورہ سابق مقدمات ادیان کے مقاصد کو سمجھکر تم پر واضح ہو گیا ہوگا کہ حکمت۔ طبیعیات اور

فلکیات وغیرہ عقلی اور نظری علوم کا حاصل کرنا امت پر واجب ہے۔ اس واسطے اگر قوم ان علوم کو ترک کر دیگی۔ تو خداوندکریم اُسے دوہرے عذاب میں مبتلا کریگا۔ ایک تو آخرت کا عذاب جو دائمی اور نہائت سخت ہے اور دوسرا عذاب دنیا جس کی صورت مفلسی۔ ذلت اور جان و مال کی کمی سے ہویدا ہوگی۔ مال و دولت یوں ہاتھ سے نکل جائیگا۔ کہ دنیاوی علوم جو کسب معاش کے ذریعے ہیں۔ قوم میں معدوم ہونگے۔ زراعت۔ دستکاریاں۔ علم حیوانات۔ ومعدنیات و تجارت وغیرہ کے متعلق جتنی معلومات ہونی چاہئیے۔ وہ ان میں بالکل نہ ہوگی۔ جانوں پر اس واسطے زوال رہیگا۔ کہ حفظان صحت اور علم طب کے ماہران میں کم یا معدوم ہونگے۔ اور امراض و خلاف تندرستی طریق عمل کی خرابیاں افراد قوم کو کھا جائینگی۔ علم فلکیات نہ ہوگا۔ تو موسم کی تبدیلی اور آب و ہوا کے انقلاب کا پتہ لگانا غیر ممکن رہیگا اور اس طرح بہت سے ایسے کام جو فصل و موسم میں ہونے چاہئیں۔ اُنسے بروقت نہ بن آئینگے۔ اور اس علم کے وجوب پر خدائے پاک کا یہ ارشاد دال ہے:۔

"اَوَ لَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ، وَّاَنْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ ۚ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ" (۷: ۱۸۵)

کیا ان لوگوں نے کہ آسمان و زمین کے انتظام اور خدا کی پیدا کی ہوئی کسی چیز پر بھی نظر نہیں کی۔ اور نہ اس بات پر کہ عجب نہیں ان کی موت قریب آگئی ہو۔ تو اب اتنا سمجھائے پیچھے اور کون سی بات ہے۔ جس کو سن کر ایمان لے آئینگے۔

گویا خدائے پاک ارشاد کرتا ہے۔ کہ اگر تم نگارخانہ قدرت میں غور کرنا ترک کر دوگے۔ تو علم معدوم ہوجائیگا۔ اور علم نہ ہوا تو تمہاری سلطنت زائل اور تمہاری دولت برباد ہوجائیگی۔ اور تم پر قیامت آجائیگی۔ قال اللہ تعالےٰ

"فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ"

جب ان کی اجل آپہنچیگی۔ تو نہ ایک ساعت پیچھے ہٹینگے اور نہ آگے بڑھینگے۔"

اور فرمایا "قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" کہدو اے پیغمبر کہ لوگو! ذرا دیکھو تو آسمانوں اور زمین میں کیا کیا ہے"۔ یہ ارشاد بالکل ویسا ہی ہے۔ جیسے کہ شفیق اُستاد طالب علم کو غور و خوض پر آمادہ بنانے کی نیت سے کہتا ہو۔ ذرا اپنے سامنے کی چیزوں پر آنکھ کھول کے نظر ڈالو" مطلب یہ ہوتا ہے کہ ان کے فوائد اور اسرار معلوم کر کے اُن سے فائدہ اُٹھاؤ۔ قرآن میں تمام علوم

پر غور کرنے کا حکم دینے والی آیتیں بکثرت ہیں اور ہم بخوف طوالت ان کا اعادہ یہاں نہیں کرتے کیونکہ حسب وعدہ آگے چل کر موقع سے اُن کا ذکر ہی کرینگے۔ لہذا یہی اجمالی اشارہ کافی ہے جو کر دیا گیا۔ اور ہادئی برحق حضرت محمد صلے اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کا قول ہے "طلب العلم فریضۃٌ علےٰ کل مسلم ومسلمۃ" ہر مسلمان مرد وعورت پر علم حاصل کرنا فرض ہے۔ مگر اس کی بارہ میں یہ جاننا ضروری ہے کہ اختلاف زمانہ اور مقام کے لحاظ سے علوم کا وجوب بھی مختلف ہوا کرتا ہے اور امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے اس کی توضیح احیاء العلوم میں بخوبی کردی ہے۔ تحصیل علم کا دور حاجت کے مطابق آثار ہتا ہے۔ جس علم کی قوم کے عام افراد کو ضرورت ہے۔ وہ اُنپر بالعموم واجب ہوگا۔ اور جس کا حاصل کر لینا چند ہی افراد کے واسطے کافی ہے۔ کیونکہ وہی لوگ مجموعی طور سے قومی ضرورت پوری کرسکتے ہیں۔ یا بعض کے سوا کل افراد اس علم کے حصول کی قدرت نہیں رکھتے تو ان معدودے چند آدمیوں ہی کا اس علم کو حاصل کر لینا بس ہے۔

نماز ہر ایک عاقل بالغ پر فرض ہوئی تاکہ وہ پانچ وقتوں میں یاد الٰہی کرے اور اپنے نفس کو خدا کی طرف مائل بنائے اور عالم معاد کا توشہ ساتھ لے۔

زکات کا واجب ہونا مالدار پر مال مزکیٰ کی مقدار کا علم حاصل کرنے کے لئے مفید اور اُسے ہمدردی بنی نوع کا عامل بناتا ہے۔

اور صوم کی فرضیت انسان کو اُس کی عام حاجتوں سے خبردار کرنے کا ذریعہ ہے۔ پھر اسی طرح جسپر حج فرض ہو وہ ارکان حج کا علم بہم پہنچانے کے لئے مجبور ہے۔ مگر یہ بات اُسی حالت کی لئے مخصوص ہے جبکہ قوم نے تمدن وحضارت کے دائرہ میں قدم نہ رکھا ہو۔ بلکہ ہنوز وحشت وجہالت ہی میں مبتلا پائی جاتی ہو۔ لیکن جسوقت قوم میں شہری زندگی اور تہذیب واجتماع کے آثار نمایاں ہو چلیں۔ تو اسوقت ہر ایک مسلمان مرد اور عورت پر بقدر ضرورت یا کچھہ شدید پڑھنے لکھنے کی استعداد بہم پہنچا لینا ضروری اور واجب ہے۔ دیکھو قرآن کریم میں سب سے پہلے جو آیت نازل ہوئی وہ خدائے برتر کا یہ قول ہے:-

"اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ۝ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ" (۹۶: ۱-۵)

پڑھو اپنے پروردگار کا نام لیکر جس نے (مخلوقات کو) پیدا کیا جس نے آدمی کو گوشت کے لوتھڑے سے بنایا پڑھو اور (سمجھ رکھو کہ) تمہارا پروردگار بڑا کریم ہے جس نے (آدمی کو) قلم کے ذریعہ سے علم سکھایا۔ اُس نے انسان کو وہ باتیں سکھائیں جو اُسکو معلوم نہ تھیں

دیکھو خدائے پاک کی طرف سے آنے والی وحی میں جو بات سب سے پہلے حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ و اصحابہ وسلم کے کانوں میں پڑی وہ علم اور قلم کا نام تھا اور ایک دوسری آیت میں آیا ہے۔

ن۔ قسم ہے قلم کی اور اس چیز کی جسکو تم لکھتے ہو	"نٓ۔ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ۝"

خدائے برتر نے اپنے رسول پاک کی امت کو تعلیم دینے کے طور پر قلم کی قسم کھائی۔ اور اس طرح یہ بھی بتادیا کہ باب علم کی کلید قلم ہے۔ اور یہی شرائط زندگی میں سے پہلی شرط بھی ہے۔ اور جس طرح عام لوگوں پر فن کتابت سیکھنا واجب ہے۔ ویسے ہی انہیں اپنے گرد و پیش کی موجودات کا علم بھی حاصل کرنا لازم ہے۔ وہ علم جو کہ فن الاشیا، رجزل نالج یا جغرافیہ بھی کہلاتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ عالم ہستی کی چیزیں ہی تمام علوم کی اصل و بیخ ہیں۔ کوئی علم ایسا نہیں ملتا کہ انہی چیزوں میں سے بعض چیزیں اسکی موضوع بحث نہ ہوں۔ مثلاً علم نجوم میں ستاروں کے اقسام و خواص، علم نباتات میں جڑی بوٹیوں اور درختوں کے حالات اور علم حیوانات میں انسان اور دیگر جانوروں کے کوائف کا بیان ہے۔ اور اگر تم اُن آیتوں پر جن کو ہم آگے چل کر درج کرینگے تامل کرو تو معلوم کرسکوگے۔ کہ ان میں انسان کے گرد و پیش محیط اشیاء کا کس خوشنما اسلوب سے تذکرہ ہوا ہے کہ پڑھنے والے کو اُس انداز بیان ہی سے ادراک حقیقت کا شوق پیدا ہو جاتا ہے۔

ایک بات قابل غور یہ بھی ہے۔ کہ ہر قوم میں تھوڑے افراد ایسے بھی ہوا کرتے ہیں۔ جن کو مالی اور دماغی قوت پوری پوری حاصل ہوتی ہے۔ اور وہ کسی نہ کسی علم کی طرف خاص میلان بھی رکھتے ہیں۔ ایسے آدمیوں پر بالذات واجب ہے کہ وہ اپنے دلپسند علوم میں وسعت نظر پیدا کریں اور قوم کو اپنی معلومات سے فائدہ پہنچائیں۔ تو قوم پر یہ فرض کفایہ ہے۔ اور حکومت پر یہ واجب ہے کہ وہ کافی تعداد کے علماء اور ماہر فن تیار کرے تاکہ وہ علوم و فنون کی حفاظت اور قوم کے نوجوانوں میں اُس کی اشاعت کریں۔ اب اگر قوم کے عام و خاص افراد یا قومی حکومت علمی سرمایہ کی حفاظت میں غفلت برتے تو قوم کی تباہی یقینی ہوگی اور اُسکا وجود کبھی قائم نہ رہ سکیگا۔

خداوند کریم کے اس قول سے بھی محافظ علوم جماعت تیار کرنے کا وجوب ثابت ہوتا ہے:۔

اور تم میں ایک ایسا گروہ بھی ہونا چاہئے جو لوگوں کو نیک کاموں کی طرف بلائے اور اچھے کام کرنے کو کہیں اور برے کاموں سے منع کریں۔ اور آخرت میں ایسے ہی لوگ مراد کو پہنچیں گے۔	"وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ" (۳: ۱۰۴)

اور قولہ تعالےٰ

"فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ"

(۹: ۱۲۲)

ایسا کیوں نہ کیا کہ ان کی ہر ایک جماعت میں سے کچھ لوگ اپنے گھروں سے نکلے ہوتے کہ دین کی سمجھ پیدا کرتے اور جب رسیکھ سمجھ کر اپنی قوم میں واپس جاتے تو ان کو نافرمانی خدا سے ڈراتے تاکہ وہ لوگ بھی بُرے کاموں سے بچیں۔

افراد قوم میں سے ہر ایک فرد پر واجب ہے۔ کہ وہ اپنی ذات میں جس کام کرسکنے کی قوت پاتا ہو اُسے کرے۔ علم کی کسی شاخ میں اسکا مذاق مناسب ہے۔ تو اُسی کو ترقی دینے پر مائل ہو۔ کار بار کی زندگی پسند ہے۔ تو سوداگری۔ کاشتکاری۔ صنعت و حرفت جو کام حسب دلخواہ ہو اُسے انجام دینے میں مصروف ہو جائے۔ مگر نہ برائے نام اس کے پیچھے پڑ جائے۔ کوشش و محنت کا کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھے اور سمجھے کہ یہ جدو جہد اُسپر فرض ہے۔

انسانی فطرت میں جو حکمتیں اور راز نہاں ہیں۔ اُنکا نظارہ ایسا حیرت انگیز ہے۔ کہ دیکھ کر انسان بھچک رہ جائے۔ کوئی کام اس طرح کا نہیں ملسکتا۔ جسکی تقسیم بلحاظ فطری قویٰ کے مجمع انسانی کے افراد پر نہ کردی گئی ہو۔ بچوں کی حرکات اور اُن کے طبعی میلان کی بغور نگرانی کرو تو صاف پتا چل جائیگا کہ وہ سب ایک ہی خیال اور میلان نہیں رکھتے۔ بلکہ بعضوں میں نہیت وحساب کی چند میں دستکاریوں کی کسی تعداد میں قومی جاہ وجلال کے حفاظت کی فطری رغبت موجود ہوگی اور وہ تعداد اگر اپنے فطری میلان واستعداد کے موافق اُٹھان پر اٹھائی جائے۔ تو قومی صحت کا قصر کبھی بوسیدہ نہیں ہوسکتا۔ اور قومی حکومتیں ابتدا ہی سے اس کا انتظام کریں۔ تو بہترین تمدن و تہذیب کی اشاعت دنیا کو نمونہ جنت بنادیگی۔ اللہ پاک اسی امر کی طرف اپنے اس قول میں اشارہ کرتا ہے۔

"فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا" (۳۰: ۳۵)

خدا کی بنائی ہوئی سرشت ہے۔ جس پر خدا نے لوگوں کو پیدا کیا۔ اسکی بناوٹ میں ردوبدل نہیں ہوسکتا۔

"وَلِكُلٍّ وِجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا"

(۲: ۱۵۰)

اور ہر ایک فریق کے لئے ایک سمت ہے۔ جدہر کو وہ اپنا رُخ کرتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم سے اس بارہ میں دریافت کیا گیا۔ تو آپ نے فرمایا "جَفَّ الْقَلَمُ بِمَا هُوَ كَائِنٌ أَوْ كَانَ" یعنے جو کچھ ہوا یا ہونے والا ہے۔ وہ احاطہ تحریر میں آگیا۔ اور ازل

بن گیا ہے۔ صحابہ رضی اللہ تعالے عنہم نے یہ جواب سن کر استفسار کے طور پر عرض کیا کہ یا رسول اللہ "تو کیا اب ہم لوگ محض ہاتھ پاؤں توڑ کر ہی بیٹھ رہیں؟" رسول خدا صلعم نے سر جھکا لیا اور فرمایا "تم لوگ کام کرو کیونکہ ہر شخص جس چیز کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے۔ اس کے سامان بھی رکھتا ہے" اس روایت سے بھی وہی مفہوم ہوتا ہے۔ جس کی تقریر ہم نے پہلے کر دی ہے۔ ہاں اگر کسی شخص میں فطری استعداد تو ہو۔ مگر مال و زر اُس کے پاس نہ ہو تو ایسے آدمی کی مدد قوم پر لازم ہے۔ سب کو ملکر اُس کی مالی اعانت کرنا چاہئے۔ تاکہ اُسکی فطری قوت کو زندہ کریں اور اسکی طبعی استعداد کو مردہ نہ ہونے دیں۔ اور ہم نے یہی معنے قولہ تعالے "لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا" سے سمجھے ہیں۔

الغرض اس بیان سے تم نے واجب عینی۔ واجب کفائی کی تعریف اور علوم و فنون کا واجب ہونا معلوم کر لیا ہوگا اور اب تم سمجھ گئے ہوگے کہ قوم کے ہر ایک فرد پر کسی نہ کسی پیشہ کا سیکھ لینا اور کسب معاش کرنا ضروری اور فرض ہے۔ ورنہ وہ دنیا میں ذلت و مفلسی کے رنج کی مار سہتا اور آخرت میں عذاب خداوندی کے وبال میں مبتلا رہیگا۔ اور حکومتیں چونکہ رعایا کو اپنے قابو میں رکھتی ہیں۔ اسواسطے انپر لازم ہے کہ افراد قوم کو لازمی اور جبری طور پر تعلیم و کسب معاش کیطرف مائل کریں۔ ورنہ جب تک قوم کسی ضروریات زندگی کی بھی غیر ملکوں سے منگوانے کی محتاج رہیگی اس وقت تک برابر قوم پر دنیا اور آخرت کا عذاب نازل ہوتا رہیگا۔ اور تمام علمائے اسلام کا یہی مذہب ہے۔

اکتالیسواں جوہر

دین کی توجہ علوم پر

سابقہ بیانات سے معلوم ہوا ہوگا کہ دین اسلام نے عقلی علوم اور طبیعی فنون کی تائید کی اور ان کے حاصل کرنے کی ترغیب دی ہے۔ اور ترغیب بھی ایسی کہ جب تم غور کرکے دیکھو تو معلوم ہوگا کہ گذشتہ قوموں کے تمام مذاہب میں دین کا انحصار محض عبادتوں اور دعاؤں یا ایسی ہی بعض مقدس رسموں میں رہتا چلا آیا ہے۔ مگر دین اسلام کا تعلق اوّلاً اور بالذات علوم

اور کائنات عالم میں غور کرنے سے رکھا گیا ہے تاکہ آدمی کے دل و دماغ میں عقیدۂ حقہ کا
ملکہ تربیت پائے۔ دیکھو قرآن کریم میں آیا ہے۔ "وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِي عِلْمًا" اس سے صاف ثابت
ہوتا ہے کہ اسلام کا مدار اور اس کی درستی و خوبی کا انحصار علم اور خلقت عالم میں غور کرنے
پر ہے۔ خضر اور موسیٰ علیہما السلام کے قصہ میں آیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے مجمع
میں تقریر فرمانے کے لئے کھڑے ہوئے۔ اُن سے سوال کیا گیا کہ بتاؤ "کون آدمی سب سے زیادہ
علم رکھتا ہے؟" موسیٰؑ نے کہا "میں خود سب سے بڑھ کر صاحب علم ہوں"۔ اُن کے اس دعوے
پر اللہ پاک نے انہیں معتوب بنایا۔ کیونکہ اُنہوں نے خدا کی طرف علم کی نسبت نہیں کی تھی۔
لہذا اُنپر وحی الٰہی نازل ہوئی کہ دو دریاؤں کے ملنے کی جگہ میں ہمارا ایک بندہ تم سے بڑھ کر صاحب علم
موجود ہے۔ موسےؑ نے عرض کیا "پرودگارا! میں اس سے کیسے ملوں؟" حکم ہوا کہ زنبیل میں ایک
مچھلی لے جاؤ۔ جہاں وہ مچھلی گم ہو جائیگی وہ بندہ وہیں ملیگا۔ غرض کہ پھر جو معاملہ پیش آیا۔ وہ
بخاری شریف کی روایت میں تشریح کے ساتھ مذکور ہے۔ اور منجملہ اُس بیان کے یہ امر بھی ہے
کہ خضر نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا "مجھ کو خدائے پاک نے ایک ایسا علم دیا ہے۔ کہ تم اُسے
نہیں جانتے۔ اور تم کو خدا نے وہ علم بتایا ہے جو مجھ کو معلوم نہیں"۔ پھر جب دونوں صاحب
کشتی میں سوار ہوئے تو ایک چڑیا نے اُن کے سامنے دریا میں آکر ایک یا دو چونچیں پانی پیا۔ اور
خضر علیہ السلام نے یہ تماشا موسیٰ علیہ السلام کو دکھا کر کہا "موسیٰؑ! میرا اور تمہارا علم خداوندی
علم کے آگے وہی نسبت رکھتا ہے جو اس چڑیا کے ایک چونچ پانی بحر ذخار میں سے لے لینے کو دریا
کے ساتھ مناسبت ہے"۔ اب اگر تم پورا قصہ دیکھو تو ان عجیب امور کا علم حاصل کرسکو گے
جو اُن کے ہاتھوں انجام پائے۔ اور اُس قصہ میں جس قدر حکمتیں ودیعت رکھی گئی ہیں۔ اُنپر بھی
آگاہی حاصل کر لوگے۔ مگر ہم بالاختصار یہاں چند حکمتوں کی طرف اشارہ کئے دیتے ہیں۔

اس قول نے ہم کو تنبہ کیا ہے۔ کہ علم کے ذریعہ سے زندگی کی مدت بڑھائی جا سکتی ہے اور
اسی واسطے ہم کو جتنی معلومات ہو اُسی پر بس کرکے نہ بیٹھ رہنا چاہئیے۔ بلکہ ہر وقت اضافۂ معلومات
کا خیال رکھنا اور اسکی کوشش کرنا چاہئیے۔ اور کیوں نہ ہو۔ جبکہ موسیٰؑ باوجود نبی ہونے کے
طلب علم کے لئے سفر اختیار کریں۔ اور دوسرے نبی اور خدا کے عالم بندے خضرؑ ان سے یہ کہیں
کہ جو تم جانتے ہو میں اُسے نہیں جانتا اور خدائے تعالےٰ کا علم تو بے نہایت ہے۔ جسکا اندازہ کرنا
محال ہے۔ غرضکہ انسان جب تک زندہ رہے۔ اُس وقت تک برابر وہ دوسرے سے علم حاصل

کرنے پر مجبور ہے اور یہ کام اس پہ واجب و لازم ہے تاکہ علم مخلوقات پر بخوبی واقف اور اس میں کامل ہو کر اکتشاف اور ایجاد کی طرف مائل ہو۔

ہم نے یہ بیان کیا تھا۔ کہ علوم کے متعلق قرآن کی آیتیں عبادات کی آیتوں سے چوبیس حصے زائد ہیں۔ اور اب ہم ان کی تفصیل شروع کرتے ہیں اور اپنا وعدہ جو پہلے کیا تھا وفا کئے دیتے ہیں آداب و علوم کے متعلق آیات۔(۷۶۳) کے قریب ہیں۔ ان کو امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کسی کتاب میں جمع کردیا ہے اور ہم ان میں سے ہر ایک آیت کو درج کرکے اس پر مناسب شرح اور حاشیہ چڑھائینگے۔ اور جن علوم کی طرف اس آیت نے اشارہ کیا ہوگا۔ اُسی بھی ساتھ ہی ساتھ بتاتے جائینگے۔ پھر جب آیات کی تفصیل اور شرح تمام ہولیگی۔ تو اس کے بعد شمار و اعداد کے ذریعہ سے اجمالی طور پر یہ دکھائینگے۔ کہ علوم کی طرف قرآن کریم میں کتنی مرتبہ اشارہ آیا ہے۔

تم دیکھوگے کہ عبادات اور معاملات کے بارہ میں صرف ایکسو پچاس آیتیں وارد ہیں۔ اور ان میں سے بھی معاملات کی آیتیں نکال دو۔ تو عبادات کی آیتیں پوری ایک سو بھی نہیں رہ جاتیں۔

مگر یہ دیکھکر سخت حسرت آتی ہے۔ کہ علمائے اسلام نے علوم کی طرف سے توجہ ہٹالی۔ اور اس بارہ میں اُن کو اتنا خیال بھی نہ آیا کہ صاحب شریعت صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی نظر میں اس کی بہت بڑی اہمیت تھی۔ بہرحال جو آیتیں میں آگے چل کر درج کرونگا۔ اُنمیں فلکیات تقویم جغرافیہ۔ ریاضیات۔ نباتات۔ حیوان و انسان کے معالم۔ طبعیات۔ حکمت۔ توحید اور کیمیاء وغیرہ علوم و فنون کی طرف مائل ہونے کا اشارہ اور صریح حکم آیا ہے۔ اور یہی علوم ہیں۔ جن پر یورپ کی قومیں بجا طور سے ناز کرتی ہیں۔ میں بالیقین کہتا ہوں کہ جو شخص ان آیات کو پڑھیگا۔ اور پھر اُن کے مطالب پر غور بھی کریگا۔ اس کے قلب میں صحیح وجدان نشو و نما پائیگا۔ اور اُس کی عقل میں علوم کی محبت اور سمجھ کی قوت اتنا زور پکڑ جائیگی۔ کہ وہ دل و جان سے اُن پہ جھک پڑیگا اور ان کے حصول کی سعی کریگا پھر جیسے ہی وہ اس منزل تحقیق کو طے کر چکیگا۔ اور علوم و آداب کی تجلیات سے اپنے دل و دماغ کو منور اور رشک مہر انور بنا چکیگا تو اس کے دل میں محبت خداوندی گھر کریگی اور ان عجائب و غرائب کے آفریدگار کا شوق بلکہ اُس کا عشق رفیق روح پائیگا۔ اور قدرت ایزدی کے نمونے دیکھکر بھی فرحت کے مزے لوٹیگا۔

الحمد للہ۔ اب ہم اصل مقصد کو آغاز اور تمہید ہی میں یہ بات ظاہر کرنا بھی مناسب خیال

کرتے ہیں کہ ایسی آیتیں جن میں علوم پر غور اور حکمت پر تامل اور تفکر کے احکام شامل ہیں بترتیب یکے بعد دیگرے وارد ہونگی۔ اور پہلے ہم ایک ہی آیت میں بہت سے علوم و آداب کو مجتمع پاکر ابتدا اُسی سے کرتے ہیں۔ کیونکہ اُس کے علوم آداب پر غالب ہیں

بیالیسواں جوہر

سورۃ الفاتحہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ٭
اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ۝ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝
مَالِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ ٭ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ
اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ٭ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ
صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ ۝ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ
عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ٭

شروع اللہ کے نام سے جو نہایت رحم والا مہربان ہے۔
ہر طرح کی تعریف خدا ہی کو سزاوار ہے۔ جو تمام جہان کا پروردگار ہے نہایت رحم والا مہربان روز جزا کا حاکم۔ اے خدا ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔ ہم کو دین کا سیدھا رستہ دکھا ان لوگوں کا رستہ جن پر تو نے اپنا فضل کیا۔ نہ ان کا جن پر تیرا غضب نازل ہوا۔ اور نہ گمراہوں کا۔

آغاز کلام ذکر رحمت الٰہی کے ساتھ کیا۔ جو کہ عالم کے علوی اور سفلی ہر ایک طبقہ کے لئے عام و تام ہے۔ پھر دوسری بات اپنی نعمتوں اور رحمتوں کی ثنا میں کہی جو کہ تمام دنیا میں پھیلی ہیں اور ہر ایک مخلوق کے شامل حال ہیں۔ پرندے اپنے آشیانوں میں۔ وحشی جانور جنگل اور میدانوں میں ستارے اپنے دور کرنے کی جگہوں میں اور نظام شمسی اپنے افلاک میں۔ سبھی اس کی رحمت عام اور بے انتہا نعمتوں سے بہرہ یاب ہیں۔ اس لئے ہم ایسی ہی ذات کی حمد کرتے ہیں۔ جس نے اس عالم ہستی کی تربیت اور پرورش عام رحمت و مہربانی سے فرمائی۔ نباتات۔ حیوان اور انسان ہر ایک نوع کو ایسی قوتیں عطا کیں۔ جن کے ذریعہ سے اُس کی ترقی دائم و قائم رہتی ہے۔ اور وہ قوت اس کے مناسب مزاج بھی ہے۔ اس لحاظ سے خداوند پاک نے صرف کسی ایک عالم (مخلوق) ہی کی تربیت نہیں فرمائی بلکہ بالعموم تمام مخلوقات کی۔ "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ"۔ اور تربیت کے لئے دھونس ڈھر کا اور رغبت و دہشت دلانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس واسطے اپنے قول "اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ" سے رغبت دلائی۔ رحمت الٰہی کیا ہے؟ وہی بیشمار نعمتیں اور ہر وقت ملنے والی برکتیں۔ اور ظاہر و باطن مہربانیاں

اور الطاف جو کہ زمانہ حیات میں انسان وحیوان کے گرد محیط رہتے ہیں۔ اور وہ ہولس دھرما کا اسکو
قول: "مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ" میں موجود ہے۔ وہ مخلوقات کے یوم الجزا کا مالک ہے۔ اور زمانہ
سراسر نوع ذی حیات کے حق میں روز جزا ہے کوئی جاندار ایسا نہیں جسکو ہر ایک لحظہ اور
ہر ایک حرکات وسکنات میں اپنے کرتوت کا بدلہ نہ ملتا ہو۔ آدمی جو کچھ جوانی میں بوتا ہے۔ بڑھاپے
میں اسی کا پھل پاتا ہے۔ اور کاہل اور بیکاری پسند شخص مالی کمی اور افلاس کے باعث تنگدل رہتا
ہے۔ ذیحیات مخلوق کی باگ خدا ہی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ وہ زندہ ہیں جب بھی مشیت
الٰہی اُن پر غالب ہے اور مرجاتے ہیں تو اس کے بعد بھی خدا کے قبضۂ اقتدار سے باہر نہیں جاسکتے
اور اسی لحاظ سے گویا پروردگار عالم جل شانہٗ ارشاد کرتا ہے۔ کہ اُسکی تربیت اور غور و پرداخت
تمام انواع مخلوقات کے لئے عام و تام ہے۔ اور وہی قادر مطلق خدا ہر طرح کے حمد وثناء کے سزاوار
ہے۔ اسی کی مہربانی اور رحمت وتوجہ مخلوقات کے شامل حال پائی جاتی ہے۔ اس نے بندوں
کو یونہی شتر بے مہار بنا کر نہیں چھوڑ دیا ہے۔ بلکہ ان کو غفلت سے بیدار۔ آگاہ وہوشیار اور سیدھے
راستہ سے خبردار کرنے کے واسطے کچھ موزون اصول مقرر کردیئے۔ تاکہ وہ گناہ ونافرمانی میں حد
سے بڑھکر بالکل شرارت وفساد کے مصدر نہ بن جائیں اور ہلاکت میں نہ جا پڑیں۔ چنانچہ جو بندے
حکم الٰہی کی مخالفت کرتے اور اعتدال کی چال چھوڑ دیتے ہیں۔ اُنکو قہر الٰہی رنج والم اور بلاؤں کے نزول
سے ٹھوکریں لگاتا رہتا ہے۔ اور یوں ان کو سرزنش اور گوشمالی دیتا رہتا ہے۔ پس اے ہمارے
معبود "اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ" تو ہم کو سیدھا راستہ دکھا چونکہ اس کی شان رحمت
عام اور قہر عظیم دونوں ہیں۔ اس واسطے ہم اس سے درخواست کرتے ہیں کہ ہمیں ایسا راستہ
دکھائے جو سیدھا ٹھہرا ہوا اور اُس پر چلنے والوں نے نجات پائی ہو۔ ایسے لوگوں کا راستہ دکھا۔
جو تیری طرف سر کے بل چلے اور تو نے اُنہیں اپنی نعمتوں کے خلعت وانعام عطا کئے۔ اپنی رحمت
کے لباس پہنائے اور اپنی رضامندی کی چادریں اڑھائیں اور یوں تیری رحمت تیرے غضب
پر پیش دستی لے گئی۔ اور ایسے لوگوں کا راستہ نہ دکھا جنکو عذاب وعقاب کے بھوت نے راستہ
میں اچانچک آدبایا۔ اور تو اُن پر غصے ہوگیا۔ اس واسطے وہ جاہل مطلق اور خشک و بے مغز ہو
گئے۔ اور ایسے کور مغز ہوئے کہ جو کچھ علم ان کے پاس تھا اُس کے سمجھنے میں بھی عاجز و ناچار رہ
گئے۔ اور ایسے لوگوں کا راستہ بھی نہ دکھا جو کہ گمراہ ہوئے۔ اور ایسے گمراہ کہ پھر سیدھا راستہ
پا ہی نہ سکے۔

پس قول باری تعالے "انعمت علیہم" الرحمن الرحیم کے مناسب حال ہے۔ اور قول غیر
المغضوب علیہم ولا الضالین، قول مالک یوم الدین کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے۔ اور اس تعلیم کا
خلاصہ مطلب یہ ہے کہ خداوند کریم کی ثنا کی جائے اور اُسکی رحمت عالم کے واسطے عام مانی جائے
اسے قادر مطلق اور دو جہان کا آقا سمجھکر اس سے دعا کی جائے کہ پروردگار ہمیں اپنی کمند رحمت
میں گرفتار کرکے لطف وکرم کے ساتھ ایسے راستہ پر کشاں کشاں لے چل کہ ہم تیری نعمتوں کو
پہچان سکیں اور ان کے اسرار علوم سے آگاہ ہوکر ایسے شخصوں کے نقش قدم کی پیروی کریں جو راہ
اعتدال پر چلتے رہے۔ اور ہمیں اپنے قہر اور غلبہ کی صفت کے تازیانہ غضب سے محفوظ رکھ
وہ تازیانہ جس کا استعمال محض ایسے مجرموں کو راہ راست پر لانے کے لئے کیا جاتا ہے۔ کہ اُنکی
سرشت وطبیعت کرم ورحمت کا دباؤ نہیں مانتی اور وہ عذاب ولعنت کی مار پڑے بغیر سیدھے
نہیں ہوتے۔

دنیا میں آدمیوں کی دو قسمیں ہیں۔ اول وہ جو کہ راہ راست پر سیدھے ہوکر چلے۔ ادراک علم
اور فہم کی برکتوں سے فیضیاب ہوئے۔ یہی وہ لوگ ہیں کہ خدا نے ان کو اپنی صفت رحمت کی کشش
سے اپنی طرف کھینچا ہے۔ اور دوسری قسم اُن جاہلوں یا ایسے عالموں کی ہے کہ وہ علم کو کمینگی اور
خواہش نفسانی کی پیروی میں استعمال کرتے ہیں۔ اس طرح کے آدمی قہر وعذاب اور بُری انجام
کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے مالک یوم الجزاء کی طرف کشاں کشاں چلائے جارہے ہیں اور اُنپر
صفت قہر وجزاء کا نزول ہوتا ہے۔ غرضکہ اس سورۃ کے علوم حکمت کا زبردست شعبہ اور فن ہیں کیونکہ
حکمت ہی وہ فن ہے جسمیں علوم عامہ اور موجودات کے اقسام کے علوم۔ اور علوم کائنات وغیرہ
کے ابتدائی اصول پڑھائے اور سکھائے جاتے ہیں۔

تینتالیسواں جوہر

سورۃ البقرۃ

اس سورۃ میں ہمارے موضوع کے متعلق چودہ حسب ذیل آئتیں ہیں۔

(۱) "الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا	جس نے تمہارے لئے زمین کا فرش بنایا اور آسمان

وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝

(۲: ۲۲)

کی چھت اور آسمان سے پانی برسا کر اس سے تمہارے کھانے کے پھل پیدا کئے۔ پس کسی کو اللہ کا ہم پلہ نہ بناؤ۔ اور تم تو جانتے (بوجھتے) ہو۔

اس آیت میں چار اصول ہیں۔ اول زمین کا بستر ہونا اس بات سے کنایہ ہے کہ تم کو اس سے نفع اٹھانے کی قدرت دی گئی ہے۔ اور یہ کب ممکن ہے جبکہ ہم علم طبقات الارض (جیالوجی) میں مہارت حاصل کریں۔ معدنیات (میٹرولوجی) اور جغرافیہ سے واقف ہوں۔ اور علم تقویم البلدان سے بہرہ ور نہیں۔

دوم آسمان کو گھر کی چھت سے کنایۃً تشبیہ دیکر بتایا ہے۔ کہ اس کا مدار علم ہیئت (اسٹرالومی) پر ہے۔ کیوں؟ اسواسطے کہ علم ہیئت سے ہم کو فضائے آسمان میں بکھرے ہوئے ستاروں کا حال معلوم ہوتا ہے۔ اور دیکھنے والا بظاہر آسمان کو ایک وسیع فضا تصور کرتا ہے۔ کہ وہ بناء (چھت) سے کچھ بھی مشابہت نہیں رکھتا۔ ہاں ایک سمجھدار شخص اس عالم ارضی پر اثیر مائی (پانی کے طبقۂ سماوی) کا اثر اور فیض سمجھ لیگا۔ اور معلوم کرلیگا کہ اُسی کرۂ اثیر میں یہ تمام ستارے سورج اور چاند۔ بظاہر لوٹکے اور جڑے ہوئے نظر آتے ہیں۔ لیکن درحقیقت یہ سب اُسی کرہ کے اطراف وجوانب میں بکھرے پڑے ہیں۔ وہ جان سکیگا کہ اگر یہ شفاف ولطیف جسم نہ ہوتا۔ تو غیر ممکن تھا کہ برقی رو اور کہربائی طاقت اپنی رفتار جاری رکھتی اور نہ تار برقی کا سلسلہ، تار یا بے سلسلہ تار کے ذریعہ خبر رسانی۔ جو مارکونی کی ایجاد ہے۔ اپنا فعل کرسکتا۔ خلاصہ یہ ہے۔ کہ ان روشن اور چمکدار اجرام کے مابین جو خلا پایا جاتا ہے۔ وہ ایک ایسے لطیف جسم سے پُر ہے۔ کہ نہ اُسکو آنکھیں دیکھ سکتی ہیں اور نہ وہم وگمان اُسکا احاطہ کرسکتے ہیں۔ وہ زمین وآسمان میں ہر جگہ موجود ہے۔ کوئی مقام اس سے خالی نہیں۔ اور اس لحاظ سے وہ ایک ایسی لطیف ورقیق چھت ہے۔ کہ اُس میں ذرا سا شگاف اور درز بھی نہیں پایا جاتا۔ قال اللہ تعالیٰ:۔

”فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ“

(۶۷: ۳)

(اور ایکبار نہ دکھائی دے) تو دوبارہ نظر کر (اور پھر دیکھ) کہ تجھکو (کسی جگہ) کوئی دراڑ دکھائی دیتی ہے

اور عمارت کی شان یہی ہے۔ کہ وہ سخت اور ایسے کرخت اجسام سے بنی ہو۔ کہ اُن کے مابین بیچ میں کچھ قائم رکھنے کے واسطے چند دوسرے لطیف اجسام بھی موجود ہوں۔

سوم: "وَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً" اور یہ قول ہم کو اس طرف لے جاتا ہے۔ کہ آسمان کو بلندہ میں غور کریں۔ اُسکی ساخت اُس کے حصوں اور بجلی اور کڑک کی ماہیتوں پر واقفیت حاصل کریں علم ہوا۔ علم سحاب۔ علم آب اور علم ابخرات کے معلومات بہم پہنچائیں۔

چہارم: "فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ"۔ اسمیں پھلوں اور ان کی رنگت اور مزہ کے اختلاف اور مقدار کے تفاوت پر متنبہ کیا گیا ہے۔ اور یہ معلوم کرنے کا حکم ہے۔ کہ پھلوں میں بعض دوا کے کام آتے ہیں۔ کچھ غذا بنتے ہیں۔ چند میوے ہیں۔ تھوڑے سے روغنی ہیں اور کچھ ناخوش کے کام آتے ہیں۔ پھر یہ بھی دیکھیں کہ وہ کیونکر بنے اور پیدا ہوئے۔ اور ان کی تکوین کے اسباب کیا کیا ہیں۔

چوالیسواں جوہر

(۲) "هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ اسْتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝" (۲: ۲۹)

وہی رب قادر مطلق ہے جس نے تمہارے لئے زمین کی کل کائنات پیدا کی پھر آسمان کے بنانے کی طرف متوجہ ہوا تو سات آسمان ہموار بنا دیئے۔ اور وہ ہر چیز کی کنہ سے واقف ہے۔

اس آیت میں دو بڑی اصل ہیں۔ اوّل "مَا فِی الارض جمیعاً" یعنے زمین کی تمام موجودات اور دوم آسمانوں کا بنانا اور اُن کے سات طبقے کرنا۔ اصل اوّل کی آگاہی معدنیات۔ حیوانات نباتات۔ انسان اور سوشیل اکانومی کے علوم کی محتاج ہے۔ اور اصل دوم کا سمجھنا موقوف ہے۔ علم ہیئت کے جاننے پر۔ پتھروں کے اندر۔ دریاؤں کی تہ میں۔ ہوا کی لپیٹ میں۔ اور پانی کے سیلان میں جیسی قابل قدر چیزیں موجود ہیں اور جو زر و سیم۔ لعل و گوہر۔ مونگے اور موتی یا طرح طرح کی مچھلیاں اور دریائی جانور پائے جاتے ہیں۔ پھر زمین میں کیسی کیسی کانیں جنگل و بیابان۔ نباتات و جمادات۔ ابر و باراں۔ انسان و حیوان وغیرہ موجود ہیں۔ ان کی ماہیت کا پہچاننا فن معدنیات۔ علم طبقات الارض۔ فن کان کنی۔ اور پیٹرول نکالنے کا ہنر وغیرہ حاصل کئے بغیر کس طرح ممکن ہے کہ آدمی ان چیزوں کے حقیقی فوائد سمجھ سکے اور اُن کے خالق کی قدرت

وعظمت کا قائل بن سکے؟ پس یہی اشیاء علوم طبیعیات (سائنس) کی جان ہیں اور خدا و ندکریم کا قول "وُلکُم" انسان کو نہایت زور کے ساتھ غور و بحث اور تحقیق و تلاش کی رغبت دلاتا ہے۔ یہی فرمان ایزدی اُسے خشکی و تری میں جولان پر مائل کرتا اور نئی دریافتوں کے پیچھے لگے رہنے کی ہدایت فرماتا ہے اور اسی آیت کریمہ نے انسان کو صاحب قوت فرشتہ اور خلیفۂ الٰہی کی شکل میں نمایاں کردیا ہے۔

اور دوسری اصل یعنی آسمانوں کا ہموار بنانا اور اُن کا سات طبقوں میں منقسم ہونا یہ بظاہر امر ہے۔ آسمانوں کا ہموار ہونا تو علم ہیئت کے وسیلہ سے عقل میں آتا اور حساب و ہندسہ اور جبر و مقابلہ پر غور کرنے سے معلوم ہوجاتا ہے۔ پھر ان علوم کے بعد علم فلک کا مرتبہ ہے۔ کیونکہ جب تک علم ہیئت کی معلومات نہ ہو۔ اُسوقت تک آسمان کی ہمواری اور اسکے ہندسۂ نظام اور اُسکی بناوٹ کی خوبی و استحکام کا معلوم کرسکنا غیر ممکن ہے۔ اور ہیئت دانی بغیر حساب۔ ہندسہ اور جبر و مقابلہ سیکھنے کے نہیں آسکتی۔ ہاں جس وقت انسان ان علوم و فنون سے آگاہ ہوجائے تو پھر وہ ایک ایسے دلکش دور میں داخل ہوتا ہے۔ جہاں کی ہر ایک چیز نظر فریبی کی مقناطیسی قوت کے ساتھ اُس کی نگاہ اپنی جانب کھینچ لیتی اور اُسے سرتاپا مسرت و فرحت بنادیتی ہے۔ اور وہ ایسا منظر دیکھتا ہے کہ نہ اُسے کسی آنکھ نے دیکھا ہے۔ نہ کسی کان نے اس کا وصف سنا اور نہ اُس کا خیال کسی انسان کے دل میں گذرا ہے۔ اُسوقت وہ مادی چیزوں پر واقف اور عقلی تیر تکے چلانے سے بے خبر ہوجاتا ہے۔ آدمی یہ معلوم کرکے کس قدر مسرور ہوگا کہ آفتاب اور سیارات کی دَوری چال بیضوی شکل پر ہوتی ہے۔ اور جب اُسے ثوابت ستاروں کے دوائر پر عقلی برہان کے وسیلہ سے واقفیت حاصل ہوگی۔ تو وہ اُس وقت کتنا خوش ہوگا؟ وہ معلوم کرلیگا کہ ماہ و سال اور صدیاں کس طرح بنتی ہیں۔ رات اور دن کا اختلاف کیونکر ہوتا ہے۔ اور اُس وقت وہ ایسی بات اور اس طرح کے علمی راز کو معلوم کرلیتا ہے۔ کہ جس کے ادراک سے بڑے بڑے زبردست جاہل بادشاہ بھی عاجز اور سربگریبان ندامت رہ جاتے ہیں۔ مگر یہ نہ سمجھو کہ ہر ایک ہیئت دان ضرور ہی ان امور کو معلوم اور محسوس کرلیتا ہے۔ نہیں۔ بلکہ اُنکو وہی ہیئت دان محسوس کریگا۔ جس نے یہ علم حاصل کرکے مخلوقات باری تعالےٰ اور کائنات سماوی کی خوبی اور استحکام کے ساتھ بناوٹ اور ان کی خوشنمائی و نظر فریبی کا ملاحظہ بچشم غور کیا۔ چنانچہ ہم نے اپنی دیگر کتابوں میں اُسکا مفصل بیان کیا ہے۔ لیکن اس کتاب کو چونکہ ذی علم اور صاحب فہم قوم کے واسطے ترتیب دیا گیا ہے۔ لہٰذا

جزئیات مسائل کی تفصیل سے کنارہ کشی کی گئی۔ کیونکہ وہ خود سمجھ لینگے۔

اب رہی یہ بات کہ اس بلند بنا کے سات طبقے ہیں۔ تو کیونکر؟ اس کا راز محض خیال کرتے ہی فاش ہو جاتا ہے۔ یعنے تم کہہ سکتے ہو کہ یہ طبقات کواکب (ستاروں) کی مقداریں ہیں۔ باعتبار اُن اصول کے جو تم نے علم فلک۔ تقویم۔ حساب۔ ہندسہ۔ جبر و مقابلہ اور علم الکواکب وغیرہ میں پڑھے ہونگے۔ اور ممکن ہے کہ علم کی ترقی اور وسعت کے بعد اس حقیقت کے چہرہ سے کوئی اور نقاب بھی دور ہو۔ اور کسی نئی بات کا انکشاف ہو جائے۔ اسی لئے اللہ پاک نے اپنے اس قول کو "وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ" کے پرمغز جملہ پر ختم فرمایا۔

پینتالیسواں جوہر

(۴۳) "قَالُوا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ" (۲:۳۲)	بولے تو پاک ہے جو تو نے ہم کو بتا دیا ہے۔ اس کے سوا ہم کو کچھ معلوم نہیں۔ تو ہی جاننے والا مصلحت کا پہچاننے والا ہے۔

یہ آیت اُن چیزوں کے اسرار معلوم کرنے اور آگاہی بہم پہنچانے کا دروازہ کھولتی ہے۔ جن کو پروردگار عالم نے پردۂ زمین میں نہاں رکھا ہے۔ اور اس سے لوگوں کو یہ بھی پتا چلتا ہے۔ کہ انسانوں نے جہاں تک علم و معرفت حاصل کر لی ہے۔ ابھی اس کے آگے اور بھی عجیب و نادر باتیں اور حکمتیں موجود ہیں۔ غرضکہ اس آیت نے لوگوں کو جدید باتیں دریافت کرنے کا شائق بنا دیا ہے۔ اور پہلے حضرت خضر علیہ السلام کے قصہ میں ایسی ہی صورت ذکر ہو چکی ہے یعنے حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا۔ کہ "جو علم مجھکو اور تم کو ملا ہے یہ علم الٰہی کے بے پایاں سمندر کا ایک قطرہ اور اُس صحرائے اعظم کا ایک ذرہ ہے۔ اور پھر اُنہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے یہ بھی کہا کہ "خدا نے مجھے جو علم دیا ہے۔ وہ تم کو حاصل نہیں اور جو علم تمہیں عطا فرمایا ہے۔ اس کی مجھے خبر نہیں"۔ یہ سب باتیں لوگوں کو ہمت دلاتی اور آمادہ بناتی ہیں کہ اپنے معلومات کے ماورا دوسرے امور کا علم حاصل کرنے میں بھی کوشاں رہیں اور خوب سمجھ رکھیں کہ علمی اسرار جس قدر زیادہ کھلتے جائینگے اُسی قدر اُن کے اور زیادہ ہونے کا یقین بڑھتا

جا بجا علم ایک دریائے ناپیداکنار ہے۔ اور ہر شخص اپنی فطری استعداد و استطاعت کے موافق اس دریا میں شناوری کر لیتا ہے۔ کسی علم و فن کو حقیر و بے مایہ نہ سمجھنا چاہیئے۔ اور جس آدمی کو اپنے سے زیادہ صاحب علم خیال کرو۔ اس سے فائدہ اُٹھانے اور سیکھنے میں تامل ناروا ہے۔

اللہ پاک کا قول ہے "اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا" اُس کے شکر کا اقرار ہے کہ بارالہا جو کچھ ہمیں علم ہوا یہ تیری ہی تعلیم کا اثر ہے۔ اور ہم یہی جانتے ہیں کہ ہمارا علم ہی کیا ہے۔!!! پھر اس طرح دوسرے آدمی سے سیکھنے یا اپنے اکتشافات کو تعلیم الٰہی سے منسوب کرنے میں کوئی خلاف نہیں کیونکہ یہ ذرائع آخر کار اور انتہائے درجہ میں پہنچ کر خدا ہی کی طرف راجع ہو جاتے ہیں اور انسان کو کسی اپنے ہمجنس اُستاد سے یا خود استاد خرد سے جو تعلیم ملتی ہے۔ اس کا قبول کرنا بھی فطری استعداد اور الہام ربانی پر ہی موقوف ہے۔ اور اس آیت میں خدا تعالیٰ کی ایسی صفت علم و حکمت کا بیان ہے۔ جسکا مرجع علم حکمت کا فن الٰہیات ہے۔

چھیالیسواں جوہر

(۴۶) "اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ" (۲:۱۰۶)	کیا تم کو معلوم نہیں۔ کہ آسمان و زمین کی سلطنت اسی اللہ کی ہے۔ اور اللہ کے سوا تم مسلمانوں کا نہ کوئی دوست ہے اور نہ مددگار۔

اس آیت میں بیان ہوا ہے۔ کہ قدرت اکیلے خدا ہی کو ہے۔ وہی آسمانوں اور زمین کا مالک و حاکم مطلق ہے۔ اُس کے سوا بندوں کا کوئی حقیقی دوست اور مددگار نہیں ہے۔ اور یہ آیت لوگوں کی طبائع کو عمل و علم پر کمر بستہ ہونے اور خدائے پاک پر بھروسا کرنے میں آمادہ بناتی ہے۔ منجملہ فن الٰہیات کے اس میں قدرت کی صفت اور فتح و کامیابی کے بارہ میں خدا پر اعتماد کرنے کی ہدایت آئی ہے۔ اور جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ خدا پر توکل کرنے کا تعلق ان اعمال میں محنت و تندہی سے کام لینے پر ہے جن کو خدائے تعالےٰ نے عالم کائنات میں مقرر فرمایا اور اٹل بنایا ہے نیز ان قوتوں۔ اعضاء اور آلات سے کام لینے پر جنہیں پروردگار عالم نے اپنے بندوں کو عطا فرمایا ہے۔ اگر کوئی شخص اُن کاموں میں تندہی کرنے اور اُن آلات و اسباب سے امداد لینے میں پہلو تہی کرے۔ تو اس کے یہ معنی ہونگے۔ کہ وہ امداد الٰہی حاصل کرنے سے دور بھاگتا ہے۔

اور اس بات کو ہم سابق میں حدیث شریف "الذین لا یکتوون ولا یسترقون ولا یتطیرون و علی ربھم یتوکلون" کی تفسیر کرتے ہوئے بیان کر آئے ہیں اور وہیں ہم نے اسباب کو واضح کر دیا تھا کہ توکل دل سے خدا پر بھروسہ کرنے۔ ہاتھ پیروں سے کام لینے اور مقرر قاعدوں پر چلنے کا نام ہے۔ اور اس کے سوا جو صورت ہے وہ گناہ و بے اعتدالی میں داخل اور خدا پر بھروسہ کرنے اور اس کے اُن قوانین و ضوابط پر جو انسان کے خیر و صلاح کے لئے وضع کئے گئے ہیں عامل نہ ہونے کی علامت ہے۔ اور ایسا آدمی اپنی نفسانی خواہش سے طالب امداد رہیگا۔ نہ کہ قوانین قدرت سے۔

سینتالیسواں جوہر

(۵) "وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ق فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ط اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ" (۲: ۱۱۴)	اور اللہ ہی کا ہے پورب اور پچھم تو جہاں کہیں قبلے کی طرف منہ کر لو اُدھر ہی کو اللہ کا سامنا ہے۔ بیشک اللہ بڑی گنجائش والا اور سب کچھ جانتا ہے۔

اللہ جل جلالہٗ قید مادّہ سے پاک و منزہ ہے۔ جسم سے بری ہے۔ آنکھوں کی حدّ بصر سے باہر و برتر ہے۔ ہم اُسکو ان آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے۔ اس لئے آیۂ کریمہ کے یہ معنے تو ہیں نہیں کہ ہم مشرق و مغرب میں جہاں بھی کوچ و مقام کرتے ہوئے پہنچیں وہیں اُسکا روئے تاباں دیکھینگے۔ اور اپنی آنکھوں سے !!!۔ لیکن اگر ہم بفرض محال اس کا یہی مطلب لگا لیں۔ کہ معاذ اللہ خدا کا منہ ہے۔ جو آنکھوں سے دکھائی دیتا ہے۔ شعاع نظر کے تار اس کے چہرۂ زیبا کی سطح سے ٹکراتی ہیں۔ اور دوسرے مونہ اس کے روبرو آتے ہیں۔ اور کہ اس کے ویسی ہی دو آنکھیں۔ دو کان ایک مونہ اور دو دانتوں کی لڑیاں ہیں۔ جیسی کہ عام انسانوں کے ہوتی ہیں۔ تو یہ کیونکر ممکن ہے کہ اس کو مشرق و مغرب دونوں سمتوں میں دیکھیں؟ مگر یہ خطاب جہاں تک ہم دیکھتے ہیں۔ اُن تمام لوگوں کے لئے عام ہے۔ جو کہ عقل و آنکھ رکھتے ہیں۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ کرۂ زمین پر اسوقت کئی ارب انسان آباد ہیں۔ اور سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ سب مختلف سمتوں میں خدا کے ایک ہی مونہ کو کس طرح دیکھ سکتے ہیں؟؟ پس اس صورت میں بات ہر پھر کر یہی بات بنتی ہے کہ خدا کا ادراک کرنا بذریعۂ بصیرت (عقل و فہم) ممکن ہے۔ نہ کہ آنکھوں سے اور اس کا معنے

زیادہ ہے۔ جس کا احساس وشعور انسان کو کرۂ ارضی اور اجرام سماوی کے خوشنما قدرتی مناظر
کے آئینوں میں ہوتا ہے۔ کیونکہ یہی کائنات کے ذرے خالق عالم جل شانہ کے انوار جلال و
جمال کے مظہر اور اس کی تجلی قدرت کے مصدر ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم
نے اپنے قول "اذکروا اللہ عند کل حجر وشجر" سے بھی یہی معنے مراد لئے ہیں۔ اور عقول کو
بیدار و تنبیہ کیا ہے۔ کہ جو کچھ ہم دیکھتے ہیں۔ اُس میں سے ہر ایک امر عقل و فہم کو اپنے خالق کے
کسی نہ کسی نشان کا ضرور احساس کراتا ہے۔ اس واسطے جتنی مرتبہ ذرات کائنات پر غور و
فکر کیا جائیگا اتنی ہی نیکیاں حاصل ہونگی۔ اور ثواب ملیگا۔ کیونکہ آدمی کو صحیفۂ کائنات کا
بغور مطالعہ کرنے میں خداوند برحق اور قادر مطلق کی نشانیاں نظر آئینگی اور یہ ایک طرح کی
بہترین عبادت ہے۔ جس کا ثواب اعلیٰ درجہ کا ہے۔ اور جب یوں ہی رفتہ رفتہ کسی دل پر نشانات
قدرت الٰہی کا شعور غالب آجائیگا۔ تو اس میں خداوند پاک سے محبت کرنے کا ملکہ پیدا ہو کر اس کے
یقین کو بڑھادیگا۔ لہٰذا چاہیئے۔ کہ انسان عمل کے لئے مستعد رہے اور اس بات کی قوی امید رکھے
کہ اللہ کریم ہے۔ وہ کام کرنے والوں کی محنت رائگان نہیں کرتا۔ اسے بھی اپنی کوشش کا پھل
دنیا میں بھلائی اور خوشحالی ملیگا۔ تو آخرت میں رضائے الٰہی اور خوشنودی خالق کا بہترین انعام
اس کو حاصل ہوگا۔ پھر اللہ پاک نے اپنے اس قول کو یوں ختم کیا کہ "بیشک اللہ بڑی گنجائش
والا اور سب کچھ جانتا ہے" یہ علوم کی مخفی باریکیوں اور کائنات کے چھپے ہوئے بھید و نکے
کھوج لگانے کی ترغیب دلائی گئی ہے۔ اور ایجاد اور نئی نئی باتیں دریافت کرنے کا زرین اصول
بتایا گیا ہے۔ کیونکہ جب ہر ایک آنکھوں سے دیکھی اور کانوں سے سنی جانے والی چیز میں اور
اس شے میں جو عقل و فہم کے وسیلہ سے ادراک کی جاسکتی ہے۔ خدائے پاک کا ایک موہنہ پایا جاتا
ہے۔ تو ضروری ہے کہ اس کے نشانات قدرت تمام موجودات میں عام ہیں۔ اور اس بات سے
یہ اعتقاد اور یقین حاصل ہوتا ہے۔ کہ ان موجودات عالم میں بھی بہت سے راز مضمر ہیں۔ اور
اس کی دلیل اُن میں وجہ اللہ اور اس کے اسرار اور حکمت کا پایا جانا ہے۔ پھر جبکہ خدائے پاک
اپنی قدرت اور علم کے باب میں بڑی سمائی والا۔ اور کائنات عالم کے اسرار پر محیط ہے۔ تو ضروری
ہے کہ ہمارے پیش نگاہ جتنی چیزیں موجود ہیں انہیں بھی بے شمار و ناقابل اندازہ حکمتیں ودیعت
رکھی گئی ہونگی۔ اور جب ہم اُن میں سے کسی راز پر بھی آگاہی حاصل کرسکیں۔ تو ہمیں معاً خدائے
پاک کا قول "فثم وجہ اللہ" یاد آجائے اور ہم یقین کرلیں۔ کہ خود منکشفہ راز میں بھی بہت سے

اسرار موجود ہونگے۔ کیونکہ "وجہ اللہ" ہنوز اس میں موجود ہے۔ اور اللہ بڑی سمائی والا اور صاحب حکمت ہے۔ مثلاً اگر انسان ایک ہزار اسرار قدرت کا انکشاف کرلے اور ان کو بے نقاب بنا چکے پھر بھی "فثم وجہ اللہ" کا ارشاد اُن واضح شدہ اسرار کے پردہ میں بھی ہزاروں حکمتوں کی مخفی ہونے پر دال ہے۔

برطانیہ کی علمی مجلس کے ایک نامور ممبر نے موجودہ صدی کے آغاز میں اسی بات کو بیان کیا تھا وہ سوسائٹی میں لکچر دیتے ہوئے یوں گویا ہوا کہ: "گذشتہ زمانوں میں مخلوقات کے صرف چار عناصر آب۔ آتش۔ خاک اور باد۔ مانے جاتے تھے۔ مگر آج عناصر کی تعداد ۸۰ سے بھی اونچی ہو گئی ہے۔ اور علم کی متعدد شاخیں پھوٹ چکی ہیں۔ جن کی وجہ سے ہر ایک عنصر اپنے اسرار کی چھان بین کرنے کا خواہاں پایا جاتا ہے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ وہ خود کئی عناصر سے مرکب ہو۔ مثال کے طور پر دیکھو کہ ہوا ایک بسیط اور مفرد عنصر خیال کی جاتی تھی۔ بعد میں وہ دو مادوں سے مرکب ثابت ہوئی اور آج اس میں جیسا مجھے خیال ہے۔ آکسیجن۔ ازوت۔ مائی البخرات۔ کوئلا اور ارغون۔ پورے پانچ مادے دریافت ہو گئے ہیں۔ اور ابھی یہ سب مواد سرعت کیساتھ بڑھتے ہی چلے جاتے ہیں۔ کیا جبر ہے۔ کہ انکی تحلیل در تحلیل بھی ہو اور ہر مرتبہ کی تحلیل ان کے نئے مادوں کا اظہار کرے۔ یہاں تک کہ وہ اصل میں تو ہوا کی طرح ایک ہی عنصر رہیں۔ لیکن ان کے مواد بے حد و پایان ثابت ہوتے جائیں۔ غرضکہ انسان کو ہمت و سعی سے کام لینا اور تحقیق و تفتیش کے درپے رہنا لازم ہے۔ ممکن ہے کہ خود اسکی ذاتی قوتوں اور اُس کے گردو پیش کی کائنات کے قوٰی میں ایسی باتیں نکل آئیں۔ کہ اُن سے جدید معلومات کی کرنیں پھوٹیں اور نئی نئی مخفی قوتوں کا انکشاف ہو اور یہ قوتیں یونہی مسلسل اور نامتناہی طور سے بڑھتی چلی جائیں۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے۔ کہ خود ہماری ذات میں بہت سے اسرار اور حکمتیں پنہاں ہوں۔ کہ اُن کا راز بھی ان قوتوں کی ترقی سے کھُل سکے۔ بہرحال ضروری اور واجب ہے۔ کہ آدمی سعی و عمل میں ذرا بھی کاہلی اور سہل انگاری نہ کرے۔ اور ہر وقت اور ہر لحظہ آگے ہی بڑھتے رہنے کا خواہاں ہو۔ کیونکہ بسا ممکن ہے۔ کہ ہماری ذات میں جو بہترین مخلوقات ہے۔ دریافت شدہ قوتوں کے ماوراء اور بھی بہت سی قوتیں پنہاں ہوں۔ اور میں کہتا ہوں کہ اس بحث کو لکھتے وقت خود میرے دل میں یہ امید موجزن ہو رہی ہے۔ کہ جسقدر علم اور قدرت مجھے حاصل ہے۔ شائد میں اس سے زائد معلومات اور قدرت بھی حاصل کر سکتا ہوں اور ضرور۔

اور جبکہ کائنات کے حقیر و بے حیثیت ذرے اس طرح کے عجائبات کا اظہار کرتے ہیں جن کی کوئی حد نہیں قرار پاتی۔ اور کہربائی کشش اور دوسری حیرت انگیز خاصیتیں ان میں موجود ہیں تو اب خیال کرو کہ اس عالم کی بزرگ اور اعلیٰ ترین ذات یعنی نفس انسانی میں جو اعجوبہ قدرت اور فطرت کا مکمل نمونہ ہے۔ کیا کچھ نہ موجود ہوگا۔ ناظرین ممکن ہے کہ خود تمہاری طبیعت میں ایسی قوتیں موجود ہوں۔ جنکا تمہیں خیال تک نہیں آتا۔ غور سے دیکھو تو معلوم ہوگا کہ کتنے ہی کمزور و بحقیقت آدمیوں کے ہاتھوں ایسے کام ہوگئے ہیں کہ بڑے بڑے زور آوروں نے ان کے سامنے سر جھکا دیا تھا۔ اور بہتیرے آدمی ایسے تھے۔ کہ کبھی اُن میں سعی و کوشش کا نام و نشان نہیں پایا گیا تھا۔ مگر جب اُنہوں نے غور و فکر سے کام لیا تو دنیا کے لئے مشعل علوم و فنون روشن کر دی اور ایسے قوانین اور حکمت آمیز مقولے بنا گئے۔ جو آج تک نوع انسان کے لئے رہنمائی کا فائدہ دے رہے ہیں۔ تاریخ ایسے لوگوں کے تذکرہ سے بھری پڑی ہے۔ اور اس بات کی وجہ یہی ہے۔ کہ دنیا میں "وجہ اللہ" موجود ہے۔ اُس کا علم سب چیزوں کو شامل اور اس کی قدرت میں تمام عالم کی سمائی ہے۔ اور دنیا کی موجودات غیر متناہی ہے۔ بس انسان کے کوشش اور غور و فکر سے کام لینے کی ضرورت اور کمی ہے۔ اس حاجت اور کمی کو پورا کرو اور قدرت باری تعالےٰ کے جلوے دیکھ لو۔ دور کیوں جاؤ۔ اپنے ہادی اور مخبر صادق صلعم کے ارشاد "لا تلقم ولو وحدی" ہی پر غور کرو کہ اس سے کتنی بلند ہمتی اور عالی حوصلگی مترشح ہوتی ہے۔ اور اللہ پاک اپنے رسول صلعم کو مخاطب بنا کر حکم دیتا ہے۔ "قُلْ رَّبِّ زِدْنِي عِلْمًا" اور نپولین بونا پارٹ ایک زبردست فاتح حکمران یوں کہتا ہے کہ "دنیا میں کوئی چیز غیر ممکن ہی نہیں"

اڑتالیسواں جوہر

(۶) "وَقَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا سُبْحَانَهُ بَل لَّهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ كُلٌّ لَّهُ قَانِتُونَ" (۲: ۱۱۵)	اور کہتے ہیں کہ خدا اولاد رکھتا ہے۔ حالانکہ وہ اس بکھیڑے سے پاک ہے۔ بلکہ اسی کا ہے جو کچھ آسمان و زمین میں ہے۔ سب اس کے محکوم ہیں۔

خداوند کریم کے کوئی اولاد نہیں۔ اسکا مطلب یہ ہے۔ کہ تمام آدمی حقوق میں برابر ہیں۔ بادشاہ اور فقیر غریب و امیر اور عام و خاص سب پر خدا کے سوا اور کسی کا دباؤ اور حکومت نہیں سکوئی

مخلوق ایسی نظر آئیگی کہ وہ خدا کی مطیع اور بالکل اُسی کے ارادہ اور منشاء کی تابع نہ ہو۔ ہر ایک شے اُسی کے بنائے ہوئے قانون قدرت پر چل رہی ہے۔ نفسانی خواہشیں خدائے پاک نے مخلوقات پر غالب اور مسلط بنائی ہیں۔ اور ان کو انکی زندگی قائم رکھنے کی معاون چیزیں بذریعۂ الہام بتادی ہیں۔ ہوا۔ دھوپ اور روشنی اور طریق حکومت کا تمام مخلوقات پر گھیرا پڑا ہے۔ اور وہ سب قوموں اور کنبوں میں تقسیم ہیں۔ جنپر قوانین قدرت کے احکام اور نوعی حکومتوں کے قانون کی دفعات جاری و نافذ ہوتی رہتی ہیں۔ ان قواعد و قوانین کے دائرہ سے وہی ذات بحت خارج ہوتی ہے جو کہ مادہ کی آلائش سے بری اور الگ تھلگ ہے۔ اور یہ تمام اجرام و اجسام کی انتظامی کل وہی ذات پاک یوں چلاتی ہے کہ سب اُسکے قبضۂ قدرت میں اور اظہار اطاعت و فروتنی کرتے ہیں۔ چنانچہ اسی امر کا بیان اللہ پاک نے ایکدوسری آیت میں یوں کیا ہے:

"وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ"

(١٦: ٤٩و٥٠)

اور جتنی چیزیں آسمانوں میں اور جتنے جاندار زمین میں ہیں سب اللہ ہی کے آگے سربسجود ہیں۔ اور نیز فرشتے اور وہ حکم خدا سے سرتابی نہیں کرتے۔ اور اپنے پروردگار سے جو بالائے عرش بریں انکے اوپر ہے ہمہ وقت ڈرتے رہتے ہیں اور اسکی جناب سے جو حکم اُن کو دیا جاتا ہے۔ اسکی تعمیل کرتے ہیں۔

انچاسواں جوہر

(٧) "فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝"

(٢: ١٣٦)

تو انکے شر سے خدا (کا حفظ و امان) تمہارے لئے کافی ہوگا اور وہ سبکی سنتا اور ہر ایک کے حال سے واقف ہے۔

اللہ پاک ارشاد کرتا ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم بیشک اللہ تمہارے حال سے آگاہ ہے۔ اور وہ بہت جلد دشمنوں کی بد اندیشیوں اور ایذا رسانیوں کو تم سے دور کر دیگا۔ کیونکہ وہی (خدا) تمہاری اور اُن کی سب کی باتوں کو سنتا اور جو کچھ تم کرتے ہو اور جو کچھ وہ کر رہے ہیں۔ سب کو بخوبی جانتا ہے۔ پس وہ وقت قریب ہے کہ حق ظاہر اور باطل پردہ میں نہاں ہو جائیگا۔ پروردگار اکرم کا یہ ارشاد قومی مصلحتوں کے لئے امداد غیبی اور کامیابی حق کا وعدہ دیتا ہے۔ اہل مغرب اس مسئلہ کے بابت اپنے اس مقولہ پر بڑا فخر و ناز کرتے ہیں کہ "معقول اور درست ترین امر ہی باقی رہنے والا ہے۔ ضرور ہے کہ حق کو فتح اور باطل کو شکست ہو"۔ مگر

دیکھو خداوند کریم نے یہی وعدہ صراحت کے ساتھ اس ارشاد میں اپنے نبی صلعم سے کیا ہے۔ اور فرمایا کہ اُے پیغمبر (صلعم) میں عنقریب تمہاری یاوری کرونگا۔ کیونکہ جو کچھ تم کر رہے ہو۔ وہ مجھے بخوبی معلوم ہے۔ اور میں نے اپنا قانون جاری کر دیا ہے۔ کہ حق کو بلند اور باطل کو پست کیا کرونگا“

پچاسواں جوہر

(۸) ”صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۫ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ“ (۲: ۱۳۷)

مسلمانو! لوگوں سے کہو کہ ہم تو اللہ کے رنگ میں رنگے گئے۔ اور اللہ کے رنگ سے اور کس کا رنگ بہتر ہوگا؟ اور ہم تو اسی کی عبادت کرتے ہیں۔

خدا کا رنگ دین الٰہی اور علوم کی معرفت ہے۔ اور خدا فرماتا ہے۔ کہ خدا کے رنگ سے اور کوئی رنگ اچھا نہیں۔ پھر آخر میں ارشاد ہوتا ہے کہ تم یوں کہو کہ ”ہم تو اسی خدا کی عبادت کرتے ہیں“ جسنے ہمیں علم و معرفت کے رنگ میں رنگ دیا اور اپنے دین کے شیریں و صافی سرچشمہ سے سیراب کیا ہے۔

اکانواں جوہر

(۹) ”وَاِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ۝ اِنَّ فِىْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِىْ تَجْرِىْ فِى الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۠ وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَ

اور لوگو! تمہارا معبود تو وہی خدائے واحد ہے۔ اُسکے سوا کوئی معبود نہیں۔ بڑا رحم کرنیوالا مہربان ہے۔ بیشک آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے میں اور رات دن کو ادل بدل میں اور جہازوں میں جو لوگوں کی کام کی چیزیں (مال تجارت) سمندر میں لیکر چلتے ہیں۔ اور مینہ جسکو اللہ آسمان سے برساتا ہے پھر اس کے ذریعہ سے زمین کو مرے پیچھے پھر زندہ کرتا ہے۔ اور ہر قسم کے جانوروں میں جو خدا نے روئے زمین پر پھیلا رکھے ہیں اور ہواؤں کے ادھر سے ادھر پھیرنے میں اور بادلوں میں (جو بحکم خدا) آسمان و زمین کے درمیان گھرے رہتے ہیں۔ اُن لوگوں کے لئے جو

لِّلْأَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ۔ (۲: ۱۶۳-۱۶۴)	عقل رکھتے ہیں۔ خدا کی بہتیری ہی نشانیاں ہیں۔

اس قول کو توحید الٰہی کے ذکر سے شروع کیا۔ اور اُس کے بعد یہ بیان فرمایا کہ مخلوقات عالم کا ایک دوسرے کے ساتھ کیا میل جول اور تعلق ہے۔ اس کے بارہ میں ابتدا آسمان سے کی گئی۔ اور دوسرے درجہ پر کائنات عالم کا ذکر ہوا۔ جسکو باترتیب وباقاعدہ ایک ہی انسان وحیوان ونبات کے مانند قرار دیا۔ کیونکہ جب تم غور کی نظر سے دیکھو تو صاف معلوم ہو جائیگا کہ موجودات میں سے ہر ایک چیز اپنے سوا دوسری چیز سے مدد حاصل کر رہی ہے۔ شمالی اور جنوبی بروج میں آفتاب کا پہنچکر زمین سے نزدیک اور دور ہونے کا اختلاف رات دن کو کم وبیش کرتا رہتا اور الگ الگ ملکوں میں سردی وگرمی کے متفاوت ہونے کا سبب بنتا ہے۔ اسی تغیر موسم سے ہوائیں چلتی ہیں۔ اسرار حرارت وبرودت کے اقتضا سے جو کہ آفتاب کے بارہ بروج میں چلتے پھرتے رہنے اور خاصیات وآثار فلکی کے تابع ہیں۔ ابخرات مائی کرۂ اثیر کی طرف جذب ہونے اور زمہریر کے کرہ میں پہنچ کر پانی بن جاتے اور پھر زمین پر نازل ہوتے ہیں۔ مینہ برس کر نباتات۔ حیوان اور انسان کو سرسبز وشاداب کر دیتا ہے۔ اور مردہ زمین کے قالب میں تازہ روح پھونک دیتا ہے۔ اور ہواؤں کے چلنے سے ابر اور جہازات وکشتیاں رواں ہوتی ہیں۔ ان سب چیزوں کی چال کے قوانین وضوابط بنے ہوئے ہیں۔ مجال کیا کہ یہ اپنے اصول وقواعد کے دائرہ سے ذرا بھی باہر ہو جائیں۔ جہازات اور کشتیاں اُن طریقوں کے خلاف کبھی نہ چلینگی جو کہ ماہر اور کامل الفن جہازرانوں نے قرار دیئے ہیں اور جو نقشے بحری راستوں کے اُن لوگوں نے مرتب کر رکھے ہیں۔ وہ اسرار ومقتضیات قدرت کے موافق ہیں۔ اور ایسے جملہ امور کا تعلق عالم علوی سے ہے۔ کیونکہ جہازرانی بغیر ان بحری سفر کے ضوابط پر عمل کئے ہوئے بالکل ناممکن ہے۔ جو کہ علم الافلاک۔ علم نجوم اور طول البلد وعرض البلد کی معلومات پر غور وخوض کر کے تیار ہوئے ہیں۔ اجرام علوی کے آثار کا انمیں پورا لحاظ رکھا گیا ہے۔ اور قطب نما کی سوئی کا مقناطیسی کشش سے قطبین کی طرف رُخ کئے رہنا جہازوں کو رہبر کامل کا فائدہ دیتا ہے۔ اور یا کس طرح ممکن ہے کہ ہوائیں جو اجرام علوی سے پیدا ہونیوالی حرارتوں کے قابو میں ہیں بغیر حرکت میں آئے ہوئے ابر کو جنبش دیں؟

غرضکہ ہر پھر کر سب باتوں کی ایک اصل اور بیخ پائی جاتی ہے۔ جس سے دو بڑی شاخیں پھوٹتی ہیں۔ اور پھر اُن شاخوں سے بھی کئی کئی چھوٹی ٹہنیاں نکلتی ہیں۔ وہ اصل کیا ہے؟

رات اور دن کی ادل بدل جو افلاک کی حرکات سے وجود میں آتی ہے۔ اور اس کی دو بڑی شاخیں ہیں۔ اوّل وہ قوانین جو اجرام علویہ میں ودیعت رکھے گئے ہیں۔ اور دوم وہ حرارت جو کرۂ ارضی پر اثر ڈالتی ہے۔ فرع اول کی پھر دو شاخیں ہو گئیں ابر کے لکون کا جنبش میں آنا اور بحری قوانین و ضوابط کے مطابق سمندر میں جہازوں کا چلنا۔ تاکہ تجارت کو ترقی ہو اور دنیا کی قوموں کے مابین ہر ایک کے جدا جدا ملکی پیداواروں کا باہمی تبادلہ ہو سکے۔ مغربی گوشہ کے رہنے والوں کو مشرقی حصہ زمین کی چیزیں مل سکیں۔ اور مشرق والوں کو مغرب کے سامان میسر آئیں۔ اور دوسری شاخ سے بھی دو ٹہنیاں پھوٹیں۔ جو کہ پانی اور ہوا کا جوش میں آنا ہے۔ ہوا نے ابر کو دوش پر اٹھا لیا۔ اور جہازوں کو سمندروں میں چلایا۔ تو پانی عملی طور پر گرمی سے بھاپ بن کر اڑا اور فضائے آسمانیں بلند ہو کر کرۂ زمہریر کے جوار میں پہنچتے ہی پھر پانی بن کر خشک زمین پر ٹپک پڑا اور حیوانات و نباتات کی تکوین (خلقت) کا وسیلہ بنا۔ اور اس شجرۂ کائنات کی صورت یہ ہے۔
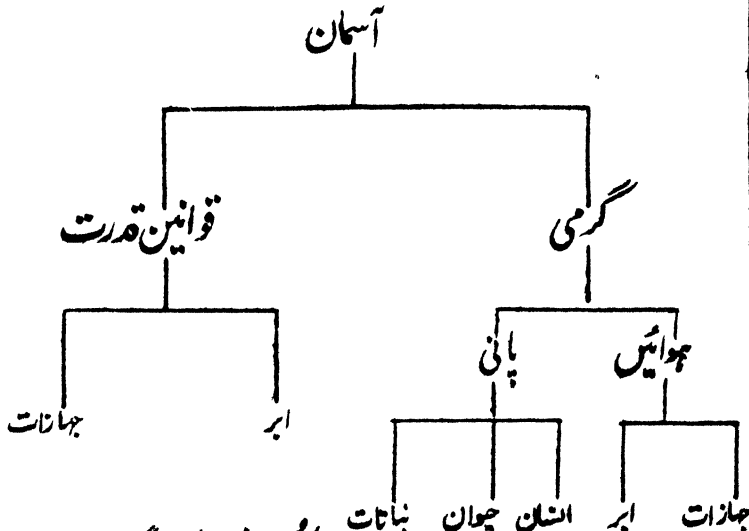
غرضنکہ اس دیترہ پر عالم موجودات کو بالکل ایک ہی گرہ اور شکل دیکھو گے۔ جسکا ادنیٰ جز اسی کے اعلیٰ جزو کا محتاج الیہ ہے۔ اور اعلیٰ ادنیٰ کو فائدہ پہنچاتا ہے۔ تو ادنیٰ اعلیٰ سے مدد و اعانت حاصل کر رہا ہے۔ اور مندرجہ بالا شکل میں اس کو وضاحت کے ساتھ نمایاں کر کے دکھا دیا گیا ہے۔ اور جب ہمارے موجودہ عالم کے نظام و ترتیب کی یہ شکل ٹھہری۔ تو سمجھ میں آ سکتا ہے۔ کہ دوسرے عالموں کے نظامات بھی ایسے ہی ہونگے۔ اور یہی انداز و طریقہ ان کی ترتیب میں پایا جاتا ہوگا۔ یوں تمام دنیا غور و فکر کرنے والے علماء کے خیال میں بالکل ایک ایسے جسم کے مشابہ ہوگی۔ جس میں روح۔ قلب اور

اعضائے متحرکہ اور حرارت وغیرہ موجود ہیں۔ پانی اور ہواؤں کا قدرت الٰہی کے اشارہ سے دورہ کرنا اور چاند و سورج کا چکر میں رہنا ہمارے اجسام کے دورۂ خون کا نظیر ہے۔ اور اب اگر ہم چشم بصیرت کھولکر دیکھیں۔ تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ عالم بھی ایک انسان و حیوان ہی کے مانند ہے۔ جس کے ایک ہی سر اور ایک ہی اعضائے رئیسہ و دیگر اعضاء جوارح ہیں۔ اور یہ بات اُسی شخص کے عقل و فہم میں آسکتی ہے۔ جس نے دنیا کے تمام علوم و فنون میں تھوڑی بہت معلومات اور دستگاہ حاصل کی ہو اور پھر وہ علوم کو باہم ملا جلا کر ان کو ایک دوسرے سے ربط و نزدیکی بھی دے۔ اور مقابلہ و موازنہ کر کے دیکھے تب اس بات کا انکشاف اس پر ہوگا۔ اور وہ جانیگا کہ اس واحد جسم اور مشین کا مدبر اور چلانے والا بھی ایک ہی ہے۔ کیونکہ مخلوقات عالم کا باہمی ربط و ضبط اور اُن کا ایک دوسرے کی مدد پر سہارا لئے ہونا صاف بتا رہا ہے کہ اس کارخانۂ کائنات کی تدبیر و ترتیب اور اس کے انتظام و دیکھ بھال کا کام ضرور ہی کسی ذات واحد و یکتا اور مدبر بے ہمتا کے قبضۂ قدرت میں ہے۔

غور کرو کہ وہ مدبر مخلوقات کس طرح اس بات پر تمہیں توجہ دلاتا اور ارشاد کرتا ہے:۔ "وَ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ۔ الآیات"، اور اس کے عقب میں اس تشکل کے ساتھ کائنات کا مزاج واحد بننا بیان کرتا ہے۔ اور دیکھو یہ قول خدائے یکتا کا ہے۔ اور تم کو اس وحدت خالق کا اس وقت تک شعور نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ علوم کو پڑھ کر ان کے مطابق عملی زندگی نہ اختیار کرو۔ اور اس عالم کائنات کی باقاعدہ اور منتظم تشکل تمہارے عقل و تصور میں نہ سما جائے۔ کیونکہ اُسی وقت تم دنیا کے مزاج اور جسد کا ادراک کروگے۔ اور اس ذریعہ سے پہچان جاؤگے کہ دنیا کا مدبر اور کارپرداز بیشک ایک ہی ہے۔

یونانی علماء زبانی جمع خرچ کے ذریعہ سے دنیا کو واحد تو ضرور بتاتے ہیں۔ مگر اسکی دلیلیں ایسی خشک اور بے کار پیش کرتے ہیں۔ کہ ان میں علوم و حکمت کا کہیں نام بھی نہیں ملتا۔ یہ ان کی عادت ہے۔ انہوں نے عالم کائنات کو متعدد افلاک۔ اعراض اور جواہر میں تقسیم کیا ہے۔ اور اس پر سے کہتے ہیں۔ کہ جس چیز کو ہم نے سوچا۔ اور قرار دیا ہے۔ اس کے سوا تخیل میں کسی اور بات کا وجود آ ہی نہیں سکتا۔ اور اگر عالموں کی کثرت پائی بھی جائے تو ضرور ہے۔ کہ وہ ہماری اسی تقسیم اور اجزائے کائنات سے پیدا اور مرکب ہوئے ہونگے گریں نے جہاں تک دیکھا ہے یہ ہے۔ کہ علمائے یونان کائنات کے طبیعی ارتباط کے پاس ہو کر بھی نہیں پھٹکے ہیں۔

یہ آیت ہم کو علوم کی تحصیل پر راغب بناتی ہے۔ اور دیکھنے کی یہ بات ہے۔ کہ اس کے بعد ہی جو دوسری آیت آئی ہے۔ اس نے کیونکر ان علوم سے پیدا ہونے والے تمدن و تہذیب کے چہرۂ زیبا کو بے نقاب کر دیا ہے۔ اور قومی سیاست (پالیٹکس) اور اس کے نظام کی بھی صاف طور سے تعیئں کر دی ہے۔ پھر اُس نے حاکموں اور محکوموں کے مابین ایک دلچسپ پہلو اور گمراہ قوموں کے اختلالِ عقائد کی بھی کیسی سچی تصویر پیشِ نگاہ کر دی ہے۔ فرماتا ہے :-

اور لوگوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جو اللہ کے سوا اور وں کو بھی شریک خدا ٹھہراتے اور جیسی محبت خدا سے رکھنی چاہیئے ویسی ہی محبت اُن سے رکھتے ہیں۔ اور جو ایمان والے ہیں اُن کو تو سب سے بڑھکر خدا کی محبت ہوتی ہے۔	"وَمِنَ النَّاسِ مَن يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ط (۲:۱۷۵)

آدمیوں کی دو قسمیں ہیں۔ ایک عقلمند جو اپنی عقول میں ایک ہی خالق اور موجد کی ہستی کا خیال پاتے اور یہ سمجھتے ہیں کہ اُس موجد نے ایک ہی حیرت انگیز اور نادر نظام بنایا ہے۔ یہ لوگ دل سے اسی موجد کے عاشق اور جان سے اس پہ مائل ہو جاتے ہیں۔ معرفت الٰہی کے وہ مرتبے حاصل کرتے ہیں۔ کہ ان سے مملکت قلوب میں فرحت اور سلطنت دماغ میں نور و ضیاء پھیل جاتی ہے اور اُن کو یقین اور دلوں کی تاریکی دور کر دینے والے عقیدہ کی روشنیوں کی سراپا برکت نعمت مل جاتی ہے۔ سوال ہوگا کہ وہ کونسا نور ہے؟ جواب یہ ہے۔ وہ نظامِ حکومت اور تمدن کی وحدت ہے۔ اور اس کا حصول یوں ممکن ہے۔ کہ حاکم و محکوم دونوں کو ان کے سزاوار شان و مناسب حال درجہ پر رکھا جائے اور ان سے وہی سلوک ہو جو کہ اُن کی استعداد کے موزون ہو اور ان کی کوشش و محنت کے اعتبار سے اُنہیں ملنا چاہیئے۔ اور یہ نظام تمدّن بھی بالکل ویسا ہی ہے۔ جیسا کہ نظام کائنات۔ کیونکہ دنیا میں بھی ہر چیز کا باہمی ربط کچھ اس خوبی سے ملا ہوا ہے۔ کہ وہ سب چیزیں مِل جُل کر ایک ہی جسم اور ایک مزاج ہو گئی۔ اور منتظم شکل میں آگئی ہیں۔ پس پہلے معنی کے اعتبار سے ان امور کا عارف شرابِ عشقِ الٰہی سے سرشار اور بدل و جان خدا پر نثار ہو جائیگا۔ نظام و جمال کائنات اور بہاء و کمال قدرت ایزدی کا مشاہدہ اس کے دل میں خدا کی ایسی محبت پیدا کر دیگا۔ کہ جب تک یہ نظام روز افزوں حسن و خوبی میں بڑھتا رہیگا۔ اور حکمت اور حیرت انگیز عجائبات کا احساس رو بترقی اُسوقت تک کبھی اس کی محبت میں کوئی فتور نہ واقع ہوگا اور دوسرے معنے کے اعتبار سے تمدّن اور شہریت کی وحدت قائم و دائم رہیگی۔ کیونکہ اس کی بنیاد

بالکل قوانین قدرت اور نوامیس کائنات کے اُن مستحکم اصول پر لکھی جائیگی۔ جن میں کوئی تزلزل نہیں
واقع ہوسکتا۔ اور جو اس دنیا کے مبنی ہیں۔ اور ان ہی دونوں مقدمات کے اعتبار پر مذکورہ بالا آیت
کریمہ کے بعد جو دوسری آیتیں ایک ہی سلسلہ بیان کے متعلق پے درپے آئی ہیں۔ وہ حسب ذیل دو
معنوں میں تفصیل کا فائدہ دیتی ہیں۔

پہلے معنیٰ میں تو ارشاد ہوا: "وَمِنَ النَّاسِ مَن يَتَّخِذُ مِن دُونِ اللَّهِ أَندَادًا يُحِبُّونَهُمْ
كَحُبِّ اللَّهِ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ" اور یہ لوگ جن کی نسبت کہا گیا ہے کہ "وہ اوروں
کو خدا کا شریک ٹھہراتے ہیں" ایسے لوگ ہیں۔ جو کہ اپنے پیشواؤں کے مقلد اور ایسے خدا کی عبادت
کرتے ہیں۔ جس کے کسی اسرار خلقت کو نہیں جانتے۔ اس لئے ان کی محبت درحقیقت خدا کے
ساتھ نہیں ہوتی بلکہ وہ اپنے اُن پیشواؤں کے ساتھ ہی محبت کرتے ہیں۔ اور یہی حالت بتوں جانوروں
درختوں۔ آگ۔ سورج اور چاند وغیرہ کی پرستش کرنے والوں کی ہے۔ چونکہ ہمیشہ وہ اُنہی اشیا کو
اپنا معبود بنائے رہتے ہیں اور ان کی پوجا پاٹ کیا کرتے ہیں۔ اس واسطے ان کے دلوں میں
ان کی محبت اور منزلت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور اگر کسی طرف سے اُن کے اِن معبودوں کی
اہانت ہو تو برافروختہ ہوجاتے ہیں۔ اور سخت رنجیدہ و ناخوش ہوتے ہیں۔ لیکن ایسے لوگ
جنہوں نے علوم کی لکھی ہوئی کتابیں پڑھی ہیں۔ اور دنیا کی صنعتوں پر آگاہی حاصل کی ہے۔
وہ اپنی دلیل پر نقص نہ آنے اور اپنی مستحکم گرفت میں ڈھیل نہ پڑنے کی وجہ سے پابرجا اور عقیدہ
میں پختہ رہتے ہیں۔ اور محبت الٰہی میں پکے ہوتے ہیں۔ مگر بت پرستوں کی یہ حالت نہیں۔ اُن
پر راستی اور حقیقت کا اظہار ہوتے ہی ان کے قصر عقائد کے ارکان متزلزل ہوجاتے اور وہ
بڑی آسانی کے ساتھ بتوں کی محبت ترک کردیتے ہیں۔ اور اسی دوسرے معنے کی طرف خدائے کریم
اپنے اس قول میں ارشاد فرماتا ہے۔

"وَلَوْ يَرَى الَّذِينَ ظَلَمُوا إِذْ يَرَوْنَ
الْعَذَابَ أَنَّ الْقُوَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا وَأَنَّ
اللَّهَ شَدِيدُ الْعَذَابِ ۝ إِذْ تَبَرَّأَ
الَّذِينَ اتُّبِعُوا مِنَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا
وَرَأَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ
الْأَسْبَابُ ۝ وَقَالَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا

اور جو بات ان ظالموں کو عذاب دیکھنے پر سوجھ پڑیگی
اے کاش اب سوجھ پڑتی۔ کہ ہر طرح کی قوت اللہ ہی کو ہے
اور نیز یہ کہ اللہ کا عذاب بھی سخت ہے۔ (یہ ایسا کڑا وقت
ہوگا) کہ اس وقت گرو اپنے چیلے چانٹوں سے دستبردار
ہو جائینگے۔ اور عذاب آنکھوں سے دیکھ لینگے۔ اور انکے
آپس کے تعلقات سب ٹوٹ جائینگے۔ اور چیلے بول اٹھینگے

وَلَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ۔ كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ ۔ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ۞ (۲: ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷)

اے کاش ہم کو ایک دفعہ دنیا میں پھر لوٹ کر جانا ملے تو جیسے یہ لوگ آج ہم سے دست بردار ہوگئے اسی طرح کل کو ہم بھی انکو دست بردار ہو جائیں۔ یوں اللہ انکے اعمال انکے آگے لائیگا۔ کہ ان کو وہ اعمال سراسر حسرت دکھائی دینگے۔ اور اس پر بھی ان کو دوزخ سے نکلنا نہ نصیب ہوگا۔

ان آیات میں ظالمانہ عقائد رکھنے والوں۔ اپنے گرد و پیش کے مظاہر قدرت سے جاہلوں۔ پیشواؤں کی اندھی پیروی کرنے والوں۔ انتظام تمدن میں خود غرض لیڈروں اور سرغناؤں کے نظام کی پابندی رکھنے والوں اور غلامی و خواری کے زنجیر میں گرفتاروں کو مخاطب بنایا گیا ہے جو کہ اپنے دینی اور دنیاوی پیشواؤں کی گمراہ بنانے والی تعلیم و ہدایات پر چلنے اور ان کی ظاہری جاہ و جلال یا مصنوعی فضل و کمال اور جامۂ پارسائی کے دھوکے میں آکر راہ سے بے راہ ہو جاتی ہیں ایسے لوگوں کو اللہ پاک یہ خوف دلاتا ہے۔ اور آگاہ کرتا ہے کہ تمہارے ان پیشواؤں اور سرداروں نے تمہیں صرف اپنی خود غرضی کا شکار بنا رکھا ہے۔ یا ان کے حاشیہ نشینوں اور مریدوں اور خادموں نے اپنا پیٹ پالنے کے لئے غلط اور من گھڑت کرامتوں کے افسانے سنا سنا کر تم کو لوٹنے کا سامان کر رکھا ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ اگر یہ جاہل و اندھے پیرو کسی طرح دنیا کی تباہی و خواری اور آخرت میں عذاب دوزخ کی گرفتاری کا دلشکن اور جگر دوز تجربہ کرتے۔ تو انہیں صاف نظر آجاتا کہ جن سرداروں اور رہنماؤں کی تعلیم پر وہ چل رہے ہیں یہ بھی انہی کی طرح ضعیف و جاہل انسان تھے۔ اور صرف چند دکھاوے کی باتوں اور چرب زبانیوں سے دنیا میں ان کو دھوکا دیتے رہے تھے۔ پس یہ علم ہوتے ہی ان پر جانگزا حسرت طاری ہوگی اور وہ کچھ ایسے بددل ہوجائینگے کہ سرداروں کی الفت اور اُن کے دباؤ کا اثر بالکل جاتا رہیگا۔ قوم میں پھوٹ اور خرابی پھیلیگی اور اس کا نتیجہ دوسری بیدار اقوام میں سے کسی کی ماتحتی ہوگی۔ جو کہ ان مکار پیشواؤں کا زور توڑیگی اور آزاد و خود مختار قوم غلامی و ذلت کی سختیوں کا شکار بن کر اپنے ناعاقبت اندیش پیشواؤں پر الزام رکھ کر اُن سے فریاد کریگی۔ کہ اب ہم کو بچاؤ۔ لیکن وہاں پیر خود درماندہ شفاعت کہ کس کا معاملہ ہوگا سب کو نفسی نفسی کی پڑی ہوگی۔ اور جس طرح یہ قول باریتعالی عذاب آخرت پر صادق ہے۔ ویسے ہی اس کی صداقت کے نمونے ہم کو ہر روز دنیا میں بھی نظر آتے رہتے ہیں۔ تباہ کار اور گمراہ قوموں پر خارجی دشمن کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ تو اُن کے ہوش ٹھکانے آتے اور وہ اپنے غفلت میں کبھی مدہو

کے زمانہ کو یاد کر کے ندامت اٹھاتے اور کہتے ہیں کہ کاش ہم کو پھر آزادی کی زندگی بسر کرنے کا موقع ملتا تو آئندہ ہم ایسے کام ہی نہ کرتے جو ہمیں نیچا دکھائیں اور غیر کا ہاتھ ہمیں اپنی گرفت میں لاسکے۔ مگر افسوس!!! کہ اب وقت ہاتھ سے جا چکا ہوتا ہے۔

جبکہ دنیا کی یہ حالت ہے۔ تو آخرت کو اسی پر قیاس کرنا چاہیئے۔ کیونکہ "الدنیا مزرعۃ الآخرۃ"، دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ جو یہاں بویا جائیگا۔ اسی کا پھل پایا جائیگا یا دوسرے معنی میں یوں کہوں کہ ہر ایک عمل کا انجام دنیا ہی میں ظاہر ہو جاتا ہے۔ نیک کو نیکی کا صلا اور بد کو بدی کی سزا یہیں مل رہتی ہے۔ کامل نہ ملے تو معمولی ہی سہی۔ ہاں اس مقام پر اعتراض ہوگا۔ کہ آیۃ کریمہ سے یہ مفہوم تم نے کیونکر نکالا ہے۔ کیونکہ اُس میں تو محض عذاب دوزخ اور آخرت میں پیشوایان قوم کے اپنے ماتحتوں سے مکالمہ کرنے کا حال اور نمونہ بتایا گیا ہے۔؟ تو ہم اسکا جواب یوں دینگے۔ یہ بیان دنیا میں پیش آنے والی باتوں کا ایک خاکہ ہے۔

"وَمَنْ كَانَ فِي هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا"

اور جو اس دنیا میں ہی اندھا ہے وہ آخرت میں اور بھی اندھا اور گمراہ تر ہوگا۔

کیونکہ جو نفوس دنیا میں ہیں بجنسہٖ یہی دوسرے عالم میں بھی ہونگے۔ ان کے دل و دماغ اور عقل و ہوش دونوں جگہ ایکساں اور برابر ہونگے۔ جس طرح یہاں وہ دیکھنے۔ سنتے اور سمجھتے ہیں۔ وہاں بھی ان باتوں سے بہرہ ور رہینگے۔ اور خود خدائے پاک نے ان آیات کے بعد مساوات عقول و نفوس کی طرف یوں اشارہ فرمایا ہے۔

"يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝" (۲: ۱۶۸)

لوگو! زمین میں جو چیز حلال طیب قسم کی ہے۔ اس میں سے جو چاہو کھاؤ اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو وہ تو تمہارا کھلا دشمن ہے۔

باونواں جوہر

(۱) "وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ۭ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ" (۲: ۱۸۶)

اور اے پیغمبر جب ہمارے بندے تم سے ہمارے بارہ میں دریافت کریں تو انکو سمجھا دو کہ ہم انکے پاس ہیں۔ جب کبھی کوئی ہم سے دعا کرے تو ہم ہر ایک دعا کرنے والے کی دعا کو سنتے ہیں۔

اور اس آیۃ کریمۃ تک پہنچ کر مجھ کو مناسب معلوم ہوا کہ کتاب ہذا کو اسی پر ختم کر دوں۔ اور میں بعاجزی والحاح تمام خداوند کریم سے ملتجی ہوں کہ وہ مجھے سارے قرآن کی تفسیر کرنے میں اسی انداز و طریقہ پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ اور میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے حسب ہدایت ایک مکمل تفسیر قرآن شریف اسی انداز کی لکھ سکوں۔ جیسا کہ اس تفسیر کا مقدمہ یا پہلا حصہ ہی

وصلی اللہ علی سیدنا محمد و آلہٖ و اصحابہٖ وسلم

تمام شد حصہ اوّل جواہر قرانی